پنجاب

اور

بیرونی حملہ آور

پروفیسر عزیز الدین احمد

Scanned with CamScanner

پنجاب اور بیرونی حملہ آور

پروفیسر عزیز الدین احمد

مکتبہ فکر و دانش

۱۸۔ اے، مزنگ روڈ، لاہور

Scanned with CamScanner

ترتیب

۱۔ پیش لفظ

۲۔ بیرونی حملہ آور اور درسی کتب ۷

۳۔ حملہ آوروں کی ثقافت -- اسلامی یا وسط ایشیائی ۴۰

۴۔ پنجاب اور بیرونی حملہ آور ۴۷

آریاؤں کا حملہ اور دراوڑوں کی مزاحمت ۴۸

یونانیوں کا حملہ اور پنجاب ۵۱

وسط ایشیاء کے مسلمان حملہ آور اور پنجاب ۵۳

ترک، پٹھان، مغل حکمران اور پنجاب کے عوام ۶۱

پنجاب کا دفاع غیر ملکی حکمرانوں کے دور میں ۶۴

پنجاب پر دشت قبچاق سے نازل ہونے والی بلائیں ۷۸

۵۔ رنجیت سنگھ کا سنہری دور ۸۵

۶۔ پنجاب رنجیت سنگھ کے بعد ۱۰۵

۷۔ برطانوی حکمران اور پنجابی مجاہدین کی آزادی ۱۳۷

Scanned with CamScanner

پنجاب کا ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں حصہ ۱۴۱

نامدھاری کوکالہر ۱۶۰

"پگڑی سنبھال جٹا" ۱۶۴

پنجاب میں بغاوت کا پرچار ۰۹-۱۹۰۷ء ۱۷۲

۸ ۔ پنجاب کے انقلابیوں کی بیرون ملک جدوجہد ۱۷۶

غدر پارٹی کا قیام ۱۷۷

طالبعلم ـــــ کی ہجرت، بنائی کمیونسٹ پارٹی ۱۹۱

جلیانوالہ باغ ۱۳، اپریل ۱۹۱۹ء ۱۹۸

Scanned with CamScanner

پیش لفظ

" پنجاب اور بیرونی حملہ آور " ہماری درسی کتابوں میں موجود پنجاب کی مسخ شدہ تاریخ کو درست کرنے کی ایک ادھوری کوشش ہے - یہ کام کئی ماہرین تاریخ کے مل کر کے کرنے کا ہے - اور اگر ابھی تک نہیں ہوا تو کسی نہ کسی کو خواہ وہ پیشہ ور مورخ نہیں ہے کرنا ہی تھا - کتاب کا زیادہ تر انحصار پنجاب کی تاریخ کے مختلف ادوار بارے لکھی گئی کتابوں پر ہے نہ کہ اصل ماخذ پر - ان کتابوں کے حوالے آخر میں دے دیئے گئے ہیں - مصنف کو اس بات کا احساس ہے کہ پنجاب کی چار ہزار سالہ تاریخ پر محیط حملہ آوروں اور مقامی آبادی کے تعامل کی تحقیق انفرادی کوششوں کی بجائے کئی محققوں کی مشترکہ کوششوں سے ہی بار آور طریقے سے ہو سکتی ہے تاہم جب تک ایسی کتاب لکھی جائے یہ ضروری سمجھا گیا کہ جو دروغ گوئی تاریخ کے نام پر کی جا رہی ہے اس کا پردہ چاک کرنے کے لئے جو نامکمل اور ادھوری کوشش ممکن ہے اس سے دریغ نہ کیا جائے

ظاہر ہے اس طرح کی انفرادی اور جزوقتی سرگرمی سے تحریر کی جانے والی کتاب میں سقم موجود ہوں گے - تاہم امید ہے کہ ناقدین کی تحریروں سے وہ سامنے بھی آئیں گے اور انہیں رفع کرنے کی صورت بھی پیدا ہو گی -

ایک طرف پبلشر کے اصرار پر کہ کتاب کو جلد پریس کے حوالے کیا جائے اور دوسری جانب مصنف کی مصروفیات کی بنا پر کم از کم تین اہم ابواب کتاب میں موجود نہیں - کھکھڑ قبائل کی حملہ آوروں کے خلاف جدوجہد ' دلا بھٹی کا مغل سرکار سے ٹکراؤ اور بھگت سنگھ کا دور یہ ابواب اگلے ایڈیشن میں شامل کر دیئے جائیں گے -

کتاب کا بیشتر حصہ " پنجاب تے دھاڑوی " کے عنوان سے پنجابی روزنامہ " سجن " لاہور میں ۱۹۸۹ میں قسط وار شائع ہوا - جب ان اقساط کو یکجا کر کے چھاپنے کا تقاضا ہوا تو کتاب کے پہلے دو ابواب کا اضافہ کیا گیا - روزنامہ " سجن " میں چھپنے والے مضامین کا ترجمہ غلام نبی طارق صاحب نے کیا جس کے لئے مصنف ان کا شکر گذار ہے - تاہم ترجمے کی نظر ثانی کا کام چونکہ وقت طلب تھا اس لئے مصنف اسے مناسب انداز میں نہیں کر سکا -

عزیز الدین احمد
۲۴ اپریل ۱۹۹۰ء

Scanned with CamScanner

بیرونی حملہ آور اور درسی کتب

ہماری درسی کتابوں میں برصغیر پر حملہ آور ہونے والی شخصیات کی تصویر کشی خلاف حقیقت، رومانوی اور بعض اوقات تعصب پر مبنی انداز میں کی جاتی ہے۔ ان حملہ آوروں کو، خواہ وہ غیر مسلم ہوں یا مسلمان، مخصوص سماجی و تاریخی سیاق و سباق میں رکھ کر ان کے بارے میں رائے زنی نہیں کی جاتی اور نہ ان کی فتوحات کے پس پشت موجود حقیقی اسباب و اغراض کو ہی زیر بحث لایا جاتا ہے۔ بلکہ انہیں قابل تعریف و تقلید عظیم شخصیات کے روپ میں ہی پیش کرنا مناسب سمجھا جاتا ہے۔ انہیں ہیرو بنایا جاتا ہے۔ پھر ان پر مبنی "اسلامی تاریخی ناول" تخلیق ہوتے ہیں اور ٹیلی ویژن سیریز چلتے ہیں۔

ان نام نہاد عظیم شخصیات نے فتوحات کے شوق میں برصغیر اور بالخصوص اس کے جغرافیائی دروازے صوبہ پنجاب کے عوام کی سماجی زندگی کو کس طرح تہس نہس کیا، ان کی خوشحال بستیوں کی کس طرح اینٹ سے اینٹ بجائی اور قتل و غارت اور لوٹ مار کے صدیوں پر پھیلے ہوئے سلسلے نے کس طرح ان کی ترقی کرتی ہوئی تہذیب کو بار بار ختم کیا، بار بار مہذب، کھیتی باڑی کرتے ہوئے، فن اور ادب تخلیق کرتے ہوئے شہر اور قصبے تعمیر کرتے ہوئے پنجابی لوگوں کو جنگلوں کی طرف دھکیل کر پسماندہ زندگی گزارنے یا پہاڑوں اور صحراؤں میں گلہ بانی کرنے پر مجبور کر دیا اس کے بارے میں ہماری درسی کتب کا مصنف خاموش ہے۔

ان حملہ آوروں میں سے اکثر بقول ہماری درسی کتب کے مصنف کے "آندھی کی طرح سے آئے اور بگولے کی طرح سے چلے گئے۔" جو کچھ مقامی آبادی نے صدیوں کی عرق ریزی سے تعمیر کیا تھا اسے ملبے کا ڈھیر کر کے، جو کچھ خوبصورتی انہوں نے تخلیق کی تھی اسے تباہ کر کے، جو کچھ اندوختہ انہوں نے پس انداز کیا تھا اسے بجبر چھین کر یہ لوگ وسط ایشیا کو چلتے بنتے اور اپنے پیچھے کھوپریوں کے مینار، لاشوں

Scanned with CamScanner

کے ڈھیر' اور جلتی ہوئی بستیاں چھوڑ جاتے۔

پنجابی عوام کی وہ مثالی جدوجہد جو انہوں نے حملہ آوروں کے خلاف کی اب تک ہماری درسی کتب کی زینت نہیں بن سکی۔ نہ مقامی آبادی کے کسی مرد جری کو ہیرو تسلیم کیا گیا' نہ ان کی حملہ آور مخالف جدوجہد ہی اس قابل سمجھی گئی کہ اسے اگلی نسل تک پہنچایا جائے۔ غیر ملکی حملہ آور اور لٹیرے ہیرو بنا کر ہمارے سر پر تھوپ دیے گئے۔

ایک وجہ تو یہ تھی کہ درسی کتابیں لکھنے والوں کا تعلق حملہ آوروں کی نسل سے رہا ہے۔ یا وہ اس نسل پرستانہ سوچ سے متاثر رہے ہیں جو برصغیر میں حملہ آور حکمرانوں کے دربار میں موجود تھی۔ یہ سوچ ہر مقامی چیز کو پست' گھٹیا اور رذیل قرار دیتی ہے۔ اور باہر کی ہر شے کو اعلیٰ' افضل اور اشرف گردانتی ہے۔ اپنے آپ کو سربلند کرنے کیلئے مقامی آدمی کے لئے بھی ضروری قرار دے دیا گیا کہ وہ باہر سے رشتہ جوڑے۔ اسی سوچ نے مقامی آبادی کے ایک حصے میں ایسا احساس کمتری پیدا کر دیا کہ اچھی بھلی مقامی برادریاں بھی اپنا ماخذ اور جڑیں بیرون ملک تلاش کرنے لگیں۔ ارائیوں نے اپنے آپ کو اراعی بتا کر عرب سے رشتہ جوڑ دیا۔ اعوان عون بن محمد کی اولاد بن گئے' کیانی ایرانی ہونے کا دعویٰ کرنے لگے اور کئی لوگ دولت حاصل کرنے کے بعد راتوں رات "سید" کہلوانے لگے۔

حملہ آوروں کے ہیرو بننے کی وجہ یہ بھی تھی کہ ان کے بھائی بند صدیوں تک برصغیر میں تخت و تاج کے وارث بنے رہے۔ چونکہ سماجی ترقی کرنے کے خواہشمند لوگوں کا ایک حصہ صاحب اقتدار لوگوں کے آگے پیچھے پھرتا ہے اور ان کے ساتھ تعلق کو اپنے لئے باعث فخر تصور کرتا ہے اس لئے مقامی آبادی کے اس حصے نے ولایت سے آئی ہوئی ہر چیز کو تقدس کا روپ دیا۔ سلاطین دہلی کے دور اور عہد مغلیہ میں ولایت کا مطلب ایران اور ترکستان تھا۔ انگریزوں کے آنے کے بعد اس لفظ کا مطلب یورپ ٹھہرا۔ باہر سے آنے والوں کے ساتھ تعلق قابل عزت سمجھا جانے لگا۔

حقیقت تو یہ ہے کہ برصغیر میں بیرون ملک سے آنے والے مسلمانوں کی تعداد

مقامی مسلمانوں کے مقابلے میں آٹے میں نمک کے برابر تھی۔ گو مردم شماری کی کسی رپورٹ میں مقامی اور غیر مقامی مسلمانوں کا علیحدہ علیحدہ شمار نہیں ملتا تاہم ۱۹۱۵ میں آل انڈیا مسلم لیگ کے سیشن میں مظہر الحق نے صدارتی خطبے میں کہا تھا "وہ مسلمان جو غیر ہندوستانی آباؤ اجداد سے اپنا حسب و نسب ملاتے ہیں صرف اسی لاکھ ہیں۔[1]" ۱۹۱۵ میں ہندوستان کی کل مسلمان آبادی سات کروڑ تھی۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ دونوں کا تناسب کیا تھا۔ غیر مقامی برادریوں کے مسلمان ان لوگوں کی اولاد تھے جو حملہ آوروں کے ہمراہ آئے تھے یا بعد میں بلائے گئے تھے تاکہ سول و فوجی افسر شاہی کے طور پر کام آسکیں۔ ان کیلئے حملہ آوروں کی تعریف کرنا اس لئے ضروری تھا کہ وہ انہی کی آل اولاد تھے۔ دربار سے متعلق کاسہ لیسوں اور مراعات حاصل کرنے والوں کے لئے بھی ان کی مدح و ثنا کرنا اور انہیں آسمان پر چڑھانا ضروری تھا۔

سو ہر حملہ آور ہمارا ہیرو بنا دیا گیا۔ خواہ وہ سکندر ہو یا چنگیز' تیمور ہو یا بابر یا احمد شاہ ابدالی۔ سکندر کا نام تو ہمارے لوگوں میں اتنا متعارف ہوا کہ وہ برصغیر کے مسلمانوں میں سب سے مقبول غیر مسلم عظیم انسان کا رتبہ اختیار کر گیا۔ کلاسیکی فارسی شاعروں نے خضر اور سکندر کے قصے ایجاد کئے اور ان قصوں سے تلمیحات کا وسیع سلسلہ جس طرح سے نکلا اس سے سکندر کا نام مسلمانوں میں معروف نام کے طور پر استعمال ہونے لگا۔ یونان کا یہ حملہ آور اس طرح ایک گھریلو نام کے طور پر مقبول ہوا کہ جیسے وہ بھی مسلمانوں کا کوئی پیغمبر ہو۔ چنگیز کی غارت گری چونکہ مقابلتاً نئی تھی اور اس کا نشانہ ارد گرد کے مسلمان ملک تھے جہاں سے برصغیر کے حکمران خود آئے تھے اس لئے اس کا نام اتنی زیادہ قبولیت تو نہ حاصل کر سکا تاہم کچھ نہ کچھ پذیرائی اس کی بھی ہوئی۔ کوئی نہ کوئی آدمی مل ہی جاتا ہے جس کا نام اس کے والدین نے چنگیز رکھنے میں کوئی خرابی محسوس نہ کی۔

یہ تو تھے غیر مسلم فاتحین جو مقبول کر دیے گئے۔ جہاں تک مسلمان فاتحین کا تعلق ہے تو ان کی طرف تو ہماری درسی کتب کے مصنفین کا رویہ بالکل تعصب اور جانبداری پر مبنی ہوتا ہے۔ حملہ آور کا مسلمان ہونا اس کے تمام عیبوں کی پردہ پوشی کرنے

Scanned with CamScanner

اور اس کی قتل و غارت گری سے صرف نظر کرنے کیلئے کافی سمجھا جاتا ہے - یہ حقیقت فراموش کردی جاتی ہے کہ ان حملہ آوروں کی زندگی میں مذہب فی الحقیقت زیادہ اہمیت نہیں رکھتا تھا - اور اکثر و بیشتر ذاتی زندگی میں بھی موجود نہ تھا - مذہب کا تعلق برصغیر پر حملہ کرنے یا اس پر حکومت کرنے سے نہیں تھا - مسلمان ہونے سے زیادہ یہ حملہ آور اور حکمران وسط ایشیائی ترک ' افغان اور ایرانی تہذیب اور ثقافت سے متاثر تھے - ان پر وسط ایشیائی ثقافت کی وہ گہری چھاپ لگی ہوئی تھی جو اسلام سے قطعاً " لگا نہیں کھاتی - ان کا رہن سہن ' ان کی ذاتی عادات ' ان کے اشغال ' ان کا جنگ لڑنے کا طریقہ ' ان کا مفتوحہ علاقوں سے سلوک یہ سب کچھ اسی مخصوص ثقافت سے متاثر ہوتا تھا نہ کہ اسلام سے - یہ لوگ اکثر و بیشتر نام کے مسلمان تھے - یا کبھی کبھار اسلام کو اپنی کاروائیوں کے جواز کے لئے بعینہ اسی طرح استعمال کرتے تھے جیسے عصر حاضر کے مسلمان ڈکٹیٹر کرتے ہیں - یہ حملہ آور مسلمان حکمرانوں اور مسلمانوں کی آبادیوں کے خلاف بھی ویسے ہی جنگیں لڑتے ' انہیں غلام بناتے ' یا قتل کرتے جیسا کہ غیر مسلموں کے ساتھ کرتے تھے - ان کا بنیادی مقصد فتوحات کے ذریعے زر و جواہر ' غلام اور کنیزیں حاصل کرنا ' یا اپنی سلطنت پھیلانا تھا - اس کام کو سرانجام دینے کیلئے وہ کسی مذہب ' فرقے یا عقیدے کے لوگوں کے ساتھ خصوصی برتاؤ نہیں کرتے تھے -

اسلام کے اصل مبلغ ۔ صوفیاء

کیا پنجاب میں اسلام حملہ آوروں کے ذریعے سے پھیلا؟ تاریخ بتاتی ہے کہ ایسے نہیں ہوا - پنجاب ہو یا برصغیر کا باقی حصہ یہاں اسلام کا پھیلاؤ بنیادی طور پر ان صوفیا کا مرہون منت ہے جو مذہب ' ذات پات اور نسلی تعصب کے مخالف تھے اور انسان دوستی کا پرچار کرتے تھے - ان صوفیا کا اٹھنا بیٹھنا ' جینا ' مرنا یہاں کے عوام کے ساتھ تھا اور وہ دربار اور بادشاہ سے تعلق کو اپنے لئے حرام قرار دیتے تھے - ان میں سے وہ جو باہر سے آئے تھے مقامی آبادی میں اتنا رچ بس گئے تھے کہ یہیں کے ہو کر رہ گئے تھے - ان کا

لباس ' خوراک ' زبان ہر چیز مقامی تھی - پنجابی زبان ہو یا سندھی اس کے سب سے بڑے ادیب ' ان زبانوں کو ترقی دینے والے اور ان میں لکھنے کو وجہ افتخار سمجھنے والے یہی صوفی تھے - انہوں نے ہر اس شے کو ترک کیا جس کا تعلق دربار سے ہو - زبان بھی انہی میں شامل تھی - انہوں نے یہاں کے عوام سے ہی نہیں یہاں کی دھرتی سے بھی سچی اور گہری محبت کی - ان کا قبلہ ' کعبہ سبھی کچھ یہی خطۂ ارض بنا -

حاجی لوک مکے نوں جاندے ‏ ‏ ‏ ‏ اساں جانا تخت ہزارے
جت ول یار اوتے ول کعبہ ـــــ بھانویں کھول کتاباں چارے
میں کیونکر جاواں کعبے نوں ‏ ‏ ‏ ‏ دل لوچے تخت ہزارے نوں
لوکی سجدہ کردے کعبے نوں ـــــ ساڈا سجدہ یار پیارے نوں
ایس عشق دی جھنگی وچ مور بلیندا ‏ ‏ ‏ ‏ سانوں کعبہ تے قبلہ پیارا یار دسیندا

ان صوفیا نے نہ صرف تبلیغ اسلام کی بلکہ اس ظلم اور بربریت پر مبنی وسطی ایشیائی ثقافت کی نفی بھی کی جسے حملہ آور ساتھ لائے تھے - وہ ظلم کو برا سمجھتے تھے اور قتل و غارت اور لوٹ مار کے خلاف تھے - شیخ محمد اکرام کے بقول " پاکستان و ہند میں اسلام زیادہ تر صوفیائے کرام نے پھیلایا لیکن ان کا مطمح نظر اور طریق کار دور حاضر کے مشنریوں اور مبلغوں سے بالکل مختلف تھا - انہوں نے اپنے آپ کو فقط غیر مسلموں میں اشاعت اسلام کے لئے وقف نہ کر رکھا تھا بلکہ تبدیلی مذہب تو (سوائے بعض اسماعیلیوں اور سہروردیوں کے) شاید ان کا مقصد اولین ہی نہ تھا - ان کے دروازے ہر ایک کیلئے خواہ وہ ہندو ہو یا مسلمان ' امیر ہو یا غریب کھلے تھے - اور ان کا کام ہر ایک میں بلا کسی تفریق کے ارشاد و ہدایت تھا - ایک ہندو کے قبول اسلام سے انہیں جتنی خوشی تھی شاید اس سے زیادہ ایک مسلمان کے ترک گناہ سے ہوتی "[2]

اسلام نہ تو محمد بن قاسم کی تلوار سے پھیلا اور نہ محمود غزنوی کی یلغار سے - اس بات کا ثبوت شیخ محمد اکرام کے اس خیال سے ملتا ہے جس کا اظہار اسی کتاب میں وہ اس طرح کرتے ہیں " بحیثیت مجموعی یہ کہنا صحیح ہے کہ فتح سندھ سے حضرت خواجہ معین

Scanned with CamScanner

الدین اجمیری کی آمد تک اشاعت اسلام کی رفتار اس سرزمین میں بڑی سست رہی۔ مگر اس کے بعد یکایک اس مستعدی اور جوش و خروش کا اظہار ہوا کہ پچھلی سست رفتاری کی بہت جلد تلافی ہو گئی "۳

وہ مشہور صوفی جو برصغیر میں تبلیغ اسلام میں پیش پیش ہوئے خواجہ معین الدین اجمیری کے علاوہ بہاؤ الدین زکریا ملتانی' شیخ رکن عالم' سید جلال الدین سرخ بخاری' سید احمد سلطان سخی سرور' بابا فرید' امیر کبیر سید ہمدانی اور نور قطب العالم ہیں۔ ان کے علاوہ اور ہزاروں صوفیانے یہ کام سرانجام دیا۔

یہ تمام صوفیا رواداری اور صلح پسندی کا درس دیتے تھے۔ کسی بھی مذہب کے برگزیدہ افراد کی برائی نہیں کرتے تھے۔ نیکی کی تلقین کرتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لاکھوں کی تعداد میں لوگ ان کے ہاتھ پر اسلام لائے اور کروڑوں غیر مسلموں نے انہیں نگاہ احترام سے دیکھا۔ مرنے کے بعد بھی وہ مسلمانوں اور غیر مسلموں کی مشترکہ میراث بنے اور آج تک صرف مسلمان ہی نہیں بلکہ غیر مسلم بھی انہیں خراج عقیدت پیش کرنے آتے ہیں۔

پنجاب میں آباد صوفیوں میں سخی سرور کا نام ایسے ہی لوگوں میں شامل ہے جن کے معتقدین میں کثرت سے ہندو شامل رہے ہیں اور تقسیم ملک سے پہلے لاکھوں کی تعداد میں وہ ہندو جو سلطان سخی سرور کی مناسبت سے سلطانی کہلاتے تھے آپ کے عرس میں شرکت کرنے مشرقی پنجاب سے آتے تھے۔ اور جب ملتان کے ہندو عامل دیوان ساون مل نے انہیں جرمانہ کرنا شروع کیا تو بھی وہ باز نہ آئے۔ شیخ محمد اکرام لکھتے ہیں۔

" پنجاب میں آج بھی ان کا اثر دیکھ کر کہا جا سکتا ہے کہ وہ بڑے صاحب سطوت بزرگ تھے۔ بالخصوص پنجاب میں شاید ہی کوئی مسلمان اہل اللہ ہوگا جس کے اس کثرت سے ہندو معتقد ہوں۔ آپ کے ہندو معتقدوں کو سلطانی کہتے ہیں۔ اور مشرقی پنجاب بالخصوص جالندھر ڈویژن کے تمام زراعت پیشہ جاٹ ہندو جو سکھ نہیں ہو گئے سلطانی ہیں۔ ضلع جالندھر کے سرکاری گزیٹر میں لکھا ہے کہ اجمالی طور پر ہندو آبادی دو حصوں میں تقسیم ہو سکتی ہے۔ گرو کے سکھ یعنی سکھ اور سلطانی جو ایک مسلمان پیر

کے جسے سلطان سخی سرور یا لکھ داتا بھی کہتے ہیں پیرو ہیں' (صفحہ ۱۴۱) آگے چل کر لکھا ہے زراعت پیشہ ہندوؤں میں سلطانیوں کی اکثریت ہے اور ان میں چمار بھی ہیں۔ ان کا بیان ہو چکا ہے اگر وہ گوشت کھائیں تو صرف حلال کیا ہوا گوشت کھاتے ہیں۔ وہ سکھوں کے برعکس حقہ کثرت سے پیتے ہیں اور سر کے بال جس طرح چاہیں رکھتے ہیں۔ ان کے دیہات میں گاؤں سے باہر سلطان کی زیارتیں ہوتی ہیں۔ آٹھ یا دس فٹ کے قریب اونچی' چوڑی اور لمبی' جن کے اوپر ایک گنبد ہوتا ہے اور چار کونوں پر چھوٹے چھوٹے مینار ہوتے ہیں۔ ہر جمعرات کو یہ زیارت صاف کی جاتی ہے اور رات کو چراغ جلائے جاتے ہیں۔ جمعرات کو اس زیارت کا نگہبان جو مسلمان اور بھرائی قوم کا فرد ہوتا ہے گاؤں میں ڈھول لے کر جاتا ہے اور نیاز اکٹھی کرتا ہے۔۔۔ سلطانیوں کی سب سے بڑی رسم سلطان سخی سرور کے مزار کی زیارت ہے جو وسط فروری کے قریب سے شروع ہوتی ہے اور بھرائی اپنے اپنے دیہات سے قافلے لے کر ڈیرہ غازیخان کا رخ کرتے ہیں۔ سکھوں کے عہد حکومت میں دیوان ساون مل نے جو ملتان کا گورنر تھا یہ یاترا بند کرنے کی کوشش کی اور تمام ہندوؤں کو جو سلطان سخی سرور کی زیارت کو جاتے تھے فی کس سو روپیہ جرمانہ کیا لیکن اس سے بھی معتقد نہ رکے اور انیسویں صدی کے آخر تک جب لدھیانہ اور جالندھر کے گزیٹیئر مرتب ہوئے سلطانی ہندو اپنے عقائد میں مستحکم تھے "۴

بابا فرید شکر گنج پاک پتن میں آباد ہوئے جس کا قدیمی نام اجودھن ہے۔ یہاں مغربی پنجاب کے بڑے بڑے قبیلے سیال' راجپوت اور وٹو وغیرہ آپ کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ سید جلال الدین سرخ بخاری نے جن کا مزار اوچ شریف میں ہے راجپوتوں کے کئی قبیلوں میں اسلام پھیلایا۔ کھرل اور نون قبائل مخدوم جہانیاں جہاں گشت کی تبلیغ اور ذاتی زندگی سے متاثر ہو کر مسلمان ہوئے۔ جوئیہ قبیلے کو شیخ رکن عالم نے مسلمان کیا۔ کشمیر کا سارا علاقہ جہاں آج مسلمان اکثریت میں ہیں حضرت بلال شاہ المعروف بلبل شاہ اور بعد میں امیر کبیر سید ہمدانی کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ صرف امیر کبیر سید ہمدانی نے ۳۷ ہزار کشمیریوں کو حلقہ اسلام میں داخل

Scanned with CamScanner

کیا-

شاہ حسین نے مادھولال کے علاوہ معلوم نہیں کسی اور کو مسلمان کیا یا نہیں لیکن وہ پنجاب بھر کے تمام لوگوں میں بلاتمیز مذہب و فرقہ معروف و مقبول شاعر اور صوفی بن گئے ہیں - کنہیالال ہندی نے تاریخ لاہور میں جو اس نے گزشتہ صدی کے آخر میں تحریر کی شاہ حسین کے مزار پر میلہ بارے لکھا ہے "اس خانقاہ پر سال بھر میں دو مرتبہ بڑا بھاری میلہ ہوتا ہے - ایک تو بروز بسنت میلہ ہوتا ہے اور ہندو مسلمان اس میلے میں آتے ہیں مہاراجہ رنجیت سنگھ کے وقت مہاراجہ خود بسنت کے روز یہاں آکر دربار کرتا تھا- اور چار دیواری کے شمال مغرب میں چاندی کا بنگلہ مہاراجہ کے جلوس کے واسطے قائم کیاجاتا تھا- اور قلعہ لاہور سے اس خانقاہ تک دو طرفہ فوج پرا باندھ کر کھڑی ہوجاتی تھی- دوپہر کے بعد مہاراجہ بڑے تزک و شان کے ساتھ قلعہ سے سوار ہو کر یہاں آتا- بنگلے میں اجلاس کر کے تمام امرائے دربار سے نذریں لیتا اور خلعتیں دیتا' پانچ سو روپیہ خانقاہ پر چڑھاتا تھا" ۵ غیر مسلموں میں بابا فرید کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ کا سارا کلام سکھوں کی مقدس کتاب گرنتھ صاحب کا حصہ ہے - اگر یہ کلام محبت و عقیدت کی بنا پر گرنتھوں میں شامل نہ کیا جاتا تو اب تک ضائع ہوچکا ہوتا کیونکہ یہ کسی اور جگہ محفوظ نہیں کیا گیا تھا-

حضرت میاں میر لاہوری بھی اس طرح کے صلح کل اور تمام مذاہب سے تعلق رکھنے والے پنجابیوں میں مقبول تھے - دوسرے مذاہب کے لوگوں میں ان کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ جب سکھوں کے گورو ارجن دیو نے سکھوں کی مقدس ترین عبادت گاہ یعنی امرتسر کا دربار صاحب تعمیر کرنا چاہی تو اس کا سنگ بنیاد میاں میر کے ہاتھ سے رکھوایا - اس طرح سے میاں میر مذہبی تنگ نظری کی بجائے رواداری کی علامت بن گئے-

پنجاب کے صوفی شاعر اپنی شاعری میں اسلام کی اصل روح کو پیش کرتے ہیں - یعنی انسان سے بلاتمیز نسل و مذہب محبت - اس کے برعکس قتل و غارت دوسروں کی املاک پر قبضہ' دوسرے کے علاقوں پر چڑھائی' مذہبی منافرت وغیرہ سے مکمل قطع

تعلق - ان باتوں کو گھٹیا اور گندا سمجھنا اور انہیں ترک کرنے کی دعوت دینا- یہی وجہ ہے کہ یہ شاعر پنجاب کا ضمیر بنے اور ان کی شاعری نے ہر پنجابی کو خواہ وہ مسلمان ہو' ہندو' سکھ یا عیسائی ہو متاثر کیا- یہ لوگ مذہب کی تنگ نظر تعبیروں کو رد کرتے ہیں - ملّا اس تنگ نظری کی علامت ہے چنانچہ ان سب شاعروں نے اسلام کی اصل روح کو پیش کرنے کے ساتھ ساتھ ملّا اور اس کی ظاہر پرستی کی کھل کر مخالفت کی - یہ ملّا وہی اسلام پیش کرتا تھا جو حاکم کا دربار چاہتا تھا' لوگوں کو آپس میں لڑاتا تھا' تنگ نظر اور ظاہردار تھا- بلھے شاہ کہتا ہے

بلھیا ملاں تے مشالیا　　دوہاں دا اکو چت
لوکاں کردے چاننا　　آپ ہنیرے وچ

بید قرآناں پڑھ پڑھ تھکے　　سجدے کردیاں گھس گئے متھے
ناں رب تیرتھ' ناں رب کے　　جس پایا تس نور انوار
عشق دی نوئیوں نویں بہار

پھوک مصلی بھن سر لوٹا　　نہ پھڑ تسبیح' عاصا' سوٹا
عاشق کہندے دے دے ہوکا　　ترک حلالوں کھا مردار'
عشق دی نوئیوں نویں بہار

عمر گوائی وچ مسیتی　　اندر بھریا نال پلیتی
کدے نماز توحید نہ نیتی　　ہن کیہہ کرنائیں شور پکار'

راتیں جاگیں کریں عبادت　　راتیں جاگن کتے' تیتھوں آتے
بھونکنوں بند مول نہ ہوندے　　جا رڑے تے ستے' تیتھوں آتے
خصم اپنے دا در نہ چھڈدے　　بھانویں وجن جتے' تیتھوں آتے
بلھے شاہ کوئی رخت وہاج لے　　نہیں تے بازی لے گئے کتے' تیتھوں آتے-

مذہبی تنگ نظری اور ظاہرداری کی مخالفت سلطان باہو کے کلام میں بھی فراوانی کے

Scanned with CamScanner

ساتھ ملتی ہے

حافظ حفظ کر کرن تکبر ' ملاں کرن وڈیائی ہو
ساون مانہہ دے بدلاں وانگوں ' پھرن کتاباں چائی ہو
جتھے ویکھن چنگا چوکھا ' اوتھے پڑھن کلام سوائی ہو
دوہیں جہانیں مٹھے باہو جنہاں کھادی ویچ کمائی ہو

جے کر دین علم وچ ہوندا ' تاں سر نیزے کیوں چڑھدے ہو
اٹھارہ ہزار جو عالم آہا ' اوہ اگے حسین دے مردے ہو
جے کجھ ملاحظہ سرور دا کردے ' تاں خیمے تمبو کیوں سڑدے ہو
جے کر مندے بیعت رسولی ' تاں پانی کیوں بند کر دے ہو
پر صادق دین تنہاں دا باہو ' جو سر قربانی کر دے ہو

باجھ حضوری نہیں منظوری توڑے پڑھن بے بانگ صلواتاں ہو
روزے نفل نماز گزارن توڑے جاگن ساریاں راتاں ہو
باجھوں قلب حضور نہ ہووے توڑے کڈھن سے زکواتاں ہو
باجھ فنا رب حاصل ناہیں باہو نہ تاثیر جماعتاں ہو

پڑھ پڑھ علم لوک رجھاون ' کیا ہویا اس پڑھیاں ہو
ہرگز مکھن مول نہ آوے پھٹے دودھ دے کڑھیاں ہو
آکھ چنڈورا ہتھ کیہہ آیا ایس انگوری بھڑیاں ہو
اک دل خستہ باہو راضی رکھیں تے لئیں عبادت و رہیاں ہو

وارث شاہ خود امام مسجد ہونے کے باوجود اسی صلح کل اور انسان دوست نظریے سے متصف تھا جو پنجابی صوفیا کا شعار عام ہے - وہ خود اسی روایت کے مطابق ظاہردار ملّاؤں اور قاضیوں کے فریب کا پردہ چاک کرتا ہے - وارث شاہ کی ہیر میں وہ پنجابی ثقافتی وحدت اپنے بہترین روپ میں جلوہ گر نظر آتی ہے جو مذہبی اور فرقہ وارانہ علیحدگی کو تسلیم نہیں کرتی - اس میں جوگی اور قطب اور ابدال کے درمیان کوئی تضاد نظر نہیں آتا - زبان محاورہ اور تلمیحات ایسی ہیں جو ہندو ' مسلمان اور سکھ سبھی کا مشترکہ ورثہ ہیں - یہی وجہ ہے کہ وارث شاہ کی ہیر ہر پنجابی کے دل کی آواز ہے اور پنجاب میں رہنے والے ہر شخص کو خواہ وہ ہندو ہو ' مسلمان ' سکھ یا عیسائی ہو ہمیشہ متاثر کرتی رہی ہے - وارث شاہ کی ہیر پنجابی عوام کی وحدت اور مشترکہ قومیت کا نشان ہے -

بیرونی حملوں کے اصل محرکات
محمود غزنوی کے حملے

حملہ آوروں کے پیش نظر کبھی بھی اسلام کی تبلیغ کا مقصد نہ تھا - ان حملہ آوروں نے یا باہر سے آکر برصغیر کے تخت شاہی پر متمکن ہوجانے والوں نے تبلیغ اسلام کی خاطر کبھی کوئی واضح اور ٹھوس اقدامات نہیں اٹھائے وہ ملک گیری اور کشور کشائی کیلئے برصغیر میں داخل ہوئے تھے - جہانگیری ' عالمگیری اور شاہجہانی ان کا اولین اور آخر مقصد تھا -

اگر محمود غزنوی نے اسلام پھیلانے کی خاطر برصغیر پر سترہ حملے کئے ہوتے تو وہ ان کے ساتھ ساتھ مبلغین کی ایک جماعت بھی ہندوستان بھیجتا - تبلیغ اسلام کیلئے سرکاری محکمہ قائم کرتا ' اشاعت اسلام کی سرکاری سرپرستی کرتے ہوئے اس مقصد کیلئے فنڈ مہیا کرتا ' اسلام کی حمایت اور ہندو عقائد کی تکذیب کیلئے کتابیں لکھواتا ' ہندوستان میں اسلام کی حقانیت ثابت کرنے کیلئے مذہبی مباحثوں کا اہتمام کرتا - تاریخ شاہد ہے کہ اس نے اس قسم کا کوئی اقدام نہیں کیا - محمود غزنوی نے اپنے دور میں اگر

Scanned with CamScanner

کسی علمی کام کی سرپرستی کی تو وہ بھی قبل اسلام کے ایرانی بادشاہوں کی تاریخ مرتب کرانے کا کام تھا جو اس نے فردوسی کے سپرد کیا اور اس کیلئے بھی طے شدہ معاوضہ اپنی کنجوسی کی وجہ سے ادا کرنے سے گریز کیا۔

محمود غزنوی کے ہندوستان پر حملے کا مقصد تبلیغ اسلام کی بجائے دولت حاصل کرنا تھا۔ مورخ جابجا محمود غزنوی کی سیم و زر سے محبت کا تذکرہ کرتے ہیں۔ اور اس سلسلے میں جو واقعات نقل کرتے ہیں وہ سلطان کے ہندوستان پر حملہ کرنے کے اصل محرکات کی نشاندہی کرنے کیلئے کافی ہیں۔ مشہور مسلمان مورخ محمد قاسم فرشتہ اسی طرح کا ایک واقعہ اس طرح بیان کرتا ہے۔

"ابوالحسن علی بن حسین مسعودی کا بیان ہے کہ ایک دن سلطان محمود نے ابو طاہر سلمانی سے یہ سوال کیا کہ آل سلمان نے اپنے عہد حکومت میں کس قدر جواہرات جمع کئے تھے؟ ابو طاہر نے جواب دیا' امیر نوح سلمانی کے عہد میں سات رطل اعلیٰ جواہرات شاہی خزانے میں موجود تھے' محمود نے یہ جواب سن کر خدا کا شکر ادا کیا اور کہا کہ الحمد اللہ خداوند تعالےٰ نے مجھے سو رطل سے بھی زائد بیش قیمت جواہرات دیئے ہیں۔" ۶

ہیروں اور جواہرات کا جو خزانہ محمود غزنوی نے جگہ جگہ جنگیں لڑ کر اکٹھا کیا تھا اس کیلئے اتنی اہمیت رکھتا تھا کہ سلطان اسے مرتے وقت بھی حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتا رہا۔ جیسے یہ اس کی زندگی کی اہم ترین چیز ہو' اور جس سے علیحدگی اس پر انتہائی شاق گزر رہی ہو۔ وہ اسے پیچھے چھوڑ جانے کے خیال سے انتہائی افسردہ تھا۔ فرشتہ لکھتا ہے۔

"تاریخ سے یہ بات پوری صحت کے ساتھ ثابت ہوئی ہے کہ محمود نے اپنی موت سے دو روز پہلے اپنے تمام جواہرات' روپے اور اشرفیاں جو اس نے زندگی بھر کی جدوجہد سے جمع کی تھیں شاہی خزانے سے نکلوا کر اپنے محل کے سامنے ڈھیر کرا دیں۔ مورخین بیان کرتے ہیں کہ سرخ' سفید اور دوسرے متعدد رنگوں کے جواہرات کی چمک دمک سے صحن خانہ جنت کے باغ کی طرح سجا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ محمود ان گراں

قیمت جواہر پاروں پر حسرت کی نظریں ڈالتا رہا اور دھاڑیں مار مار کر روتا رہا۔ کچھ دیر اس نے جواہرات کو دیکھنے اور ان کی جدائی کے خیال سے رونے کے بعد انہیں پھر خزانے میں جمع کرا دیا۔ محمود نے اپنے آخری وقت میں بھی کسی کو اس خزانے سے ایک پھوٹی کوڑی نہ دی تھی۔ اس واقعہ سے نیز اسی قسم کے دوسرے واقعات کی وجہ سے لوگ اس عالی نسب بادشاہ کو بخیل سمجھتے تھے۔ اس واقعہ کے دوسرے روز محمود نے محافے میں بیٹھ کر میدان کی سیر کی۔ اس کے حسب الحکم شاہی ملازموں نے شاہی اصطبل' شتر خانے اور فیل خانے سے تمام گھوڑے' اونٹ' ہاتھی اور دوسرے جانور اس کے سامنے پیش کئے۔ ان جانوروں کو دیکھ کر محمود دیر تک دل ہی دل میں کچھ سوچتا رہا اور اس کے بعد خوب دھاڑیں مار مار کر رونے لگا اور اسی حالت میں اپنے محل میں واپس آگیا"۔ ۷

محمود غزنوی کو جیسا کہ مندرجہ بالا اقتباسات سے واضح ہوتا ہے دولت سے بے پناہ محبت تھی۔ چنانچہ وہ اس کے حصول کیلئے چھینا جھپٹی' الزام تراشی اور ایسے ہی دوسرے ہتھکنڈے استعمال کرنے سے گریز نہیں کرتا تھا۔ فرشتہ نے اس سلسلے میں ایک واقعہ نقل کیا ہے جسے ہم اس کے اپنے الفاظ میں پیش کرتے ہیں۔ وہ لکھتا ہے۔

"بعض مورخین نے بیان کیا ہے کہ سلطان محمود نے اپنے آخری زمانے میں یہ سنا کہ نیشاپور میں ایک بہت بڑا دولت مند قیام پزیر ہے۔ محمود نے حکم دیا کہ اس شخص کو غزنی بلایا جائے۔ شاہی حکم کی تعمیل میں اس دولت مند کو غزنی بلایا گیا اور وہ شاہی دربار میں پیش ہوا۔ سلطان محمود نے اس شخص سے کہا۔ میں نے سنا ہے کہ تو طلحہ اور قرمطی ہے' اس شخص نے جواب دیا۔ "اے بادشاہ میں نہ طلحہ ہوں نہ قرمطی میرا جرم صرف اتنا ہے کہ میرے پاس بہت زیادہ دولت ہے۔ تو جو چاہے مجھ سے لے لے لیکن مجھے طلحہ اور قرمطی کہہ کر بدنام نہ کر' سلطان محمود نے اس سے تمام دولت لے لی اور اسے حسن عقیدت کا ایک فرمان لکھ کر دیدیا۔" ۸

معلوم ہوتا ہے کہ محمود کو خود آخری عمر میں یہ احساس گناہ لاحق ہوا کہ اس نے ساری زندگی اسلام کی تبلیغ کے نام پر جو جنگیں لڑیں وہ فی الحقیقت دولت اکٹھی کرنے

Scanned with CamScanner

کیلئے تھیں - ضمیر پر اس بوجھ نے ایک خواب کی شکل اختیار کی جسے فرشتہ اس طرح بیان کرتا ہے -

"جس زمانے میں محمود نے سومناتھ پر حملہ کیا تھا اور پرم دیو اور داشلیم سے اس کی جنگ ہوئی تھی تو محمود کو یہ خطرہ لاحق ہوا تھا کہ کہیں مسلمانوں کے لشکر پر ہندوؤں کا لشکر غالب نہ آجائے - اس وقت پریشانی کے عالم میں سلطان محمود شیخ ابوالحسن خرقانی کے خرقے کو ہاتھ میں لے کر سجدے میں گر گیا اور خداوند تعالے سے دعا کی کہ اے خدا اس خرقے کے مالک کے طفیل مجھے ان ہندوؤں کے مقابلے میں فتح دے - میں نیت کرتا ہوں کہ جو مال غنیمت میں یہاں سے حاصل کروں گا اسے غریبوں اور محتاجوں میں تقسیم کروں گا مورخین کا بیان ہے کہ اس دعا کے مانگتے ہی آسمان کے ایک حصے سے سیاہ بادل اٹھے اور سارے آسمان پر محیط ہو گئے - بادل کی گرج اور بجلی کی چمک کڑک سے ہندوؤں کا لشکر ہراساں ہو گیا اور ایسی تاریکی چھا گئی کہ ہندو اس پریشانی کے عالم میں آپس میں لڑنے لگ پڑے --- اور یوں مسلمانوں نے ہندوؤں پر فتح پائی - میں نے ایک معتبر تاریخ میں یہ روایت دیکھی ہے کہ جس روز سلطان محمود نے شیخ ابوالحسن خرقانی کے خرقے کو ہاتھ میں لے کر خداوند تعالیٰ سے دعا مانگ کر فتح حاصل کی اسی رات کو محمود نے خواب میں شیخ ابوالحسن کو دیکھا - انہوں نے محمود سے فرمایا -
"اے محمود تو نے میرے خرقے کی آبرو ریزی کی ہے - اگر تو فتح کی دعا کی جگہ تمام غیر مسلموں کے اسلام لے آنے کی دعا کرتا تو وہ بھی قبول ہو جاتی -" ۹

ظاہر ہے محمود غزنوی کو کافروں کے مسلمان ہونے میں دلچسپی نہیں تھی بلکہ ان پر فتح حاصل کر کے مال غنیمت حاصل کرنے سے زیادہ رغبت تھی -

دولت کی اس حد سے بڑھی ہوئی محبت نے سلطان کو وعدہ خلافی کے راستے پر بھی ڈالا جو نہ صرف دینداری کے خلاف ہے بلکہ کسی بھی عظیم شخصیت کے شایان شان نہیں - اس ضمن میں محمود نے مشہور فارسی شاعر فردوسی کے ساتھ جو سلوک کیا وہ سب کو معلوم ہے - فردوسی کو جب محمود نے ایران قدیم کی منظوم تاریخ لکھنے پر مامور کیا تو وعدہ کیا کہ ہر شعر کے معاوضے کے طور پر شاعر کو سونے کی ایک اشرفی دی جائے گی -

جب شاہ نامہ مکمل ہو گیا تو بجائے سونے کی اشرفی کے ہر شعر کے عوض چاندی کا سکہ ادا کرنے کا حکم دیا گیا - فردوسی نے یہ معاوضہ قبول کرنے سے انکار کر دیا - چنانچہ کہا جاتا ہے کہ بہت بعد میں جب کہیں محمود کو اپنی اس زیادتی پر پشیمانی ہوئی اور اس نے سونے کے سکے فردوسی کو بھیجے تو بہت دیر ہو چکی تھی - عین اس وقت فردوسی کا جنازہ شہر سے باہر جا رہا تھا -

محمود غزنوی کو اگر اپنے دور کی ایک سلطنت ساز شخصیت کے طور پر دیکھا جائے تو وہ اپنے اردگرد کے حاکموں کے مقابلے میں زیادہ ذہین ' قابل اور وسیع النظر حکمران دکھائی دیتا ہے جس نے اردگرد کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو ختم کر کے ایک بڑی سلطنت کی بنیاد رکھی - لیکن اگر اسے "اسلامی ہیرو" کے طور پر پیش کرنے کی کوشش کی جائے تو وہ اس اخلاقی اور روحانی عظمت کے معیار پر پورا نہیں اترتا جو اس منصب کیلئے ضروری ہے - جہاں کشائی کی ہوس میں سلطان محمود صرف قرمطیوں اور کافروں کو ہی اپنا نشانہ نہ بناتا تھا بلکہ اس نے اردگرد کے کمزور مسلمان حکمرانوں سے جنگیں لڑیں ان جنگوں میں اہل اسلام کے خون سے میدان کارزار بار بار سرخ ہوا - بلخ ' سیستان ' اور گرجستان کی ریاستیں جن پر سلطان نے بزور شمشیر قبضہ کیا نہ قرامطہ کے قبضے میں تھیں اور نہ ہندوؤں کے - ان پر تو راسخ العقیدہ مسلمان فرمانروا حکمرانی کر رہے تھے - اسلام تو ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کا خون بہانے کی اجازت نہیں دیتا بلکہ اس عمل کو فساد فی الارض قرار دیتا ہے اور ایسا کرنے والے کو عذاب کی وعید دیتا ہے - ظاہر ہے محمود کو یہ سب کچھ پتہ تھا - اس کی یہ ساری کاروائیاں اسلام کی سربلندی کیلئے نہیں بلکہ سلطنت سازی کیلئے تھیں -

محمود کے دور میں خلیفہ بغداد کو سارے مسلمان حکمرانوں بلکہ پورے عالم اسلام کا سربراہ تصور کیا جاتا تھا - ہوس ملک گیری میں محمود نے خلیفتہ المسلمین کو بھی نہ چھوڑا - اس زمانے میں عباسی خاندان کا خلیفہ القادر باللہ سریر آرائے حکومت تھا - اور خراسان کا ایک حصہ ' نیز سمرقند حکومت عباسی میں شامل تھے - محمود غزنوی نے نہ صرف خراسان پر قبضہ کر لیا بلکہ خلیفتہ المسلمین سے سمرقند کا بھی مطالبہ کیا - خلیفہ

Scanned with CamScanner

کے انکار پر محمود نے جو دھمکی آمیز لہجہ اختیار کیا وہ اس کی اسلام سے جعلی محبت کا پردہ چاک کرتا ہے اور پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ محمد قاسم فرشتہ لکھتا ہے:

" اس زمانے کا واقعہ ہے کہ سلطان محمود نے بغداد کے خلیفہ القادر باللہ العباسی کے نام ایک خط بھیجا جس میں یہ درج تھا کہ خراساں کا بیشتر حصہ چونکہ مملکت غزنویہ کے ماتحت ہے اس لئے یہ بہتر ہوگا کہ خراسان کا بقیہ حصہ جو خلافت کا محکوم ہے وہ بھی حکومت غزنی کے حوالے کر دیا جائے۔ خلیفہ بغداد نے سلطان کی اس خواہش کو مجبوراً پورا کیا اور پورا خراسان سلطان محمود کے قبضے میں آگیا۔ اس کے بعد محمود نے خلیفہ سے کہا کہ سمر قند بھی ایک فرمان کے ذریعے اس کے حوالے کر دیا جائے۔ خلیفہ نے بڑے زوردار الفاظ میں انکار کیا اور محمود کو لکھا کہ 'اگر تو میری مرضی کے خلاف سمر قند کی طرف آنکھ اٹھائے گا تو میں تمام دنیا کو تیرے خلاف ابھار دوں گا۔' یہ جواب پاکر محمود کو بڑا غصہ آیا اور اس نے خلیفہ کے قاصد کو کہا۔ میں اب جان گیا ہوں کہ تم لوگ یہ چاہتے ہو کہ میں ہزار ہا کوہ پیکر ہاتھیوں سے دارالخلافت کو روند ڈالوں اور بارگاہ خلافت کا ملبہ انہی ہاتھیوں پر لاد کر غزنی لے آؤں۔ "[10]

ظاہر ہے کہ بارگاہ خلافت کا ملبہ ہاتھیوں پر لاد کر غزنی لانے کا عزم رکھنے والے حکمران نے ہندوستان پر جو سترہ حملے کیے ان کے پیچھے بھی کوئی روحانی اور اخلاقی مقصد یا اسلامی تبلیغ کا محرک موجود نہیں ہو سکتا۔ کہا جاتا ہے محمود کا ملتان پر حملہ اسلام سے منحرف قرامطہ کے استیصال کیلئے تھا۔ تاہم ملتان پر حملے کے پیچھے واضح مادی و دنیاوی مفادات تھے جن کی نشاندہی مورخ واضح طور پر کرتا ہے۔

ملتان پر حملے کا بہانہ یہ بنایا گیا کہ قرامطی عقیدے کا حاکم برسراقتدار آگیا ہے۔ جبکہ اصل اور اہم وجہ یہ تھی کہ اس حکمران نے سلطان کو وہ محاصل ادا کرنے بند کر دیئے تھے جو اس کے آباؤاجداد کے زمانے سے مروج تھے۔ اسی بات نے سلطان کو مجبور کیا وہ مذہب کو آڑ بناتے ہوئے ملتان پر حملہ کرے۔ بقول فرشتہ

"کچھ عرصہ تک ابوالفتح نے اپنے اسلاف کی پیروی کی اور محمود کے حلقہ بگوشوں میں شامل رہا لیکن بعد ازاں مذہب کے ساتھ حقوق خدمت سے بھی منہ پھیر بیٹھا۔"

چنانچہ سلطان نے ملتان پر چڑھائی کی۔ ابوالفتح مقابلے کی تاب نہ لا سکا اس نے سلطان محمود کی خدمت میں اپنے قصور کی معافی کی درخواست پیش کی اور اس بات کا وعدہ کیا کہ ہر سال دس ہزار اشرفیاں سلطان کی خدمت میں پیش کیا کرے گا۔ سلطان نے ابوالفتح کی درخواست کو قبول کرلیا اور محاصرہ کے آٹھ روز بعد مندرجہ بالا شرط پر صلح کرکے واپسی کا ارادہ کیا۔

باطنی فرقے کے خلاف سلطان کے جہاد کا مقصد واضح ہوگیا۔ یہ فقط دس ہزار اشرفی سالانہ کی رقم کا حصول تھا۔ یہ محاصل ادا کرنے کے بعد باطنی فرقہ آزاد تھا کہ وہ ملتان میں جو چاہے کرے۔ تاہم اگر وہ محمود کو ٹیکس ادا نہ کرتا تو وہ خارج از اسلام اور واجب القتل تھا۔

ہندوستان میں سلطان نے سومناتھ سمیت کئی مندروں کی اینٹ سے اینٹ بجائی۔ لیکن یہاں بھی یوں معلوم ہوتا ہے کہ بنیادی محرک تبلیغ اسلام نہیں بلکہ زر و جواہر کا حصول تھا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ سلطان نے جن مندروں پر یلغار کرنے کا فیصلہ کیا ان سب میں سونے کے بت نصب تھے۔ سلطان کو سارے ہندوستان میں کوئی ایسا مندر نظر نہیں آیا جہاں مٹی اور پتھر کے بت نصب ہوں اور اسے وہ بت شکنی کا فریضہ ادا کرنے کیلئے منتخب کرے۔

سومناتھ کے بت کدے سے بقول فرشتہ " سلطان محمود کو جو اعلیٰ درجے کے جواہرات اور سونا چاندی ہاتھ لگا وہ اس قدر زیادہ تھا کہ اس کا دسواں حصہ بھی اس سے پہلے کسی بادشاہ کے خزانے میں جمع نہ ہوگا۔ تاریخ زین المآثر میں لکھا ہے کہ مندر کی وہ مخصوص جگہ جہاں بت سومناتھ رکھا ہوا تھا بالکل تاریک تھی اور وہاں جو روشنی پھیلی ہوئی تھی وہ دراصل اعلیٰ درجے کے جواہرات کی شعاعیں تھیں۔ یہ جواہرات سونے کی قندیلوں میں جڑے ہوئے تھے۔ اسی تاریخ زین المآثر میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ سومناتھ کے خزانے سے سونے چاندی کے چھوٹے چھوٹے بت اتنی بڑی تعداد میں برآمد ہوئے کہ ان کی قیمت کا اندازہ تقریباً "ناممکن ہے۔" فرشتہ ہی کے بقول "پجاریوں نے مندر کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک سونے کی ایک زنجیر باندھ

رکھی تھی جس کا وزن سو من تھا۔"۱

شہاب الدین غوری کا ہندوستان پر حملہ

شہاب الدین غوری کے ہندوستان پر حملے کا تعلق وسطی ایشیا کے سیاسی اتار چڑھاؤ، نیز ان تبدیلیوں سے ہے جو وہاں توازن اقتدار میں آئے دن وقوع پذیر ہوتی تھیں۔ شہاب الدین غوری نے لاہور کو خسرو ملک سے چھینا جو غزنوی خاندان کا آخری حکمران تھا۔ لاہور پر قبضہ دراصل شاخسانہ تھا غوریوں اور غزنویوں کی باہمی رقابت اور سفاکانہ دشمنی کا۔ شہاب الدین غوری کے دو چچا غزنی کے حاکم بہرام شاہ کے ہاتھوں قتل ہو چکے تھے۔ ان کا بدلہ شہاب الدین غوری کے تیسرے چچا علاؤالدین جہاں سوز نے اس ظالمانہ انداز سے چکایا کہ تاریخ انسانی میں اس کی مثال شاذو نادر ہی ملتی ہے۔ علاؤالدین نے غزنی کے شہر کو فتح کرنے کے بعد جوش انتقام میں اسے آگ لگا دی اور آبادی کے قتل عام کا حکم دیا۔ غزنی خاندان کی قبریں کھدوا کر مردوں کی ہڈیاں تک نذر آتش کر دیں۔ اس کی تفصیل مشہور مسلمان مورخ اور عالم دین منہاج سراج نے اپنی کتاب "طبقات ناصری" میں اس طرح دی ہے۔

"سات دن اور سات راتیں شہر غزنی آگ کے شعلوں کی جولانگاہ بنا رہا اور علاؤالدین نے اس سلسلے میں انتہائی ضد اور رعونت سے کام لیا۔ راوی کہتا ہے کہ سات دن رات تک دھوئیں کی کثرت سے فضا اس قدر تیرہ و تاریک ہو گئی تھی کہ دن، رات معلوم ہوتا تھا۔ رات کو آگ کے شعلے اس شدت سے بلند ہوتے تھے کہ خیال ہوتا تھا کہ دن نکل آیا ہے۔ اس مدت میں جبر، غارت گری اور کشت و خون کا سلسلہ بیدردی سے جاری رہا۔ مردوں میں سے جتنے ملے تہہ تیغ کئے، عورتیں اور بچے قید کر لئے گئے۔

"پھر علاؤالدین نے حکم دیا کہ خاندان محمود کے تمام بادشاہوں کی قبریں اکھاڑ کر مردے باہر نکالے جائیں اور انہیں بھی جلا دیا جائے، صرف سلطان محمود غازی، سلطان مسعود اور سلطان ابراہیم کی قبریں مستثنٰی قرار دی گئیں۔ غزنی بادشاہوں کے محلوں میں

علاؤالدین نے ایک ہفتہ شراب نوشی اور عیش و عشرت میں گزارا۔

'غزنی سے چلتے وقت حکم دیدیا تھا کہ چند سید ساتھ لے لئے جائیں تاکہ سلطان سوری (اپنے بھائی) کے وزیر سید مجدالدین موسوی کا بدلہ لیا جاسکے جسے سلطان سوری کے ساتھ پل کے ایک طاق پر لٹکایا گیا تھا۔ غزنی سے مٹی کے تھیلے بھر کر ان سادات کی گردنوں میں باندھ دئے گئے تھے۔ اسی طرح انہیں فیروزکوہ (غوریوں کے دارالخلافہ) لائے۔ پھر انہیں قتل کیا، ان کے خون سے غزنی کی مٹی گوندھی گئی اور فیروزکوہ کے پہاڑ پر اس سے چند برج بنائے گئے۔ چنانچہ طبقات کی ترتیب تک وہ برج موجود تھے۔"۲

تاہم کچھ عرصے کے بعد خسرو ملک کے امیروں نے ایک بار پھر غزنی پر قبضہ کرلیا۔ ۵۶۷ ہجری میں جب اس شہر پر غوریوں کا از سر نو قبضہ ہوا تو شہاب الدین غوری کے دل میں ہندوستان پر حملے کا خیال مچلنے لگا۔ اس کی وجہ واضح تھی۔ چونکہ لاہور اور ملتان غزنی کے حاکم کے تحت رہے تھے اس لئے اب وہ انہیں غزنی کے تخت و تاج کے نئے وارثوں کا حق سمجھتا تھا۔ فوج کشی کا کوئی نظریاتی مقصد مثلاً "تبلیغ اسلام نہیں تھا بلکہ نام نہاد حق وراثت کا استعمال تھا۔ اس مقصد کے حصول کیلئے شہاب الدین غوری نے کمر باندھی۔ اس وقت تک وسط ایشیا کے حملہ آور درہ گومل کے راستے ہندوستان آتے تھے۔ اس لئے لاہور پہنچنے سے پہلے ملتان اور اچ شریف پر قبضہ ضروری تھا۔ شہاب الدین نے پہلے ملتان اور اچ کو فتح کیا اور اس کے بعد خسرو ملک کو شکست دے کر لاہور پر قبضہ کر لیا۔ اچ پر ہندو راجہ حکمران تھا، ملتان قرامطہ کے قبضے میں تھا۔ لیکن بیچارہ خسرو ملک تو راسخ العقیدہ مسلمان اور محمود غزنوی کے خاندان کا آخری چشم و چراغ تھا۔ اسے گرفتار کرکے گرجستان بھیج دیا گیا جہاں کچھ عرصہ بعد اسے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔

ظاہر ہے شہاب الدین غوری کی اس سیاسی جدوجہد کو مذہبی جنگ کا نام نہیں دیا جا سکتا۔ یہ جنگ جیتنے کے لئے اس نے بھی اور آخری غزنوی حکمران نے بھی جو حربے اختیار کئے وہ بھی مذہبی جنگوں میں اختیار نہیں کئے جاتے۔ خسرو ملک نے شہاب الدین غوری کے سیالکوٹ کے گورنر کا ناطقہ غیر مسلم ککھڑوں اور ہندوؤں کے ساتھ مل کر

Scanned with CamScanner

بند کیا تھا۔ تو شہاب الدین غوری نے بھی سیالکوٹ اور جموں کے ہندو حکمرانوں چکر دیو اور دیجے دیو سے اتحاد کیا۔ اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ غوری کے ہندوستان پر حملے کے ارادے کے پس پشت کوئی دینی مقصد کارفرما نہ تھا۔ یہ ایک ایسی جنگ تھی جس میں شہاب الدین غوری بھی اور اس کا مدمقابل آخری غزنوی فرمانروا بھی مذہب و ملت سے بالاتر ہو کر فیصلے کر رہے تھے۔ بعد میں ترائن کی جنگ میں جب پرتھوی راج چوہان کی راجپوت فوج سے شہاب الدین غوری کا آمنا سامنا ہوا تو یہ محض اتفاق کی بات تھی کہ غوری کا مدمقابل ہندو تھا۔ اگر اس وقت دہلی کے تخت پر مسلمان حاکم براجمان ہوتا تو شہاب الدین غوری کی فوجی و سیاسی حکمت عملی اسے اپنے ہی ہم مذہب کے ساتھ نبرد آزمائی پر مجبور کر دیتی۔ چنانچہ اس جنگ کو کسی اعلیٰ مقصد کی خاطر جنگ قرار دینا خلاف حقیقت ہے۔ بات اصل میں یہ ہے کہ پنجاب فتح کرنے کا مطلب ہندوستان کے دروازے میں داخل ہونا تھا۔ فتوحات کا اگلا سلسلہ اس کے بعد ایک فطری اقدام تھا۔ پنجاب فتح ہی اس لئے کیا جاتا تھا کہ ہندوستان پر حملہ کیا جائے۔

محمد قاسم فرشتہ کے مطابق شہاب الدین غوری نے بنارس فتح کرنے کے بعد ایک ہزار مندروں کو اس غرض سے مسمار کیا کہ مسلمانوں کے رہنے کیلئے مکان بنائے جا سکیں۔[۱۳]

ظاہر ہے یہ کاروائی بھی فروغ اسلام کے جذبے کا نتیجہ نہیں تھی۔ دوسرے مذاہب کی عبادت گاہیں مسمار کرنے سے اسلام کا فروغ ممکن نہیں بنایا جا سکتا۔ بلکہ اس کے نتیجے میں اہل اسلام کے خلاف جذبات ہی جنم لے سکتے ہیں۔ دراصل بادشاہ کے ہمراہ آنے والے فوجیوں کیلئے کوارٹر کی ضرورت تھی۔ ایسے لگتا ہے جیسے ہندوؤں کی عبادت گاہوں میں ضروری تبدیلیاں کر کے انہیں فوجیوں کی رہائش گاہ بنا دیا گیا تھا۔ شہاب الدین وسط ایشیا سے تعلق رکھتا تھا۔ اگر اس کا چچا علاؤالدین جہاں سوز مسلمانوں کے شہر غزنی کو بمع اس کی مسجدوں اور مقابر کے سات دن تک جلاتا رہا۔ تو فوجی ضروریات کی خاطر بنارس کے مندر تباہ کرنے سے بھتیجے کو جھجھک کیسے محسوس ہو سکتی تھی۔ وسط ایشیا کے کلچر میں حملہ آوروں کیلئے شہروں کو جلانا عمارتوں کو

تباہ کر کے زمین بوس کر دینا اور شہر کی آبادی کو تہ تیغ کرنا معمول کی فوج کاروائی سمجھی جاتی تھی۔ چنگیز خان سے لیکر بابر تک سبھی نے اس طرح کے کام سر انجام دئے۔ بابر نے لاہور کو فتح کرنے کے بعد جب آگ لگائی تو اس بات کا کوئی خیال نہ رکھا کہ شہر میں مندروں کے ساتھ ساتھ بیسیوں مسجدیں بھی آباد ہیں۔ وسط ایشیائی حملہ آوروں کی ان کاروائیوں کے نتیجے میں لاکھوں بیگناہ انسان موت کے گھاٹ اتار دئے جاتے تھے،

آرٹ اور فن تعمیر کے بیش بہا نمونے تلف ہو جاتے تھے۔ وہ کتب خانے جن میں انسانی ذہن کی صدیوں کی کاوش کا ماحصل جمع تھا برباد ہو جاتے تھے' انسانوں کی بھلائی کیلئے تعمیر کی جانے والی شہری سہولتیں چشم زدن میں نذر آتش کر دی جاتی تھیں۔ اور صدیوں کی محنت و مشقت اور ذہانت سے بنائے گئے شہر کھنڈر بن جاتے تھے۔ وسط ایشیائی حملہ آوروں کی ان وحشیانہ کاروائیوں کا ایک واضح مقصد تھا۔ جس کے حصول کیلئے وہ جس طرف سے گزرتے انسانیت کو اسی طرح روندتے چلے جاتے۔ دراصل یہ کاروائیاں نفسیاتی جنگ کا حربہ تھیں۔ ان کا مقصد حریف کو اتنا خوفزدہ کرنا تھا کہ وہ مقابلے کے بنا ہتھیار ڈال دے اور حملہ آور کے مطالبات کے آگے سر تسلیم خم کر دے۔ یہ جنگی طریقہ کار قطعی طور پر غیر اسلامی طریقہ کار تھا۔ اسلام کی تعلیمات کے مطابق نہ تو مخالفوں کی عبادت گاہوں کو مسمار کرنے اور نہ بے گناہ شہریوں کی جان و مال کو نقصان پہنچانے کی اجازت ہے۔ اسلام تو کھڑی فصلوں اور درختوں تک کو جنگ کے دوران تباہ کرنے سے روکتا ہے۔ وسط ایشیا کے حملہ آور اکثر و بیشتر چند نسلیں پہلے مسلمان ہوئے تھے۔ اور ان کی سوچ پر وسط ایشیا کی کافرانہ ثقافت کی گہری چھاپ لگی ہوئی تھی۔ اس لئے ان کا طرز جنگ اسلامی تعلیمات کے برعکس وسط ایشیائی روایات کے مطابق تھا۔

امیر تیمور اور فتح ہندوستان

امیر تیمور کی ہندوستان پر حملے کی اصل وجہ یہاں کی دولت لوٹنا تھی۔ دہلی کے تخت

Scanned with CamScanner

پر قابض تغلق خاندان نااہل اور کمزور تھا اس کے نتیجے میں ہندوستان طوائف الملوکی کا شکار ہو چکا تھا - ان حالات سے فائدہ اٹھانے کی خاطر ' امیر تیمور نے ہندوستان پر جو اپنی زراعت اور معاشی خوشحالی کی بنا پر سونے کی چڑیا سمجھی جاتی تھی حملہ کا فیصلہ کیا - امیر تیمور نے اپنی خود نوشت تزک تیموری میں اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ ہندوستان پر حملہ کرنے سے پیشتر اس نے اس ملک کی مالی صورت حال کے بارے میں معلومات حاصل کی تھیں - اور جب اسے یقین ہو گیا کہ حملے سے اسے بے شمار مال غنیمت حاصل ہو گا تبھی اس نے حملے کا ارادہ کیا -

اپنی اصل غرض کی پردہ پوشی کی خاطر تیمور نے بھی ہندوستان پر حملے کو کفار کے خلاف جہاد کا نام دیا - وہ کفار کون تھے جن کے خلاف تیمور جہاد کرنے نکلا تھا - جن شہروں کو تیمور اور اس سے پہلے اس کے بیٹے پیر محمد کی افواج نے اپنے پاؤں تلے روندا ' ان سب کے حکمران مسلمان تھے - ملتان ' تلمبہ ' اچ شریف ' پاکپتن ' دیپالپور اور دہلی ان سب شہروں میں اس کا مقابلہ مسلمانوں سے ہی ہوا - پنجاب کا گورنر شہاب الدین مبارک خان تھا اور دہلی کے تخت پر تغلق حکمران تخت نشین تھا - ان شہروں کی آبادی جسے تیمور نے تہ تیغ کیا بیشتر مسلمانوں پر مشتمل تھی - دہلی جہاں سات دن تک قتل عام کا حکم دیا گیا مسلمان حکمرانوں کا پایہ تخت ہونے کی وجہ سے مسلمانوں سے بھری پڑی تھی - تیمور کا اصل مقصد جہاد ہوتا تو وہ مسلمانوں کے شہر لوٹ کر واپس نہ جاتا بلکہ جنوبی ہند کا رخ کرتا جو غیر مسلموں کا گڑھ تھا - وہ مدراس ' مہاراشٹر اور آج کل اتر پردیش اور بہار کو فتح کرتا جہاں اکثر آبادی غیر مسلم تھی - تیمور نے مسلمانوں سے ہی جہاد کرنے پر اکتفا کیوں کیا؟ تیمور نے تزک تیموری میں لکھا ہے کہ اس نے ہندوستان پر حملہ کرنے سے پیشتر چین فتح کرنے کے بارے میں بھی سوچا تھا ' لیکن اس نے چین کا رخ اس لئے نہیں کیا کہ چینی شہنشاہ طاقتور تھا حقیقت یہ ہے کہ تیمور سمیت تمام وسط ایشیائی حملہ آوروں نے طاقتور کافروں کو چھوڑ کر ہمیشہ کمزور مسلمانوں سے جہاد کرنے کو ترجیح دی ہے -

ہندوستان آنے سے پہلے تیمور اپنی اسلام سے نام نہاد محبت کا ثبوت ترکوں سے

خونخوار جنگیں لڑ کر پیش کر چکا تھا - سلطنت عثمانیہ کے ترک تو خالص مسلمان تھے - سلطان بایزید یلدرم جس کی سلطنت کو تیمور نے تہس نہس کیا تھا خود اسلام کے نام پر کفار کے خلاف جہاد کرتے ہوئے آدھا یورپ فتح کر چکا تھا - اس "مجاہد اسلام" بایزید یلدرم کو تیمور نے شکست دے کر قید میں ڈالا اور قید ہی میں سلطان کا انتقال ہوا -

وسط ایشیا کے اس وحشی اور خونخوار تاتاری نے جسے لوگ "خدائی تازیانہ" کا نام دیتے تھے اسلام کے نام کو لوٹ مار ' ہوس پرستی ' اور اپنے گھناؤنے اغراض کو خوبصورت رنگ دینے کیلئے استعمال کیا - یہ کام کرنے والا وہ تاریخ کا آخری شخص نہیں تھا - اس خطے کی تاریخ شاہد ہے کہ وحشی حملہ آوروں اور ظالم آمروں نے اپنی مکروہ اغراض کی پردہ پوشی کیلئے مختلف ادوار میں اسلام کے مقدس نام کو بار بار استعمال کیا ہے -

بابر اور ہندوستان کی فتح

بابر جس نے بعد میں اپنے کو "بادشاہ غازی" کا لقب عطا فرمایا ' جب پنجاب پر نازل ہوا تو تخت دہلی پر پٹھان بادشاہ ابراہیم لودھی کی حکمرانی تھی اور پنجاب پر اس کا گورنر دولت خان لودھی سریر آرائے سلطنت تھا - اگر وسط ایشیا کی مخصوص صورت حال بابر کو ترک وطن پر مجبور نہ کرتی تو وہ شاید ترکستان کی حکومت تک اپنے آپ کو محدود رکھتا اور ہندوستان کا رخ نہ کرتا - لیکن جب اس کے سیاسی رقیب شیبانی ازبک نے اسے شکست پر شکست دے کر فرغانہ سے نکال دیا اور پھر سارے ترکستان میں اس کے لئے رہنا ناممکن کر دیا اور بابر کابل میں پناہ لینے پر مجبور ہوا تو اس کے دل میں ہندوستان فتح کرنے کا خیال مچلنے لگا -

جیسا کہ اوپر شہاب الدین غوری کے ہندوستان پر حملے کے ضمن میں ذکر ہو چکا ہے - محمود غزنوی کے بعد جو شخص بھی غزنی اور کابل پر قابض ہوتا تھا وہ ہندوستان کو اپنی جاگیر اور ورثہ قرار دے دیتا تھا - غزنی یا کابل پر قبضہ کے بعد وہ ارد گرد کے قبائل کو اکٹھا کرتا تھا - بار بار کے قتل و غارت کے باوجود ان قبائل کی آبادی کثرت ازدواج کی وجہ سے جلد ہی فراواں ہو جاتی تھی - اب ان کے سامنے صرف دو راستے ہوتے تھے یا بھوکوں مریں یا

Scanned with CamScanner

اردگرد کے زرخیز علاقوں کی لوٹ مار کریں - وقتہ وقتہ کے بعد ان قبائلوں کی افواج برصغیر کے بھرے پڑے شہروں اور خوشحال دیہات پر حملہ آور ہوتی تھی - ان کی معاشی مجبوری نے انہیں ہم جو "مارشل ریس" میں تبدیل کر دیا تھا - معاشی مجبوری کے ہاتھوں تنگ آکر اردگرد کے علاقوں پر فوج کشی کا نام انہوں نے "جہاد" رکھا ہوا تھا جہاد کا نعرہ لگا کر ایک طالع آزما کے بعد دوسرا ان فاقہ کش قبائل کو اپنے جھنڈے تلے جمع کر لیتا تھا - خواہ یہ جہاد اپنے ہم مذہب مسلمانوں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو - جنگ کے نتیجے میں غازی کو مال غنیمت ہاتھ آتا تھا جس سے چند سال آرام سے گذرتے تھے - شہادت کے نتیجے میں ایک طرح کی خاندانی منصوبہ بندی ہو جاتی تھی - ہر چند سال کے بعد جب آبادی میں ایک مرتبہ پھر بے پناہ اضافہ ہو جاتا تو ہر ضرورت مند کے دل میں جہاد کا جذبہ مچلنے لگتا تھا - وسط ایشیا کے طالع آزماؤں کے لئے جذبہ شہادت سے سرشار ان جنگجو مجاہدین کے لشکر ہندوستان فتح کرنے کا سستا اور موثر ذریعہ بن جاتے تھے -

بابر نے ابراہیم لودھی سے ہندوستان کا تخت خالی کرنے کا مطالبہ کیا تو اسے لکھا کہ محمود غزنوی اور شہاب الدین غوری چونکہ ترک تھے اس لئے ہندوستان قانونی طور پر ترکوں کی وراثت ہے اور اس پر پٹھانوں کا قبضہ ناجائز ہے - اصل وجہ یہی تھی کہ کابل پر قابض ہو جانے کے بعد بابر اپنے آپ کو سابقہ روایات کے مطابق ہندوستان کا جائز حکمران تصور کرتا تھا - چنانچہ بابر نے کابل پر قبضہ کرتے ہی بہت بڑا لشکر اکٹھا کیا اور ہندوستان کا رخ کیا -

ابراہیم لودھی کے دربار میں موجود امراء کی رقابتوں نے بابر کی مدد کی ' دولت خان لودھی دہلی کے بادشاہ سے ناراض تھا - اس نے بابر کو خط لکھ کر ہندوستان فتح کرنے کی دعوت دی -

پانی پت کے میدان میں بابر کا مقابلہ جس لشکر سے ہوا وہ کفار کا لشکر نہ تھا بلکہ ایک ایسا لشکر تھا جس میں مسلمان پٹھان پیش پیش تھے - اس لشکر کے جرنیل بھی مسلمان تھے اور سارے لشکر کی کمان مسلمان بادشاہ ابراہیم لودھی خود کر رہا تھا - یہ جنگ پٹھانوں اور ترکوں کی جنگ تھی اور دونوں مسلمان تھے -

پانی پت کے میدان میں بابر کو فتح حاصل ہوئی - ابراہیم لودھی میدان جنگ میں مارا گیا اور بابر فتح کے نقارے بجاتا ہوا دہلی میں داخل ہوا - اس فتح نے بابر کو ہندوستان کا شہنشاہ بنا دیا - اب اس کے سامنے باقی ماندہ ملک کو اپنے زیر نگیں لانے کا سوال تھا - اس مقصد کو حاصل کرنے کیلئے بابر کو چھوٹے چھوٹے مقامی حکمرانوں کا مقابلہ کرنا تھا - ان میں سے ایک رانا سانگا تھا جو اتفاق سے غیر مسلم تھا - چنانچہ اسے شکست دینے کے بعد بابر نے اپنے غازی ہونے کا اعلان کرایا - رانا سانگا پر فتح حاصل کرنے کے بعد بابر نے اپنے جد امجد چنگیز خان کی رسم کے مطابق میدان جنگ میں انسانی سروں کا مینار تعمیر کروایا - یہ ہولناک رسم کسی "اسلامی ہیرو" کے شایان شان نہیں بلکہ زمانہ بربریت اور دور جاہلیت کی رسومات میں سے ہے - جیسا کہ اس سے پہلے ہم بیان کر چکے ہیں - لاہور کو فتح کرنے کے بعد بابر نے چنگیزی رسم کے مطابق شہر کو آگ لگوا دی تھی - بابر فی الحقیقت خالص وسط ایشیائی حملہ آور تھا اور اپنے آباؤ اجداد امیر تیمور اور چنگیز خان کے کارناموں پر فخر کرتا تھا - ہمارے درسی کتب کے مصنفین کی ہزار کوششوں کے باوجود بابر کے جسم پر اسلامی ہیرو کا لباس فٹ نہیں آتا -

بابر کا مقصد ہندوستان میں اسلام کا جھنڈا گاڑنا کبھی بھی نہیں تھا اور نہ اس کا اپنا کردار متشرع ' زاہد و عابد جیسا تھا اس کے وافر مقدار میں شراب خوارگی کے قصے تاریخ میں ترتیب داستان ہیں - اور وہ ان کا تذکرہ اپنی خود نوشت تزک بابری میں بھی ایک صاف گو تیموری ترک کے طور پر کرتا ہے - بابر چنگیز کی طرح جنگ لڑنے سے پہلے نجومیوں کی رائے طلب کرتا تھا اور اس لحاظ سے ترکوں کی روایتی توہم پرستی کا شکار تھا - وہ حضرت عمر کے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق نرم دلی کے ساتھ شہروں کو فتح کرنے کا عادی نہیں تھا - نہ وہ کھیتیاں اجاڑنے سے گریز کرتا ' نہ شہروں کو آگ لگانے سے اور نہ بے گناہوں کو تہہ تیغ کرنے سے وہ ایک خالص اکھڑ ترک تھا - وہ اچھا جرنیل تھا ' اچھا منتظم تھا - مردم شناس بھی تھا ' نڈر بہادر بھی تھا ' اس میں اور کئی ایسی خوبیاں موجود تھیں جو قرون وسطیٰ کے فاتح اور شہنشاہ کیلئے ضروری سمجھی جاتی تھیں - مگر اسے اسلامی ہیرو کی طرح پیش کرنا خود اسلام کا مذاق اڑانے کے مترادف ہے -

Scanned with CamScanner

نادر شاہ اور ہندوستان

نادر شاہ افشار نے بھی ہر چند کہ اپنی اسلام سے محبت کا ڈھنڈورا پیٹا ہے تاہم اس کے ہندوستان پر حملے کے پس پشت جو محرک تھا اس کا تعلق قطعاً "مذہب سے نہیں تھا۔ جس وقت اس نے ہندوستان پر چڑھائی کی تو خاندان مغلیہ کا بادشاہ محمد شاہ رنگیلا برسر اقتدار تھا۔ پنجاب کا گورنر نواب زکریا خان تھا جس کی منشرع بیوی نے اپنے زیورات فروخت کر کے لاہور بائی کورٹ کے نزدیک واقع مسجد شاہ چراغ تعمیر کرائی تھی۔ نادر شاہ ہندوستان سے ترکوں کے خلاف مہمات کیلئے دولت حاصل کرنا چاہتا تھا۔ نیز ہندوستان کے صوبہ کابل کے گرد و نواح سے ان مہمات کیلئے فوج بھرتی کرنی چاہتا تھا۔ نادر شاہ کے ارادے کو ہندوستان کے مخصوص حالات نے تقویت دی۔ ہندوستان کا بادشاہ نااہل اور عیاش تھا اور اس کا دربار ترک، ایرانی اور ہندوستانی امراء کی باہمی آویزشوں اور ایک دوسرے کے خلاف سازشوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ ان امراء کے ایک گروہ نے جو ایرانی نسل کا تھا مقامی رقابتوں کی بنا پر نادر شاہ کو شہنشاہ ہند کی کئی نسلوں سے جمع ہونے والی بے پناہ دولت لوٹنے کا لالچ دیا اور اسے مغل سلطنت کی کمزوریوں سے بھی آگاہ کیا۔ ان امراء کے ہندوستان فتح کرنے کے دعوت نامے نے نادر شاہ کے پہلے سے موجود ارادوں کو مہمیز دی۔ اس نے یہ بہانہ کیا کہ ہندوستان کا شہنشاہ اس کے افغان دشمنوں کو پناہ دیئے ہوئے ہے۔ اس نے ہندوستان کے دروازے افغانوں پر بند کرنے اور اپنے مخالف افغانوں کو اس کے حوالے کرنے کا مطالبہ کیا اور پھر جواب ملنے سے پہلے ہی ہندوستان پر حملہ کر دیا۔

نادر شاہ نے سابق وسط ایشیائی حملہ آوروں کی طرح خونخواری کا مظاہرہ کیا اور جگہ جگہ قتل عام، آتش زنی اور لوٹ مار کرتا ہوا دہلی میں داخل ہوا۔

اس کے دہلی کے قیام کے دوران جب یہ افواہ پھیلی کہ نادر شاہ قتل ہو گیا ہے تو اس کے قزلباش سپاہیوں کی لوٹ مار سے تنگ آئے ہوئے شہریوں نے جابجا نادر کی افواج پر حملے کرنا شروع کر دیئے۔ کہا جاتا ہے کہ نادر شاہ اس سے طیش میں آ گیا۔ اس نے مسجد

میں داخل ہو کر تلوار سونت لی اور قتل عام کا حکم دیا۔ لوک ہارٹ کے الفاظ میں:

"نادر شاہ نے حکم دیا کہ جہاں کہیں کوئی ایک قزلباش بھی مارا گیا ہو وہاں کی ساری آبادی کو تہہ تیغ کر دیا جائے۔ صبح نو بجے کے قریب ایرانی فوج نے اپنی ہولناک کاروائی کا آغاز کیا۔ جب بازاروں میں موجود لوگ قتل کر دیئے گئے تو ایرانی فوجیوں نے دکانوں اور مکانوں کے دروازے توڑ کر اندر موجود لوگوں کو تہہ تیغ کر دیا اور جو کچھ ہاتھ آیا لے گئے۔ صرافہ بازار لوٹا گیا، جوہریوں اور تاجروں کی دکانیں برباد کر دی گئیں، بہت سی عمارتوں کو آگ لگا کر تباہ کر دیا گیا اور ان کے مکینوں کو زندہ جلا دیا گیا۔ اس بات کا کوئی لحاظ نہ کیا گیا کہ کوئی خطاکار ہے یا بیگناہ، مرد ہے یا عورت، بوڑھا ہے یا بچہ۔"

اس قتل عام کے بعد جو قطعاً "اسلامی قانون کے برخلاف لیکن وسط ایشیائی روایات کے عین مطابق تھا نادر شاہ نے شہری آبادی کو مزید سبق سکھانے کا فیصلہ کیا۔ اس نے حکم دیا کہ لاشوں کو دفن کرنے نہ دیا جائے تاکہ دہلی کے لوگوں کو عبرت حاصل ہو۔ مورخین نے اس قتل عام میں مارے جانے والوں کی تعداد آٹھ ہزار سے لے کر چار لاکھ تک بیان کی ہے۔ محتاط اندازہ یہ ہے کہ ان لوگوں کو چھوڑ کر جنہوں نے خوف کے مارے خودکشی کی اور جن میں عورتیں پیش پیش تھیں کوئی بیس ہزار آدمی ایرانی قزلباشوں کے ہاتھوں مارے گئے۔ لوک ہارٹ ہی کے الفاظ میں:

"قتل عام کے بعد چند دن تک شہر کی گلیاں لاشوں سے پٹی رہیں۔ صحت عامہ کو مدنظر رکھتے ہوئے نادر شاہ نے کوتوال شہر کو حکم دیا کہ انہیں جمع کر کے آگ لگا دی جائے۔ تباہ شدہ مکانوں کی عمارتی لکڑی سے جگہ جگہ چتائیں تیار کی گئیں۔ جن میں ان لاشوں کو خواہ وہ مسلمانوں کی تھیں یا ہندوؤں کی مذہب اور عقیدے کی تمیز کئے بغیر جلا دیا گیا۔ کئی ہزار لاشیں دریائے جمنا میں بہا دی گئیں۔" ۱۵

یہ تھا وہ سلوک جو نادر شاہ نے دہلی کے باشندوں کے ساتھ کیا۔ مقامی مسلمانوں کو نہ صرف قتل کیا بلکہ ان کی نماز جنازہ یا کفن دفن کی اجازت بھی نہ دی۔ جیسا کہ واضح ہے ان میں سے بیشتر قطعی طور پر بے قصور تھے۔ تاہم چنگیز، ہلاکو، امیر تیمور اور بابر کی طرح نادر شاہ بھی مقامی آبادی کو خوفزدہ کر کے کنٹرول کرنے کی پالیسی پر عمل پیرا تھا۔

Scanned with CamScanner

احمد شاہ ابدالی کے ہندوستان پر حملے

احمد شاہ ابدالی کی جو تصویر کشی ہماری درسی کتب میں کی جاتی ہے وہ خاص طور پر خلاف حقیقت ہے - اس کے ہندوستان پر حملوں کا جواز یہ پیش کیا جاتا ہے کہ وہ علمائے دین کی دعوت پر ہندوستان کے مسلمانوں کی امداد کیلئے آیا تھا جو سکھوں اور مرہٹوں سے تنگ تھے - حقائق اس دعویٰ کی قطعی تردید کرتے ہیں -

احمد شاہ ابدالی بھی ایک سلطنت ساز حملہ آور تھا - اس سلطنت سازی کے عمل میں اصل جذبہ محرکہ مذہب نہیں تھا بلکہ ایک وسیع و عریض خود مختار حکومت قائم کرنا تھا - وہ خود سنی العقیدہ افغان ہونے کے باوجود نادر شاہ کے یسلول یعنی ذاتی ملازم کے طور پر بھرتی ہوا جو شیعہ بھی تھا اور افغان دشمن بھی - پھر اس کا اتنا معتقد بن گیا کہ اسے درانی فوج کا سالار مقرر کر دیا گیا - وہ نادر شاہ کے ہمراہ قتل و غارت کی ان تمام مہمات میں شریک رہا جن کی تفصیلات پڑھنے سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں - مگر اس دور کے وسط ایشیائی کلچر میں یہ کاروائیاں صاحب سیف لوگوں کیلئے روزمرہ کا معمول تھیں -

نادر شاہ کے قتل کے بعد احمد شاہ ابدالی نے پہلے ایران پر فوج کشی کی جہاں نہ سکھ آباد تھے نہ مرہٹے بلکہ سو فیصد آبادی کا مذہب اسلام تھا - یہاں حملہ کرنے کیلئے اسے کسی عالم دین نے ترغیب بھی نہیں دی تھی - بات اصل میں یہ تھی کہ نادر شاہ کے بعد ایرانی سلطنت کے حصے بخرے ہو رہے تھے اور اس زمانے کے عام ترک ' ایرانی ' افغان حکمرانوں کی طرح احمد شاہ ابدالی لوٹ مار کی اس گنگا میں ہاتھ دھونے کا خواہش مند تھا - اس نے محض ہرات پر قبضہ کر لینے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ ایران کے اندر دور تک جا کر حملے کئے - طوس ' طباس ' اور نیشاپور کے شہروں کی اینٹ سے اینٹ بجادی - بقول ڈاکٹر گنڈا سنگھ " تلوار اور آگ کے عمل کے بعد دونوں شہروں کو لوٹ کر برباد کر دیا گیا اور افغان مال غنیمت سے لدے پھندے شاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے - "۱۴

نیشاپور پر پہلے حملے میں احمد شاہ ابدالی کو شکست ہوئی - ۱۷۵۱ میں اس شکست کا

انتقام لینے کیلئے اس مظلوم شہر پر اس نے پوری تیاری کے بعد دوسرا حملہ کیا - اس دفعہ نیشاپور کے لوگ شکست کھا گئے - نیشاپور کی آبادی کے ساتھ جو سلوک ہوا وہ کسی " بادشاہ غازی " کے شایان شان نہیں تھا - بلکہ وسط ایشیائی حکمرانوں کی روایتی چیرہ دستی کا ایک نمونہ تھا - گنڈا سنگھ کے بقول

" شاہ نے جان کی امان باشندگان شہر کو اس شرط پر دی کہ تمام باشندے خالی ہاتھ جامع مسجد میں چلے جائیں لیکن اگر کسی کے ہاتھ میں سوئی بھی دیکھی گئی تو غازی (!) اس کو جان سے مار دیں گے - اپنی بیکسی پر روتے اور چلاتے ہوئے باشندوں نے فاتح کے حکم پر عمل کیا - شہر پر حملہ کر کے اسے لوٹا اور جلایا گیا ' گھروں کی تلاشی لی گئی ' جامع مسجد کے سوا جہاں لوگ جمع تھے تمام مکانات مسمار کر دیئے گئے ' خزانوں کی تلاش میں کئی مقامات کی گہری کھدائی کی گئی - اس طرح نیشاپور کا خوبصورت شہر کھنڈرات میں تبدیل کر دیا گیا - جس کے ملبہ اور گڑھوں میں پانی بہہ رہا تھا - غریب لوگ نوک شمشیر پر رکھ لئے گئے اور ان کے بیوی بچوں کو غلام بنا کر لے جایا گیا - "۱۷

جو سلوک احمد شاہ ابدالی نے نیشاپور کی بیگناہ مسلمان آبادی کے ساتھ کیا اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ اس نے بعد میں سکھوں اور مرہٹوں کے ساتھ جو جنگیں لڑیں ان کی بنیادی وجہ بھی جوش جہاد نہیں کچھ اور تھی - نیشاپور کے مسلمانوں کو غلام اور لونڈیاں بنا کر کابل لے جاتے ہوئے اس کی کسی اسلامی رگ کے پھڑکنے کا ذکر تاریخ میں نہیں ملتا - وہ ہزیمت خوردہ مسلمان آبادی کے مال و اسباب ' جان و مال اور عزت و ناموس کو اپنے لئے حلال سمجھتا تھا - احمد شاہ ابدالی کی نظر میں مفتوحہ آبادی کے مذہب کا سوال اٹھانا غیر متعلقہ امر اور بے معنی سوال تھا - مفتوحہ لوگ مسلمان ہوں ' سکھ ہوں یا مرہٹے ہوں سب برابر تھے - اور ان کی عورتوں ' بچوں اور مال و اسباب ہر چیز پر فاتح کو تمام حقوق حاصل تھے - گردنیں اڑاتے وقت مدمقابل کے مذہب کی تفتیش نہیں کی جاتی تھی - " اردو دائرہ معارف اسلامی " کے مطابق ہندوستان پر احمد شاہ ابدالی کے حملے کی اصل وجہ یہ تھی کہ وہ اپنے آپ کو نادر شاہ کا وارث اور اس کی تمام مشرقی سلطنت کا دعویدار تصور کرتا تھا - اس لئے وہ تمام صوبے جو نادر شاہ نے مغلوں سے چھینے تھے احمد

Scanned with CamScanner

شاہ ابدالی کی ملکیت تھے - جیسا کہ غوری اور بابر کے احوال میں بیان کیا گیا ہے احمد شاہ ابدالی کی بھی سوچ وہی تھی جس کا شکار کابل اور غزنی پر قبضہ کرنے والا ہر حاکم ہو جاتا تھا-

احمد شاہ ابدالی کو ہندوستان پر حملے کا حوصلہ علماء کے خطوط سے نہیں ہوا - یہ علماء اگر اتنے بااثر ہوتے تو ہندوستان کے مسلمانوں کو آپ ہی متحد کر کے مغلیہ سلطنت بچا لیتے - یہ تو خود ہندوستان میں بے دست وپا تھے اور فتح ہندوستان میں احمد شاہ ابدالی کی کوئی مدد نہیں کر سکتے تھے - ابدالی کو اگر ہندوستان پر حملہ کا حوصلہ ہوا تو وہ پنجاب کے گورنر شاہ نواز خان کے خط سے ہوا جو اپنے بھائی یحیی خان کو معزول اور گرفتار کر کے خود لاہور پر قابض ہو گیا تھا اور اس بات سے خوفزدہ تھا کہ یحیی خان کا بااثر اور مقتدر مسر وزیر قمر الدین خان دربار دہلی سے اسے گرفتار کرنے کیلئے فوج بھجوانے کی تیاری کر رہا تھا- اس خوفزدگی کے عالم میں شاہنواز خان نے دو کام کئے - ایک طرف احمد شاہ ابدالی کو فتح ہندوستان کا دعوت نامہ ارسال کیا جس میں " آپ بادشاہ اور ہم وزیر" کی تجویز رقم تھی- اور دوسری جانب دربار دہلی میں معافی حاصل کرنے کیلئے وفد بھی روانہ کر دیا

احمد شاہ ابدالی کو کیا چاہئے تھا- اندھے کو دو آنکھیں - وہ تو خود موقعہ کی تلاش میں تھا- بقول گنڈا سنگھ "شاہنواز کے نامہ بر کو احمد شاہ نے ہاتھوں ہاتھ لیا- یہ نامہ پا کر وہ سجدہ شکر بجا لایا کیونکہ یہ بات اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی کہ یوں غیر متوقع طور پر اچانک حالات اس کے لئے اتنے سازگار ہو جائیں گے - اس نے فورا " ایک عہد نامہ تیار کرایا جس میں مندرج تھا کہ تاج شہریاری احمد شاہ زیب سر کرے گا- اور وزارت عظمی شاہ نواز کو ملے گی- اس عہد نامے پر افسران فوج سے گواہ کے طور پر دستخط ثبت کروائے اور فورا " اپنے معتمد خاص بغرا خان پوپلزئی کے ہاتھ لاہور بھیج دیا -"[18]

شاہ نواز خان پنجاب پر قابض تھا- اور پنجاب ہندوستان کا دروازہ تھا- احمد شاہ ابدالی کو اس سے بہتر موقعہ کبھی نہ مل سکتا تھا- چنانچہ نہ تو وہ سکھوں کو فنا کرنے اور نہ مرہٹوں کو ختم کرنے بلکہ نادر شاہ کی مقبوضات کا قبضہ حاصل کرنے کیلئے پنجاب اور پھر ہندوستان پر نازل ہوا-

تاہم اس دوران ایک اور بات ہو گئی - دربار دہلی نے شاہنواز خان کے وفد کی

درخواست قبول کر کے اسے معافی نامہ جاری کر دیا اور وزیر قمر الدین خان نے اپنے خط میں شاہنواز کو لکھا

" ہمارا خاندان ہمیشہ مغل شہنشاہوں کا وفادار رہا ہے - اور کبھی نمک حرامی یا بغاوت کا مرتکب نہیں ہوا - یہ کتنے افسوس کی بات ہے کہ تم اس طرح کی بات کرو - اور یہ تو شرم کی بات ہے کہ نادر شاہ کے ایک افغان لیفٹیننٹ (ذاتی ملازم) کی فرمانبرداری کرنے پر رضامند ہو جاؤ - تمہارا فرض بنتا ہے کہ تم اس بے حیثیت شخص کو ہندوستان کی تمام سرحدات سے نکال باہر کرو -"[19]

شاہنواز خان نے اب اپنا نقطہ نظر تبدیل کر لیا اور احمد شاہ ابدالی کا استقبال کرنے کی بجائے اس سے مقابلے کی ٹھانی - ابدالی کیلئے اب حملے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا- کیونکہ اب اسے کوئی خوش آمدید کہہ کر ہندوستان میں داخل کرانے کیلئے تیار نہیں تھا- گنڈا سنگھ کہتا ہے " دوسری طرف احمد شاہ ابدالی اپنی تیاریاں بالکل مکمل کر چکا تھا- افغان مہم پسندوں کی ایک بڑی جماعت جو ارد گرد کے قبائل کے افراد پر مشتمل تھی ہندوستان کے بھرے پرے شہروں کی لوٹ کھسوٹ کی طمع میں اس کے ساتھ ہو گئی تھی -"-

لاہور کے محاصرے کے دوران ترک گورنر شاہنواز خان شہر چھوڑ کر بھاگ گیا- اہل لاہور نے احمد شاہ غازی کی لوٹ مار سے بچنے کیلئے اسے بتیس لاکھ روپے کی پیشکش کی جسے اس نے قبول کر لیا- تاہم اہل لاہور کی جان پھر بھی نہ بچی- افغان قبائلی جو لوٹ مار کیلئے اس کے ہمراہ آئے تھے اپنے اصل مقصد کی تکمیل میں لگ گئے - گنڈا سنگھ کے مطابق اہل لاہور کو امان دینے کے باوجود جو کچھ ہوا وہ یہ تھا

" اس کے باوجود بہت سے مقامات اور بہت سے گھر لوٹے گئے - خاص طور پر مغل محلہ (مغل پورہ) کو پوری طرح لوٹ لیا گیا۔ اس فتح کے نتیجے میں احمد شاہ کو جو مال غنیمت ملا وہ بے شمار تھا- شہریوں کی طرف سے جو نذرانہ ملا اور مفرور گورنر اور اس کے خاندان کا سارا بیش قیمت اثاثہ اور گراں بہا سامان منقولہ ملا- اس کے علاوہ بہت بڑا خزانہ بھی ہاتھ آیا- گذشتہ پینتیس سال سے جو کچھ از قبیل زر نقد و سامان جنگ جمع ہوتا

Scanned with CamScanner

چلا آ رہا تھا وہ سب مل گیا- شفقت خان میر سامان کو ان چیزوں کا تحویل دار بنا دیا گیا- شہر میں جتنے گھوڑے اور اونٹ تھے وہ سب قبضے میں لے لئے گئے - بلکہ آس پاس کے علاقوں سے چھین لئے گئے اور فوج کے استعمال کیلئے دے دئے گئے - یہ سب کچھ اتنا تھا کہ ابدالی کی فوج کے پانچ ہزار پیادے ایک باقاعدہ سوار رجمنٹ میں تبدیل کر دئے گئے - اور ایک ہلکے پھلکے توپ خانے کا بھی ابدالی فوج میں اضافہ ہو گیا-"[۲۰]

یہ تھا وہ لٹیروں والا سلوک جو درسی کتابوں کے "اسلامی ہیرو" نے لاہور کی بیگناہ آبادی کے ساتھ کیا- اس آبادی کی اکثریت مسلمانوں پر مشتمل تھی- حملہ آور بھی مسلمان تھے لٹنے والے بھی مسلمان تھے-

احمد شاہ ابدالی کے دوسرے حملے کا سبب دہلی کے سیاسی حالات تھے محمد شاہ رنگیلا انتقال کر گیا تھا مگر نیا بادشاہ بھی اس سے زیادہ مختلف نہ تھا- دربار میں ہر طرف سازشیں تھیں- بادشاہ کا اکثر وقت حرم سرا میں گزرتا تھا- وہ نہ ملک کے نظم و نسق سے واقف تھا اور نہ جنگ لڑنے کے طریق کار سے-

اہل پنجاب پر احمد شاہ ابدالی پھر بلا کی طرح نازل ہوا- سارا علاقہ تہس نہس کر دیا- نہتے باشندوں نے مجبوراً "صلح کی درخواست کی اور چودہ لاکھ روپیہ سالانہ کی آمدنی کے چار محل یعنی سیالکوٹ ' اورنگ آباد ' پسرور اور گجرات کے محاصل ادا کرنے کا وعدہ کر کے جان چھڑائی-

دہلی پر قبضہ کرنے کی اس جنگ میں ابدالی کو مان پور کے مقام پر شاہی لشکر سے جنگ لڑنی پڑی اور اسے اس جنگ میں شکست ہوئی - دونوں لشکروں کے سالار بھی مسلمان تھے اور فوجی بھی زیادہ تر مسلمان تھے - ملک گیری کی اس جنگ میں مسلمانوں نے مسلمانوں پر دھاوا بولا ' ایک دوسرے کو قتل کیا ' ایک دوسرے کے اعضا کاٹے- وزیر قمر الدین ایک طرف اور احمد شاہ ابدالی دوسری طرف ' دونوں جانب سے نعرہ تکبیر- احمد شاہ ابدالی کو شکست تو ہو گئی- پر اس سے پہلے وہ سرہند کا شہر لوٹ چکا تھا- وہ سرہند جسے مسلمان سرہند شریف کہتے ہیں کس طرح لوٹا گیا اس کا تذکرہ گنڈا سنگھ میں پڑھ لیں

"قلعہ کا سارا خزانہ ' جملہ ساز و سامان اور وزیر قمر الدین کی خواتین حرم احمد شاہ کے قبضے میں آ گئیں مردوں کی بڑی تعداد میں گردنیں تلوار سے اڑا دی گئیں اور عورتیں کنیزیں بنا لی گئیں - اندرون اور بیرون قلعہ بہت سے مکانات نذر آتش کر دئے گئے اور ان کا مال اور ساز و سامان لوٹ لیا گیا"[۲۱]

احمد شاہ ابدالی کا پانی پت کی تیسری جنگ میں مقابلہ مرہٹوں سے ہوا - اگر اس وقت دہلی کا بادشاہ احمد شاہ کا مقابلہ کرنے کی حیثیت میں ہوتا تو پھر جنگ مسلمان بادشاہ سے ہوتی اور ہندوؤں سے لڑنے کی بجائے ابدالی مسلمانوں کا گلا کاٹ رہا ہوتا- یہ ایک تاریخی حادثہ تھا کہ اس وقت احمد شاہ کے مد مقابل مرہٹے تھے - جیسا کہ ہم نے واضح کرنے کی کوشش کی ہے ' وہ نہ تو خاص طور پر انہیں ختم کرنے کے درپے تھا اور نہ سکھوں کو جن کا اگلے سال ۱۷۶۲ء میں اس نے جنگ دورا ہا میں قتل عام کیا-

احمد شاہ ابدالی کے پے درپے حملوں نے سلطنت مغلیہ کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی- ان قوتوں کو جو کچھ عرصہ مزید انگریزوں کا مقابلہ کر سکتی تھیں کمزور کر دیا- اس سے انگریزوں کو اپنی طاقت مستحکم کرنے کا موقعہ مل گیا- اور وہ سارے ہندوستان پر قابض ہو گئے-

Scanned with CamScanner

حملہ آوروں کی ثقافت - اسلامی یا وسط ایشیائی ؟

برصغیر پر حملہ کرنے والے نیز ان کی وہ آل اولاد جو یہاں حکمران بنی وسطی ایشیا کی نسل از اسلام کی ثقافت ہمراہ لائے - یہ ثقافت ان کی روزمرہ کی زندگی ' ان کے آداب مجلس اور ملکی قوانین اور طریقہ حرب و ضرب پر چھائی ہوئی تھی - یہ سوچ اکثر و بیشتر اس سوچ سے متصادم تھی جسے پندرہ سو سال پہلے محمد عربیؐ نے پیش کیا-

ملکی قوانین اور سزائیں

وسط ایشیا میں جنگ و جدل ہی ذریعہ روزگار تھا کیونکہ یہاں کے بے آب و گیاہ خطوں کی بڑھتی ہوئی آبادی کیلئے نہ زراعت ہی کافی تھی اور نہ بھیڑ بکریوں کے ریوڑ - چنانچہ دوسروں کے علاقوں کو تاخت و تاراج کرنا اور کشت و خون کے ذریعے زندہ رہنے کا سامان پیدا کرنا روزمرہ کا معمول بن گیا تھا- ایسے معاشرے میں روزگار کے حصول کے لئے انسانوں کا قتل ایک معزز پیشہ کی حیثیت اختیار کر گیا تھا اور سوپشت سے ہے پیشہ آباء سپہ گری کے دعوے کو باعث فخر سمجھا جاتا تھا- شمشیر زنی ' صف شکنی ' سکہ رائج الوقت تھے - یہی وجہ ہے کہ وحشیانہ پن اور بربریت کو وسط ایشیائی ثقافت میں زندگی کی ایک ضروری حقیقت کے طور پر تسلیم کیا جاتا تھا - ملکی قوانین اور سزائیں بھی اسی وحشیانہ پن کا اظہار تھیں-

وسطی ایشیا سے آنے والے حکمران مطلق العنان بادشاہ تھے اور ان کا ہر لفظ قانون تھا- اس طرح کی مطلق العنانی کا تصور اسلام میں موجود نہیں اور خلیفہ قرآن و سنت کے مطابق فیصلہ کرنے کا پابند ہے - امور سلطنت چلانے اور حکومتی مصالح کے مطابق لوگوں کو سزائیں دینے کے سلسلے میں وسط ایشیائی حکمران اپنے مخصوص رسم و رواج ہمراہ لے کر آئے تھے جو انتہائی ظالمانہ تھے - انہی میں سے ایک رسم برادر کشی

تھی جو ترکوں ' ایرانیوں اور افغانوں میں عام تھی-

وسط ایشیائی حکمرانوں میں مطلق العنان بادشاہت کی بنا پر جمہوری یا شورائی حکمرانی کا تصور موجود نہیں تھا- بادشاہ کے مرنے کے بعد اکثر و بیشتر وراثت کا جھگڑا کھڑا ہو جاتا تھا- عام طور پر سب سے بڑا بیٹا بادشاہ مقرر ہوتا تھا لیکن ایسا ہونا ضروری نہ تھا- اگر کوئی دوسرا شہزادہ طاقتور ہوتا تو حکومت پر وہ قابض ہو جاتا - ترکوں میں چھوٹے بھائیوں سے نمٹنے کیلئے برادر کشی کی رسم عام تھی - مغلی ترکوں میں بڑا بھائی حکومت سنبھالتے ہی باقی بھائیوں کو یا ہلاک کر دیتا تھا' یا تمام عمر قید میں رکھتا تھا- اسی رسم کے مطابق سلطان بایزید یلدرم نے تخت نشین ہوتے ہی اپنے چھوٹے بھائی یعقوب کو پھانسی چڑھایا - تاہم شاہی خاندان کے حفظ مراتب کا خیال رکھتے ہوئے اس کے گلے میں رسی کی بجائے کمان کی زہ (تند) ڈالی گئی - سلطان بایزید یلدرم نے اس رسم کی بنیاد ایسی ڈالی کہ بعد میں عالی قدر شہزادوں کو پھانسی دینے کیلئے یہ طریقہ مخصوص کر دیا گیا- مقصد یہ تھا کہ انہیں عام مجرم کے مقابلے میں مختلف طریقے سے موت سے ہمکنار کیا جائے - چنانچہ سلطان محمد اول نے اپنے بھائی موسے کو اور سلطان مراد نے مصطفےٰ کو اسی سلطانی اعزاز کے ساتھ موت کے گھاٹ اتارا

جن شہزادوں کی جان بخشی ہوتی انہیں محل سرا میں ایسے مقید کر دیا جاتا کہ وہ معمول کی زندگی گزارنے کے ناقابل ہو جاتے - مشہور مورخ ولاڈوں کیٹر کے بقول

"جب کسی نوجوان شہزادے کی جان بخشی کی جاتی تو اس کی حرم سرا میں صرف ایسی کنیزیں رکھی جاتی تھیں جن کو ایسی دواؤں کے ذریعے سے ناقابل اولاد بنا دیا جاتا تھا' جو خاص اسی غرض کیلئے تیار کی جاتی تھیں - اگر اس کے باوجود ان کے ہاں اولاد ہو جاتی تو اس کو بے رحمی کے ساتھ قتل کر دیا جاتا تھا-"[۲۲]

برصغیر کے حکمرانوں میں سے اورنگ زیب عالمگیر نے اپنے بھائیوں کے ساتھ جو کچھ کیا وہ ترکوں کی اسی رسم کے مطابق تھا نہ کہ اسلام کے مطابق - ایک بھائی شجاع کے ساتھ جنگ کر کے اسے ایسا غائب کرایا کہ بعد میں اس کا پتہ ہی نہ چل سکا- دوسرے بھائی مراد کو قاضی کے ذریعے جلاد کے حوالے کیا- تیسرے بھائی دارا شکوہ کو

Scanned with CamScanner

قید میں ذبح کرا دیا- دارا شکوہ کے بیٹے سلیمان شکوہ اور خود اپنے باغی بیٹے سلطان محمد کے ساتھ اس نے جو سلوک کیا وہ عثمانی ترکوں کے رسم و رواج سے ملتا جلتا ہے- مشہور مورخ محمد صالح کنبوہ نے اسے اس طرح بیان کیا ہے-

"اگلے روز (اورنگ زیب نے) اپنے بیٹے سلطان محمود اور سلیمان شکوہ دونوں کو گوالیار بھیج دیا کہ قید میں رہیں ہدایت کریں کہ دونوں کی غذا میں کوکنار (پوست) شامل کیا جائے-"[۲۳]

پوست کا پیالہ انہیں منہ نمار پینا پڑتا تھا اور اسے پینے سے انکار کی صورت میں ان کا کھانا بند کر دیا جاتا تھا- مقصد یہ تھا کہ وہ نشے میں رہیں اور رفتہ رفتہ ذہنی توانائیوں سے محروم ہو کر بغاوت کے ناقابل ہو جائیں- عالمگیر کی جانب سے دی جانے والی اس سزا کا تذکرہ قرآن یا حدیث میں کہیں نہیں ملتا- اس کا ماخذ اگر کوئی تھا تو ماقبل اسلام سے موجود ترکی رواج تھا-

برصغیر پر قابض ہونے والے وسط ایشیائی حکمرانوں کے دربار میں وراثتی جھگڑے نمٹانے کی خاطر برادر کشی ایک معمول کی کاروائی تھی- محمد شاہ والئے جونپور نے اپنے بھائی حسن خان کو قید میں قتل کروایا' ابراہیم لودھی نے ایک بھائی جلال خان کو موت کے گھاٹ اتار دیا جبکہ باقی تمام بھائیوں کو عمر بھر کیلئے مقید کر دیا- اورنگ زیب کے بعد تو یہ وباء ایسی پھیلی کہ الامان والحفیظ

تخت کے ممکنہ وارثوں کو اندھا کروانے کی غیر اسلامی رسم بھی وسط ایشیائی حملہ آوروں اور حکمرانوں میں موجود تھی- یہ بھی خالص ترک' ایرانی' افغان رواج کا حصہ تھا- اندھا ہو جانے کے نتیجے میں متعلقہ شخص بادشاہت کی ذمہ داریاں پورا کرنے کے ناقابل ہو جاتا تھا جن میں پیش پیش جنگوں میں فوجوں کی قیادت ہوتی تھی- وسط ایشیائی حکمران منصور بن نوح سامانی کو جب اس کے بھائی ابوالفارس عبدالملک بن نوح نے تخت سے اتارا تو پہلا کام یہ کیا کہ اس کی آنکھوں میں سلائی پھروائی- عباسی خلیفہ مستکفی باللہ کو احمد بویہ نے جب قید کیا تو اس کی آنکھوں میں سلائی پھروائی- نادر شاہ کو اپنے بیٹے رضا قلی خان سے بغاوت کا خطرہ لاحق ہوا تو اس نے بیٹے کو اندھا کروا دیا-

پھر نادر شاہ کا بھانجا عادل شاہ برسر اقتدار آیا تو اس نے ماموں کے سارے کنبے کو سوائے شاہ رخ کے موت کے گھاٹ اتار دیا- عادل شاہ کو اس کے بھائی ابراہیم نے تخت سے اتار کر اندھا کروایا- پھر جب شاہ رخ کو مرزا سید محمد متولی مزار امام رضا نے شکست دی تو اسے آنکھوں سے بھی محروم کر دیا- شاہ رخ کا نگران یوسف علی بنا تو اسے کرد کمانڈر جعفر خان نے شکست دی اور پھر اس کی آنکھوں میں سلائی پھروا دی اس جعفر خان کے ساتھ بھی وہی کچھ ہوا جو اب تک ہوتا چلا آ رہا تھا- اس کے ساتھی سردار میر عالم خان نے جب اسے گرفتار کیا تو اس کی بھی آنکھیں نکلوا دیں- خاندان ابدالی کے آخری افغان بادشاہ شاہ محمود نے پہلے اپنے بھائی زمان شاہ کو تخت سے اتار کر اندھا کیا اور بارکزئی وزیر فتح خان کو بصارت سے محروم کیا- اس کے بعد اس نے بارکزئی کو اس طرح قتل کرایا کہ اس کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے گئے اور لاش کو بوری میں باندھ دیا گیا

یو- پی کے شہر نجیب آباد کے بانی غلام قادر روہیلہ نے مغل شہنشاہ' شاہ عالم (۱۸۰۶-۱۷۰۹) کے ساتھ یہی سلوک کیا- جس پر اقبال نے یہ شکوہ کیا ہے کہ اس نے

"نکالی شاہ تیموری کی آنکھیں نوک خنجر سے"

لیکن شاہ تیموری نے جو حشر غلام قادر روہیلہ کا کیا تھا وہ بھی خالص وسط ایشیائی ثقافت کا نمونہ تھا- جب یہ افغان زادہ عالم شباب میں گرفتار ہو کر شاہ عالم کے سامنے لایا گیا تو اس کے باپ ضابطہ خان کو ذلیل کرنے کیلئے اسے زنانہ لباس پہنا کر شہنشاہ کے حضور پیش کیا گیا- اور بعد میں اسے خصی کرا دیا گیا (تفصیلات کیلئے ملاحظہ ہو اردو دائرہ معارف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی لاہور)

تہذیبی اور ثقافتی عروج کے زمانے میں وحشیانہ سزائیں دیتے وقت حفظ مراتب کا خیال رکھا جاتا تھا تاکہ عوام الناس پر شاہی دبدبہ قائم ہو- ترکی کے سلاطین جس طرح سے بھائیوں کو کمان کی زہ سے پھانسی دیتے تھے' اور مغل دور کے زمانہ عروج میں جس طرح آنکھوں میں سلائی پھیری جاتی تھی اس کا تذکرہ اوپر آ چکا ہے جب برصغیر میں اورنگ زیب کے بعد انحطاط کا دور شروع ہوا تو کیفر کردار تک پہنچانے کا طریقہ بھی

Scanned with CamScanner

اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا- دور انحطاط میں مغل بادشاہوں نے عزیزوں اور رشتہ داروں کو کمان کی زہ کے بجائے تسمے سے سزائے موت دینی شروع کی- مغل بادشاہ جہاں دار جب گرفتار ہوا تو فرخ سیر نے اسے تسمہ کشی کے ذریعے موت کے گھاٹ اتارا- بعد میں خود فرخ سیر کو بادشاہ گر سید برادران نے قید کر کے جب اندھا کرنا چاہا تو تذبیذی رکھ رکھاؤ کو برطرف کرتے ہوئے آنکھوں میں سلائی پھیرنے کی بجائے اس کام کیلئے لوہے کی گرم سلاخیں استعمال کیں

وسط ایشیائی نفاست میں خونخواری کس قدر نمایاں تھی اس کی ایک شکل علاؤ الدین جہاں سوز کے واقعہ میں اوپر آ چکی ہے اس خون آشام ذہنیت کا اظہار ان سزاؤں کی شکل میں بھی ہوتا ہے جو بدیسی حکمران برصغیر میں عام لوگوں کو دیتے تھے- جرم کی سزا محض قتل نہ تھی بلکہ اذیت ناک قتل تھی- ان سزاؤں کا مقصد مقامی اجنبی آبادی کو جن میں بدیسی لوگ آٹے میں نمک کے برابر تھے خوفزدہ کر کے اطاعت پر مجبور کرنا تھا- ان دہشتناک سزاؤں میں جن کا تذکرہ لوک کہانیوں' ادب اور تاریخ میں ملتا ہے زندہ لوگوں کو کتوں کے آگے ڈالنا' ان کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے پھانسی پر چڑھانا' جسم میں میخیں ٹھونک کر مارنا' زن و بچہ کولہو میں پلوانا اور زندہ دفن کر دینا شامل ہیں- مشہور ہے کہ انارکلی کو شہزادہ سلیم سے محبت کی بنا پر زندہ گاڑ دیا گیا تھا جبکہ شہزادہ بالکل عاقبت سے رہا- سکھ مذہبی رہنما گورو گوبند سنگھ کے دو نوعمر بیٹوں' فتح سنگھ اور زور آور سنگھ کے ساتھ اورنگ زیب عالمگیر کے گورنر نے یہی کیا- ان دونوں معصوم بچوں کو سرہند کے شہر میں اپنے باپ کے گناہوں کی سزا کے طور زندہ دیوار میں چنوا دیا گیا-

وسط ایشیائی ذہن نت نئی وحشیانہ سزائیں ایجاد کرتا تھا- جہانگیر کے بیٹے خسرو نے باپ کے خلاف بغاوت کی تو اس کے دو ساتھی حسن بیگ اور خواجہ عبدالرحیم خصوصی طور پر شہنشاہ کے عتاب کا نشانہ بنے- حسن بیگ کو گائے کی کچی کھال میں اور خواجہ عبدالرحیم کو گدھے کی کچی کھال میں لپیٹ دیا گیا مقصود یہ تھا کہ آہستہ آہستہ جب کھال سوکھے تو یہ طویل عرصہ تک اذیت میں مبتلا رہ کر چیختے چلاتے ہوئے اگلے جہاں سدھاریں اور دیکھنے والے عبرت پکڑیں-

وسط ایشیائی حکمران حرب و ضرب کے موقعہ پر بھی اسلامی تعلیمات کی مکمل نفی کرتے تھے- بیگناہ انسانوں کا قتل اور عورتوں اور بچوں کو غلام بنانا' روزمرہ کی زندگی کا معمول تھا- لونڈی غلام بناتے ہوئے اپنے ہم مذہب لوگوں کو بھی نہیں چھوڑا جاتا تھا- مفتوحہ آبادی کی ہر عورت لونڈی تھی اور ہر بچہ غلام- ترک سلطان سلیم اول نے پہلے قسطنطنیہ کے شیخ الاسلام سے یہ فتوی حاصل کیا کہ ایک ایرانی شیعہ کا قتل ستر عیسائیوں سے افضل ہے- پھر اس نے ایران کے شاہ اسماعیل صفوی پر فوج کشی کر کے اسے شکست دی- اور اس کی محبوب بیوی کو بھیر اپنے وزیر تاجک زادہ جعفر چلپی سے شادی کرنے کا حکم دیا- ظاہر ہے اسلام کی رو سے ایک عورت پہلے خاوند کی موجودگی میں دوسری شادی نہیں کر سکتی - لیکن افضلیت تو حاصل تھی ترکوں کے رسم و رواج کو چنانچہ سلطان کے حکم پر عمل کیا گیا--

دیگر وسط ایشیائی رسوم

غیر اسلامی وسط ایشیائی رسوم و رواج میں نجومیوں کا استعمال بھی شامل تھا - یہ رواج چنگیز خان کے دربار میں مقبول تھا- بعد میں وسط ایشیا کے حملہ آور اسے اپنے ساتھ برصغیر میں لائے - سلاطین دہلی ہوں یا مغل بادشاہ ہر اہم کام کرنے سے پہلے نجومیوں سے رائے لیتے تھے - خاص طور پر جنگ و جدل' شادی بیاہ' تخت نشینی اور سفر کے موقعہ پر نجومیوں کے مشورے کے مطابق عمل کیا جاتا تھا- اس عہد کے مورخین اس رسم کا عام تذکرہ کرتے ہیں - " تاریخ مخزن افغانی " میں جو برصغیر کے پٹھان حکمرانوں کی مشہور تاریخ ہے بہلول لودھی اور سکندر لودھی کے نجومیوں سے مشوروں کا بار بار ذکر ملتا ہے- "عمل صالح" میں جہانگیر کی تخت نشینی' شاہجہان کے شہر میں داخلے اور اورنگ زیب عالمگیر کی تخت نشینی کی تاریخ مقرر کرنے سے پہلے نجومیوں سے مشورے کا تذکرہ موجود ہے - ظاہر ہے یہ رواج بھی خالص وسط ایشیائی کلچر کا حصہ تھا اور اسلامی تعلیمات کے خلاف-

Scanned with CamScanner

بات یہ ہے کہ وسط ایشیائی حکمرانوں کو اسلام قبول کئے لمبا عرصہ نہ ہوا تھا - یا بعض صورتوں میں لمبا عرصہ ہو جانے کے باوجود ان کی سوچ پر اسلام سے پہلے کی وسط ایشیائی ثقافت کی گہری چھاپ لگی ہوئی تھی - اس کا ایک اندازہ وسط ایشیائی حکمرانوں اور ان کے درباریوں ' امیروں اور جرنیلوں کے ناموں سے بھی ہوتا ہے - محمود غزنوی کے باپ کا نام سبکتگین تھا جو الپتگین کا غلام تھا - سبکتگین کے بھائی کا نام اجوق تھا - الپ ارسلان وسط ایشیا کا مشہور حکمران تھا - خوارزم شاہ کے ماموں کا نام ریتان جق تھا - تیمور اور بابر ترکستانی نام ہیں - تاریخ کی کوئی بھی کتاب اٹھالیں عالمگیر کے زمانے تک اس طرح کے نام عام ملیں گے - طغرل ارسلان ' الغ خان ' آق قطغان ' ویردی خان ' یلنگ توش ' ایماق چوغتہ ' یاق یوز ' بایسنغر ' تردی بیگ ' قلیج خان ' قطلغ نگار خانم ' ترکبائی قطغان - یہ نام ویسے ہی غیر اسلامی ہیں جیسے دیا نند ' پربھو دیال ' یا جے سنگھ ہوں - اور یہ بدیسی حملہ آوروں کی قبل از اسلام وسط ایشیائی سوچ کی گہری چھاپ کی عکاسی کرتے ہیں -

پنجاب اور بیرونی حملہ آور

کچھ عرصہ سے پنجاب کو معاندانہ ہدف تنقید بناتے ہوئے پراپیگنڈا کیا جا رہا ہے کہ پنجاب نے ماضی میں غیر ملکی حملہ آوروں کا کبھی مقابلہ نہیں کیا بلکہ اہل پنجاب ہمیشہ پیش قدمی میں ان کی رہنمائی کا فریضہ سرانجام دیتے رہے ہیں - یہ پراپیگنڈا اس تواتر اور تسلسل سے کیا جاتا رہا ہے کہ خود پنجابیوں کا ایک حصہ بھی اس جھوٹے پراپیگنڈے کو تاریخی حقیقت باور کرنے لگا ہے - یہ معاندانہ پراپیگنڈا ایک جانب تاریخ کے اعتبار سے جھوٹ کا پلندہ ہے تو دوسری طرف انسانی نفسیات کے اعتبار سے بھی غلط ہے

اپنی زمین ہو یا سر چھپانے کا کوئی ٹھکانہ جب بھی کوئی حقیقی مالکوں کو بے دخل کر کے اس پر قبضہ کرنے کی کوشش کرتا ہے تو وہ مقدر بھر اس کی مزاحمت کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے - کیونکہ انہوں نے اس قطعہ ارض اور مستقر کو بہت محنت کے بعد قابل رہائش بنایا ہوتا ہے - اس کا دفاع وہ اپنی استعداد کے اندر ہی کر سکتے ہیں - مزاحمت کی شکل ان حالات کے مطابق ہوتی ہے جس میں وہ رہ رہے ہوتے ہیں - انسان کا یہ رد عمل انسانی نفسیات کے مطابق ہے - اس میں قوم یا قبیلے کا کوئی امتیاز نہیں ہوتا - ویتنامی ہو یا چینی ' پنجابی ہو یا سندھی ہر فرد اپنے طریقے کے مطابق بیرونی حملہ آوروں کا مقابلہ کرتا ہے

دنیا میں بہت کم ایسے علاقے ہوں گے جن پر مقامی جغرافیہ نے وہاں کی تاریخ پر اتنے گہرے اثرات مرتب کئے ہیں جتنے پنجاب پر - پنجاب کو برصغیر ہندو پاکستان اور بنگلہ دیش کے دروازے کی حیثیت حاصل ہے - برصغیر کے نقشے پر دو جانب سمندر ہے تیسری طرف ہمالیہ کے بلند و بالا پہاڑ ہیں جنہیں عبور کر کے ہندوستان تک رسائی حاصل کرنا ممکن نہیں ہے اور چوتھی سمت کے ایک حصے میں پنجاب کا محل وقوع ہے - وسط ایشیا سے اٹھنے والی ہر آندھی نے جب بھی برصغیر کی طرف رخ کیا سب سے پہلے پنجاب کو تباہ کیا - گنگا و جمنا کی وادی کو تاخت و تاراج کرنے والے لیٹروں کا لشکر ٹڈی دل کی طرح پہلے پنجاب پر حملہ آور ہوا اور جو چیز ہاتھ لگی اڑا لے گئے - مال غنیمت

کے طور پر بھی اور زاد راہ کے طور پر بھی - پنجاب کے عوام تنکے جوڑ کر صدیوں میں جو گھونسلے بناتے تھے درہ خیبر سے آنے والے حملہ آور بگولوں کی طرح جھپٹ کر آنکھ جھپکنے میں اسے تباہ کر دیتے تھے - پنجاب کی تباہی ' بربادی کا عمل اتنی مرتبہ دہرایا گیا کہ پنجاب میں پنجابی اپنی حکومت قائم نہ کر سکے - اگر پنجاب بیرونی حملہ آوروں کی مسلسل تیغ ستم کا نشانہ نہ بنتا تو رنجیت سنگھ سے بہت پہلے زمانہ قدیم میں پنجاب میں ایک پنجابی حکومت قائم ہو چکی ہوتی - بدقسمتی سے پنجاب کا مخصوص جغرافیائی محل وقوع اس حکومت کے قیام کی راہ میں رکاوٹ ثابت ہوتا رہا ہے

تاریخ کے ہر دور میں بیرونی حملہ آوروں کو مقامی لوگوں کے ایک حصے کے تعاون کی ضرورت رہی ہے بیرونی لٹیرے اور حملہ آور گروہ جہاں بھی گئے ان کا مقابلہ مقامی آبادی کے بڑے حصوں نے کیا ہے - لیکن ہر قوم میں کوئی نہ کوئی کیدو یا غدار آلہ کار بنتے رہے ہیں - ایسے لوگ پنجاب کے غریب عوام کی نقل و حرکت اور منصوبہ بندی کی جاسوسی کرتے تھے یا غیر ملکی حملہ آوروں کی فوج میں شامل ہو جاتے تھے - تاکہ ان ڈاکوؤں سے انعام و اکرام اور خلعت حاصل کر سکیں یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ پنجاب کے عوام کی اکثریت بیرونی لیٹروں کا مقابلہ کرتی رہی اور چند غدار ' ڈاکوؤں کے دست بازو ثابت ہوتے رہے ہیں - حقیقت کو دونوں اطراف سے دیکھنا چاہئے

آریاؤں کا حملہ اور دراوڑوں کی مزاحمت

پانچ دریاؤں کا خطہ زمین ہونے کی وجہ سے پنجاب کی اراضی زمانہ قدیم سے زرخیز رہی ہے اس لئے یہاں پرانے وقتوں سے آبادیوں کے آثار ملتے ہیں - سب سے پہلے یہاں آج تک جس تہذیب و تمدن کے آثار دریافت ہوئے ہیں وہ دراوڑ تہذیب و تمدن کے ہیں - اس تہذیب کے آثار ہڑپہ (پنجاب) اور موہنجوداڑو (سندھ) میں دریافت ہوئے ان سے پتہ چلتا ہے کہ اس زمانے کے لوگ ایسے شہروں میں رہتے تھے جہاں کشادہ سڑکیں اور گلیاں ہوتی تھیں ' حمام تھے ' گندے پانی کے نکاس کے لئے زیر زمین

نالیاں تھیں ' ان شہروں کو منصوبہ بندی کے مطابق تعمیر کیا گیا تھا بیشتر کہ سہولتوں کے حصول کے لئے معقول بندوبست شہر کے وسطی حصہ میں تھا - یہاں مندر اور مشترکہ استعمال کے لئے عمارتیں بنی ہوئی تھیں اور ان کے گرد لوگوں کے رہائشی مکانات ہوتے تھے ان شہروں سے اندازہ ہوتا ہے کہ کھیتی باڑی اور تجارت ترقی پذیر تھی ' زیور بنائے جاتے تھے اور قسم ہا قسم کے برتن استعمال کئے جاتے تھے ' تصویری تحریر رائج تھی جو ابھی تک سمجھی نہیں جا سکی

پنجاب سے آگے برصغیر کے وہ علاقے تھے جو کہیں کہیں پنجاب کی طرح زرخیز تھے - وہاں جانے کے لئے بھی پنجاب میں سے گذرنا پڑتا تھا جتنی پرانی تاریخ ہم تک پہنچی ہے اس کے مطابق پنجاب پر پہلے حملہ آور آریا قبائل تھے - وسط ایشیا اور ایران سے آنے والے یہ قبائل خانہ بدوش اور مویشی پال تھے - وہ اپنے علاقوں سے بعض وجوہات کی بنا پر نقل مکانی کر کے آئے تھے - انہوں نے ایک طرف بابل اور نینوا کی خوشحال آبادیوں کو رگیدا ' ان کی معیشت کو برباد کیا تو دوسری جانب پنجاب میں پھلتے پھولتے دراوڑ تہذیب و تمدن اور معیشت کا بانس مار دیا - یہ حملہ آور شہروں میں بود و باش رکھنے کے عادی نہیں تھے - وہ جنگلوں اور بیلوں میں مویشی پالتے اور کھلے آسمان تلے زندگی بسر کرنے کے خوگر تھے - اس لئے انہوں نے وارد ہونے کے ساتھ ہی دراوڑوں کے ترقی یافتہ شہروں کی اینٹ سے اینٹ بجا دی ' شہریوں کا قتل عام کیا ' عورتوں کو لونڈیاں بنا لیا ' ہزاروں دراوڑوں کو جنوبی ہندوستان کی طرف دھکیل دیا جہاں وہ آج بھی آباد ہیں اور دراوڑی زبان بولتے ہیں

ہڑپہ اور موہنجو داڑو کی ہونے والی کھدائیوں سے پتہ چلتا ہے کہ آریاؤں نے شروع میں نہ تو پہلے سے آباد شہروں کی ترقی دی اور نہ ہی ابتداء میں نئے شہر آباد کئے - شہری معیشت کی بنیاد اضافی زرعی پیداوار ہوا کرتی تھی - دراوڑ پیداوار میں اضافہ کرنے کے لئے چھوٹے دریاؤں پر بند تعمیر کرتے تھے ' سیلاب آنے کی صورت میں وہ ندی نالوں کا پانی کھیتی باڑی کے لئے ذخیرہ کر لیتے اور اس طرح اپنی بستیوں اور شہروں کو سیلاب کی تباہ کاریوں سے بھی بچا لیتے تھے - آریاؤں کے نزدیک یہ بند اک عجیب اور غیر

Scanned with CamScanner

فطری چیز تھے - دریاؤں کا راستہ روکنا ان کے عقیدے کے مطابق مہاپاپ تھا

ویدوں میں اندرا کو آزاد کرنے والے دیوتا کا نام دیا گیا ہے - نہروں کا راستہ راکھشس نے روکا ہوتا ہے جو کالے ناگ کی طرح اس کے آگے لیٹ کر پانی کے بہاؤ کو روک دیتا ہے اندرا اپنے تیر کے ذریعے جب اس راکھشس کو قتل کرتا ہے تو زمین ہلنے لگتی ہے ' پتھروں کے ڈھیر رتھ کے پہیوں کی طرح لڑھکنے شروع ہو جاتے ہیں اور پانی راکھشس کے گرے ہوئے جسم کے اوپر سے بہنا شروع ہو جاتا ہے - یہ سارا قصہ ان بندوں کو مسمار کرنے کی کہانی ہے جو دراوڑوں نے کھیتی باڑی کے لئے انتھک محنت سے تعمیر کئے تھے - بند توڑ دینے کے نتیجے میں زرعی معیشت تباہ ہو گئی اور جو شہر تباہ ہونے سے بچ گئے تھے وہ زرعی معیشت کی بربادی کے نتیجے میں ملیامیٹ ہو گئے

اس دور کی لکھی ہوئی تاریخ تو ہمارے پاس موجود نہیں ہے پر آریائی دور میں لکھے جانے والے وید اس حقیقت کے گواہ ہیں کہ آریہ آسانی سے اس خطہ پر قابض نہیں ہوئے تھے - انہیں مقامی باشندوں کی شدید مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا تھا اس قدیم دور میں دراوڑ قوم کی قیادت کرنے والا کون تھا ' وہ سورما کون تھا جو اپنی دھرتی کا محافظ بن کر میدان میں آیا تھا ' کس بہادر جوان نے آریاؤں کے آگے بڑھتے ہوئے لشکروں کو اپنی تلوار سے روکنے کا جتن کیا تھا اس کا کوئی ریکارڈ ہمارے سامنے موجود نہیں ہے - لیکن ایک بات رگ وید میں صاف طور پر ہمارے سامنے کھل کر آتی ہے کہ اس زمانے میں ہمارے دراوڑ عوام نے جگہ جگہ آریاؤں کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکنے کے لئے اس کے آگے اپنی لاشوں کے بند تعمیر کئے - لیکن آریا ان کے مقابلے میں فن حرب میں تاک تھے - بعد کی تاریخ سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ زراعت پیشہ ' ترقی یافتہ تہذیبوں کے مقابلے میں غیر مہذب گھڑ سواروں کے جتھے شمشیر زنی کے دھنی ہوتے ہیں - دراوڑ پوری قوت سے لڑے مگر انہیں شکست سے دوچار ہونا پڑا رگ وید کے صفحات اس بات کے گواہ ہیں کہ جنگ شدید تھی مگر پنجاب کے قدیم باشندوں نے ہتھیار خاموشی سے نہیں ڈالے تھے -

پنجاب کی تاریخ میں دراوڑ جن کے وارث آج کے مصلی ہیں اس دھرتی کے

پہلے راجے تھے -

یونانیوں کا حملہ اور پنجاب

سکندر اعظم کے پنجاب پر حملے سے متعلق تاریخ میں تفصیلی مواد موجود ہے کیونکہ اس وقت سکندر کے ساتھ یونانی مورخ بھی موجود تھے - لیکن یہ مواد یکطرفہ شہادت پر مشتمل ہے جو حملہ آوروں کے درباری مورخوں نے قلم بند کیا تھا اور حقائق کے بارے میں ایسی مبالغہ آرائی سے کام لیا گیا تھا جو یونانیوں کے حق میں تھی - ایک جدید مورخ کے بقول یونانی مورخوں نے تاریخ ایسے ہی لکھی ہے جیسے ہٹلر کے زمانے میں نازی مورخ لکھتے تھے -

سکندر افغانستان سے ہوتا ہوا پنجاب میں داخل ہوا تھا - حملہ کرنے سے پہلے اس نے باختر (افغانستان) میں موجود ان ہندوستانی باشندوں سے جو کسی نہ کسی بنا پر وہاں بودوباش رکھتے تھے ہندوستان کے بارے معلومات حاصل کیں - پنجاب اور ہندوستان میں دولت کی فراوانی کے تذکرے نے سکندر پر بڑا اثر کیا - اسے بتایا گیا کہ اس خطے میں سونا چاندی ' ہیرے اور جواہرات وافر مقدار میں ہیں ' یہاں تک کہ پنجاب میں سپاہیوں کی ڈھالیں بھی سونے اور ہاتھی دانت کی بنی ہوتی ہیں -

۳۲۷ قبل از مسیح میں سکندر نے دریائے سندھ اٹک کے مقام سے عبور کیا - پنجاب میں داخل ہونے سے پہلے سکندر نے پنجاب کے راجاؤں کو حکم بھیجا کہ وہ اپنی اپنی سرحدوں پر کھڑے ہو کر یونانی افواج کو خوش آمدید کہیں - سب سے پہلے جس راجہ نے سکندر کے آگے سر تسلیم خم کیا وہ ٹیکسلا کا راجہ تھا ' اس نے اپنی سرحد پر آکر سکندر کا استقبال کیا - لیکن اس سے آگے ہر جگہ سکندر کو پنجاب کے عوام کی شدید مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا ' جہلم کے راجہ پورو (پورس) کے ساتھ اس کے مقابلے کے حالات خاص طور پر تاریخ میں بیان کئے گئے ہیں - برسات کا موسم ہونے کی وجہ سے دریائے جہلم میں طغیانی کو دیکھتے ہوئے پورو کا خیال تھا کہ سکندر کی افواج دریا نہیں عبور

کر پائیں گی - لیکن سکندر نے نہایت ہوشیاری سے کام لیتے ہوئے وہ کشتیاں جن پر دریائے سندھ عبور کیا تھا ٹکڑے ٹکڑے کروا کر جلدی سے منگوائیں اور انہیں جوڑ کر بیڑیاں بنوالیں اور رات کی تاریکی میں فوجوں سمیت دریا عبور کر لیا-

پہلے حملے میں پورو کا جواں سال بیٹا یونانیوں کے ہاتھوں مارا گیا- یہ لڑائی اس قصبے کے نزدیک ہوئی جسے آج جلال پور شریف کہتے ہیں - دوسری لڑائی پورو اور یونانی فوج کے درمیان ہوئی - یہ ایک بڑا سخت معرکہ تھا- ایک موقع پر یونانی فتح سے مایوس ہو گئے تھے - لیکن آخر کار یونانی فتح یاب ہوئے' پورو زخمی حالت میں گرفتار کر کے سکندر کے سامنے پیش کیا گیا- سکندر نے پورو کی نہ صرف جان بخش دی بلکہ اسے اس کا علاقہ بھی حوالے کر دیا گیا- اور باقی پنجاب کو فتح کرنے کے لئے اسے اپنے ساتھ ملا لیا-

جنگ کے دوران پورو ایک بہادر مرد میدان کی طرح سینہ تان کر کھڑا رہا- اس نے ٹیکسلا کے راجے کی طرح بیرونی حملہ آوروں کی اطاعت قبول نہیں کی' جنگ میں بیٹے کی قربانی بھی دی لیکن شکست کے بعد پورو نے حملہ آوروں کے ساتھی کی حیثیت سے یونانی افواج کو اندرون پنجاب فوج کشی کے لئے راستہ دکھایا بلکہ اپنے ہم وطنوں کے خلاف یونانیوں کے دوش بدوش جنگیں بھی لڑیں - سانگلہ کے بہادر عوام کا جب یونانی قتل عام کر رہے تھے تو اس وقت پورو اپنے پانچ ہزار فوجی جوانوں سمیت سکندر کی خدمت میں موجود تھا- اس کی آنکھوں کے سامنے سانگلہ اور اس کے گردونواح کے علاقوں کے ستر ہزار پنجابیوں کو قتل کیا گیا اور ستر ہزار غلام بنائے گئے - پورو کی اس وفاداری کے صلے میں سانگلہ کا علاقہ اس کی سپرداری میں دے دیا گیا-

پورو پنجاب کا ہیرو نہیں کیونکہ اس کا کردار ان راجاؤں اور زمینداروں جیسا ہے جو جان کی امن پا کر ہر فاتح کے دست و بازو بن جاتے ہیں - پورو نے بھی جنگ میں شکست کھانے کے بعد بیرونی حملہ آوروں کی ملازمت اختیار کر لی- ہیرو ایسے نہیں ہوتے

اس دور میں کوئی ایک فرد ہیرو نہیں تھا بلکہ پنجاب کے عام لوگ تھے جنہوں نے سکندر کی افواج کی پیش قدمی میں جگہ جگہ رکاوٹیں کھڑی کیں اور گوریلا طریق جنگ اختیار کرتے ہوئے سکندر کے لشکر پر حملے کرتے رہے اور شہروں میں قلعہ بند ہو کر

اس کا مقابلہ کرتے رہے - انہی حملوں میں آخر کار سکندر شدید زخمی ہوا - اور بمشکل جان بچا سکا - خاص طور پر ملتان کے ملی قبیلے کی سکندر کے خلاف جنگ سونے کے حروف سے لکھی جانے والی داستان ہے - ملتان کے گردونواح کے علاقے میں کاٹھیہ قبیلہ اور اچ کے عوام نے مشترکہ طور پر سکندر کے خلاف جنگ کا فیصلہ کیا تو سکندر کو مشکلات نے گھیر لیا - انہی لوگوں نے سکندر کو میدان جنگ میں زخمی کر کے یونانیوں کے حوصلے پست کر دیے-

پنجاب کے عوام نے سکندر کی افواج کا جس پامردی سے مقابلہ کیا اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دریائے بیاس پر پہنچ کر یونانی فوجوں نے آگے بڑھنے سے انکار کر دیا - سکندر نے بہت کوشش کی کہ وہ آگے بڑھ کر ہندوستان پر قبضہ کریں مگر یونانیوں کو جو سبق پنجاب میں ملا تھا اس کی وجہ سے ان میں آگے بڑھنے کا حوصلہ نہ رہا - اور اس طرح پنجاب کی وجہ سے ہندوستان سکندر کے حملوں سے محفوظ رہا-

وسط ایشیا کے مسلمان حملہ آور اور پنجاب

سکندر کے بعد چھوٹے چھوٹے کئی حملہ آوروں نے پنجاب پر لشکر کشی کا سلسلہ جاری رکھا - لیکن ان کے بعد سب سے مشہور حملہ آور محمود غزنوی تھا جس نے گیارھویں صدی عیسوی کی ابتدا میں پنجاب پر حملہ کیا - محمود غزنوی وسط ایشیا کا ایک ترک حکمران تھا - اس کے دور میں وسط ایشیائی سماج ایک غلام داری سماج تھا جہاں انسانوں کو جنگوں میں غلام بنایا جاتا تھا اور پھر انہیں منڈیوں میں بھیڑ بکریوں کی طرح فروخت کر دیا جاتا تھا - آزاد افراد کو غلام بنانا اس زمانے میں بہادری کا بڑا کارنامہ سمجھا جاتا تھا - "جہانگیر" اور "عالمگیر" کے الفاظ اسی حقیقت کی نشاندھی کرتے ہیں - اس دور میں بادشاہوں کو فتوحات کا "شوق" ہوتا تھا - ملکوں کو فتح کرنا' انسانی بستیوں کو برباد کرنا مردوں کو موت کے گھاٹ اتارنا' عورتوں اور بچوں کو لونڈی' غلام بنا لینا بادشاہوں کے لائق کارنامے تصور کئے جاتے تھے - ان مقاصد کی تکمیل کے لئے اس زمانے میں بھی

Scanned with CamScanner

مذہب کا سہارا ایسے ہی لیا جاتا تھا جیسے آج لیا جاتا ہے حقیقتاً" ان حملوں کا مقصد سونا چاندی اور غلاموں کا حصول تھا' باقی باتیں بہانہ سازی کے سوا کچھ نہیں تھیں-

پنجاب کی تاریخ کے ساتھ جو سب سے بڑی زیادتی ہوئی وہ اس کا فرقہ واریت کی نذر ہوجانا ہے - وسط ایشیا یا افغانستان کے حملہ آور چونکہ مسلمان تھے' انہوں نے اس لوٹ کھسوٹ اور قتل و غارت کے جواز کے لئے مذہب کو آڑ کے طور پر استعمال کیا- اس لئے فرقہ پرست مورخوں نے ان حملہ آوروں کے کردار کی پردہ پوشی کا فریضہ ادا کیا ہے اور انہیں ہمارے محسن اور ہیرو بنا کر پیش کیا- یہی جھوٹ ہمارے بچوں کو سکولوں اور کالجوں میں پڑھایا جاتا ہے - حقیقت یہ ہے کہ ان لٹیروں کے پیش نظر کوئی اعلیٰ مقصد نہیں تھا - تاریخ کا اگر عمیق نظر سے مطالعہ کیا جائے تو حملوں کا محرک محض معاشی اور مادی ضروریات کے سوا کچھ نہیں- یہ حملہ آور یہاں اعلیٰ اقدار یا روحانیت کی تبلیغ کرنے نہیں آئے تھے' وہ تو بھوکے بازوں کی طرح اپنے شکار پر جھپٹ رہے تھے اور پنجاب کو خاص طور پر انہوں نے نوچ نوچ کر کھایا- ان کے لشکر لوٹتے وقت پنجاب کی صدیوں میں اکٹھی کی ہوئی دولت سمیٹ کر ترکستان اور افغانستان لے جاتے تھے - ان لشکروں میں پنجاب سے اغوا کی گئی ان عورتوں اور چھوٹے چھوٹے بچوں کی آہ و بقا سنائی دیتی تھی جنہیں وہ غلام بنا کر ساتھ لے جاتے تھے اور وسط ایشیا کے بازاروں اور منڈیوں میں نیلام کر دیتے تھے -

محمود غزنوی کا حملہ

۱۰۰۱ عیسوی میں محمود غزنوی کے وقت پشاور پنجاب میں شامل تھا- اور اس کا حکمران جے پال تھا- تاریخ یمینی کے مطابق محمود غزنوی "اسلام کا جھنڈا لہراتا ہوا پنجاب پر حملہ آور ہوا" - پشاور کی جنگ میں پنجابی افواج نے بڑی بہادری سے حملہ آوروں کا مقابلہ کیا- لیکن انہیں شکست کا منہ دیکھنا پڑا - جے پال پندرہ رشتہ داروں سمیت گرفتار کر لیا گیا- اس بات کا تاریخ میں کوئی ذکر نہیں ملتا کہ محمود غزنوی نے راجہ جے پال اور اس کے رشتے داروں کو اسلام کی طرف مائل کرنے کی کوئی کوشش کی- البتہ تاریخ

یمینی کا مصنف جو موقعہ پر موجود تھا فخراً لکھتا ہے کہ راجہ جے پال کے گلے سے جو ہار اتارا گیا تھا اس کی قیمت دو لاکھ دینار تھی اور اس کے رشتہ داروں کے زیورات کی قیمت چار لاکھ دینار تھی- اس کے علاوہ مزید مال غنیمت محمود غزنوی کے ہاتھ لگا- پانچ لاکھ غلام اور کنیزیں بھی تقسیم ہوئیں- اسلام کا جھنڈا بلند کرنے کا فائدہ اسلام کو تو کچھ بھی نہ ہوا لیکن محمود غزنوی اور اس کی فوج کے ہاتھ بہت بڑا مال غنیمت لگا-

جے پال کو جنگ میں شکست کے بعد محمود غزنوی کے ہاتھوں جس ذلت کا سامنا کرنا پڑا اس سے شرمسار ہو کر اس نے سر کے بال منڈوا لئے اور جلتی آگ میں کود کر پروانے کی طرح جان دے دی-

جے پال کے بعد اس کی دو نسلیں اپنی دھرتی کی حفاظت کرتے ہوئے ترکوں سے نبرد آزما رہیں لیکن جنگ کا فیصلہ ان کے خلاف ہوا - پر کیا آج تک کی تاریخ میں لڑی گئی ہر جنگ میں فتح سچ ہی کو ہوئی ہے ؟ اگر اپنے ملک کا دفاع کرنے والے باہمی نفاق کی وجہ سے متحد نہ ہوں یا جنگ کی تیاری نہ کی ہو تو شکست ان کا مقدر ہوتی ہے - پنجاب کے محافظوں کے ساتھ بھی یہی ہوا -

جے پال' اس کے بیٹے آنند پال اور نواسہ جے پال ثانی نے بیرونی حملہ آوروں کے خلاف جو جنگ لڑی وہ مادر وطن کے دفاع کی ایک ایسی جنگ تھی جسے آج کی دنیا میں عظیم مقصد کے لئے لڑی جانے والی جنگ سمجھا جاتا ہے - اور لڑنے والے صد آفرین کے مستحق قرار پائے ہیں-

محمود غزنوی کی پنجاب اور ہندوستان میں دلچسپی صرف اس قدر تھی کہ یہاں سے غزنوی خزانہ میں اضافہ کرنے کے لئے مال و دولت حاصل کیا جائے- اسے ہندوستان میں اپنی حکومت قائم کرنے سے دلچسپی نہیں تھی - کیونکہ وہ خوارزم اور ترکستان میں بہت الجھا ہوا تھا- خوارزم اور ترکستان کی جانب سے چین کی تجارتی شاہراہ گزرتی تھی یہ علاقہ محمود غزنوی کی نظروں میں زیادہ سفید اور اہم تھا- محمود غزنوی کے پنجاب اور ہندوستان پر حملوں کا مقصد اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ یہ تمام حملے فصلوں کی کٹائی کے فوراً" بعد کئے گئے تھے یعنی اس وقت جب پنجابیوں کے گھر فصل اور دیگر زرعی اجناس

Scanned with CamScanner

سے بھرے ہوتے تھے اور نقد روپیہ بھی وافر مقدار میں ہوتا تھا - محمود غزنوی نے ہندوستان کے غیر مسلم سپاہیوں پر مشتمل ایک فوج بھی قائم کی جسے وہ اپنے ہمراہ ترکستان کے مسلمانوں کو مارنے کے لئے لے گیا-

غزنوی خاندان چند سال تک پنجاب پر حکومت کرتا رہا - انہیں اقتدار سے علیحدہ کر کے غوریوں نے لاہور پر قبضہ کر لیا - شہاب الدین محمد غوری درہ گومل کے راستے سندھ کو لوٹنے کے بعد پنجاب میں وارد ہوا ' اور ۱۱۸۵ میں لاہور کے قلعہ کو سر کرنے کے بعد وادی گنگا جمنا کی طرف روانہ ہوا۔غوریوں کے بعد خاندان غلاماں کی حکومت قائم ہوئی اور پھر تغلق برسر اقتدار آئے -

امیر تیمور کا پنجاب پر حملہ

محمود غزنوی کی طرح امیر تیمور گورگان بھی وسط ایشیا سے تعلق رکھتا تھا - پنجاب اور ہندوستان کی دولت کی فراوانی کے قصے سن کر سونے کی اس چڑیا کو پھانسنے کی خواہش اس کے دل میں چٹکیاں لینے لگی - لوٹ کھسوٹ کے اس مقصد کو تیمور نے مذہبی رنگ دیا - اپنی خود نوشت سوانح حیات "ملفوظات تیموری" میں وہ لکھتا ہے کہ "میں نے سن رکھا ہے کہ کفار کے ساتھ لڑائی کے دوران جو شخص جاں بحق ہو جائے شہید اور زندہ بچ رہنے والا غازی کہلاتا ہے - میں نے تہیہ کیا کہ کفار کے خلاف جنگ آزما ہوں گا - لیکن یہ طے نہیں کیا کہ وہ کافر چین کے ہوں گے یا ہندوستان کے بت پرست" یاد رہے کہ اس زمانے میں ہندوستان کے حکمران تغلق تھے جو مسلمان تھے -

تیمور کو جب یہ معلوم ہوا کہ چین کے مقابلے میں ہندوستان کے سالانہ مالئے کی رقم سولہ اوب مثقال چاندی ہے تو اس نے ہندوستان پر حملہ کرنے کو ترجیح دی - لشکر کشی کے جواز میں قرآن سے فال نکلوائی گئی جو بدقسمتی سے ہندوستانیوں کے خلاف نکلی - علماء نے ہندوستان کے خلاف جہاد کا فتوے جاری کر دیا

۱۳۹۶ء میں تیمور نے اپنے پوتے پیر محمد کو ہندوستان فتح کرنے کے لئے بھیجا جس

نے ملتان کے قریب اچ شریف کے شہر پر دھاوا کر کے اسے فتح کرنے کے بعد ملتان کا محاصرہ کر لیا - یہ دونوں شہر مسلمانوں کے تھے ' ملتانی چھ ماہ تک پیر محمد کے مقابلے میں ڈٹے رہے ' لیکن طویل محاصرے کے نتیجے میں شہر میں کھانے پینے کی اشیاء کی قلت پیدا ہو گئی - جب تک کھانے کے لئے کچھ میسر ہوتا رہا محاصرین نے ہتھیار نہیں ڈالے - لیکن بقول تیمور جب بھوک سے نڈھال شہریوں کے لئے کھانے کے لئے بلیاں اور چوہے بھی نہ رہے تو وہ ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گئے - پر درپردہ حملہ آوروں کے خلاف منصوبے بناتے رہے اور جونہی پیر محمد کی افواج شہر کی چار دیواری سے نکلیں انہوں نے دوبارہ علم بغاوت بلند کر دیا - بعد میں تیمور نے ملتانیوں کو اس بغاوت کی کڑی سزائیں دیں -

۱۳۹۸ء میں تیمور قہر خداوندی بن کر پنجاب پر حملہ آور ہوا جس راہ سے گزرا تاتاریوں کی رسم کے مطابق انسانی کھوپڑیوں کے مینار بناتا چلا گیا - اس نے ۱۲ ستمبر کو دریائے سندھ عبور کیا - دریائے چناب پر پنجاب کے گورنر شہاب الدین مبارک خان کو شکست دی - پسپا تو گورنر کی افواج ہوئیں لیکن مبارک شاہ تیموری لشکر کو حملہ آور ہوتے دیکھ کر اپنے اہل و عیال اور جواہرات سمیت رات کی تاریکی میں کشتی میں سوار ہو کر دریا کے راستے فرار ہو گیا -

تیمور بھی دریائے چناب کے کنارے کنارے چلتا ہوا راوی اور چناب کے سنگھم تک بڑھتا چلا گیا - اور دریا کو عبور کر کے تلمبہ شہر پر جو بہت بڑا اور خوشحال شہر تھا حملہ کر دیا - اس نے تلمبہ کے شہریوں کو دو لاکھ روپے تاوان ادا کرنے کا حکم دیا - تلمبہ کے بے قصور شہریوں سے بلاوجہ تاوان وصول کرنے کا کفار کے خلاف لشکر کشی سے کیا تعلق تھا اس کا آج تک انکشاف نہیں ہوا - تاوان شہر کے مسلم اور غیر مسلم باشندوں سے بلا تخصیص طلب کیا گیا تھا - تاہم تلمبہ کے ان سیدوں اور علماء کو اس تاوان سے مستثنیٰ قرار دیا گیا جو وفاداری کا یقین دلانے کے لئے دربار میں حاضر ہوئے تھے - لوگ ابھی تاوان کی رقم اکٹھی کر رہے تھے کہ تیموری فوج نے شہر پر حملہ کر کے تمام اجناس لوٹ کر شہریوں کو بھوکوں مرنے کے لئے چھوڑ دیا - اسی دوران تیمور پر

Scanned with CamScanner

انکشاف ہوا کہ ملتان کے وہ شہری جنہوں نے اس کے پوتے پیر محمد کے شہر سے نکلتے ہی علم بغاوت بلند کیا تھا تلمبہ کے نزدیک واقع جنگلات میں چھپے بیٹھے ہیں - تیمور نے انہیں گرفتار کر کے قتل کرنے کا حکم دیا۔تیمور کی فوج نے ہزاروں افراد کو جنگل سے نکال کر موت کے گھاٹ اتار دیا-

اسی دوران ککھڑ قبیلے سے تعلق رکھنے والے دو بہادر باغی شیخا اور جسوت تیمور کا مقابلہ کرنے کے لئے میدان میں کود پڑے اور تیموری افواج پر متعدد حملے کئے - شیخا میدان جنگ میں جان کی بازی ہار گیا اور جسوت گرفتار کر لیا گیا' تیمور اسے قیدی بنا کر اپنے ساتھ سمرقند لے گیا' تیمور کے مرنے کے بعد وہ فرار ہو کر پنجاب واپس آ گیا-

تیمور اور پیر محمد کی فوج نے تلمبے سے اجودھن (آج کا پاکپتن) کا رخ کیا- شہر کی آبادی بابا فرید کا شہر ہونے کے ناطے قتل عام ہونے سے بچ گئی لیکن گردونواح کی بستیوں کی لوٹ مار کر کے تیمور نے حساب برابر کر لیا- اس کا ارادہ دیپالپور پر حملہ کرنے کا تھا کیونکہ دیپالپور کے باغی لوگوں نے تیمور کے پوتے پیر محمد کے نامزد داروغہ مسافر کابلی کو ایک ہزار سپاہیوں سمیت اچانک حملہ کر کے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا- دیپالپور کے لوگوں کو جب تلمبہ کے فتح کی خبر ملی تو انہیں تیموری فوج کے ہاتھوں اپنا انجام صاف دکھائی دینے لگا- وہ اس انتقام سے محفوظ رہنے کے ارادے سے دیپالپور سے بھٹنیر کے قلعے میں نقل مکانی کر گئے - ان کا خیال تھا کہ اگر تیمور نے اس طرف کا رخ کیا تو وہ بھٹنیر کے راجپوتوں سے مل کر اس کا مقابلہ کریں گے

تیمور کو جب بتایا گیا کہ دیپالپور کے لوگ بھٹنیر میں پناہ گزیں ہیں تو اس نے پاکپتن سے بھٹنیر کی راہ لی اور شہر کا محاصرہ کر لیا- بھٹنیر کے شہریوں نے تیمور کا مقابلہ کیا لیکن گورنر نے بنا لڑے ہتھیار ڈال دئے اور نذرانہ کے طور پر تیمور کو تین سو تازی گھوڑے پیش کر کے جان کی امان اور انعام میں خلعت حاصل کیا۔گورنر کو انعام سے نوازنے کے بعد تیمور نے اسے حکم دیا کہ تمام دیپالپوری پناہ گزینوں کو شہر سے باہر لے جا کر قتل کر دیا جائے اور ان کے بیوی بچے غلام بنا کر فوجیوں میں بانٹ دئے جائیں -

اس مہم سے عہدہ برآ ہونے کے بعد تیمور نے بھٹنیر کے قلعہ کا رخ کیا جہاں بھٹنیر کے ہندو اور مسلمان قلعہ بند ہو کر مقابلہ کے لئے تیار بیٹھے تھے لیکن جب قلعہ بند شہریوں کو تیمور کی فوجوں کی کامیابی کے آثار نظر آئے اور معلوم ہوا کہ شکست کے بعد ان کے بیوی بچوں کو غلاموں کی حیثیت سے دور دراز کے اجنبی ملکوں میں لے جایا جائے گا تو انہوں نے مایوسی کی حالت میں عورتوں اور بچوں کو اپنے ہاتھوں سے موت کی نیند سلا دینے کا فیصلہ کر لیا- ہندوؤں نے اپنے اہل خانہ کو جلتی آگ میں پھینکا اور مسلمانوں نے اپنے بیوی بچوں کو اپنے ہاتھوں ذبح کیا- پھر سارے مال و متاع کو نذر آتش کرنے کے بعد بے خوف خطر تیموری فوجوں پر ٹوٹ پڑے - تیمور نے اپنی خودنوشت میں لکھا ہے کہ یہ لوگ بڑی بہادری کے ساتھ لڑے - اس کا ایک اہم جرنیل بمشکل ان کے ہاتھوں قتل ہونے سے بچ سکا اور سینکڑوں کی تعداد میں حملہ آور فوجی ان کے ہاتھوں تہہ تیغ ہوئے - لیکن پیشہ ور تجربہ کار فوج نے جنگ کے بیشتروں سے ناآشنا شہری آبادی پر غلبہ پا کر تمام چھوٹے بڑوں کو گرفتار کر کے قتل کر دیا- بھٹنیر کے قلعہ سے نکل کر ملک کی آزادی اور اپنی آبرو کے لئے تیمور کی فوجوں سے لڑتے ہوئے جو لوگ مارے گئے ان کی تعداد تیمور کی تحریر کے مطابق دس ہزار تھی-

واپس مڑنے سے پہلے تیمور نے حکم دیا کہ مقتولوں کی کھوپڑیوں کے مینار بنائے جائیں اور بھٹنیر کے قلعہ اور شہر کو آگ لگا دی جائے' پھر اسے برباد کر کے ہموار کر دیا جائے -

بھٹنیر کو خاکستر کرنے کے بعد تیمور دہلی کی طرف روانہ ہوا - کفار کے ساتھ جنگ کرنے کا ارادہ لے کر آنے والا تیمور ایک مسلمان بادشاہ کے ہوتے ہوئے خود بادشاہ بن بیٹھا اور اپنے نام کا خطبہ پڑھوایا- اور دہلی کو لوٹنے کے بعد واپس چلا گیا-

تیمور ہندوستان سے واپس جاتے وقت سادات خاندان کو یہاں کا حکمران بنا گیا- لیکن کچھ عرصہ بعد لودھی پٹھانوں نے ہندوستان پر قبضہ کر لیا - لودھی پٹھانوں کا آخری حکمران ابراہیم لودھی تھا جس کے دور میں بابر نے براستہ پنجاب ہندوستان پر حملہ کیا-

Scanned with CamScanner

بابر اور پنجاب

دولت خان لودھی' ابراہیم لودھی کی طرف سے پنجاب کا حاکم تھا- اس نے ابراہیم لودھی سے ناراض ہو کر بابر کو ترکستان سے آگر ہندوستان پر حملہ کرنے کی ترغیب دی- پنجاب اور ہندوستان پر حملے کی پوری داستان ظہیر الدین بابر کی خودنوشت "تزک بابری" میں لکھی ہوئی ہے- ہندوستان میں بابر کو کیا نظر آیا جس نے اسے حملہ کرنے پر اکسایا- یہ بھی "تزک بابری" میں لکھا ہوا ہے-

بابر کہتا ہے - "ہندوستان کے دیہات ہوں یا شہر بڑے بدشکل ہیں - سارے دیہات اور شہر ایک جیسے ہیں - یہاں باغات کے گرد چار دیواری تعمیر نہیں کی جاتی - لوگ بھی خوش شکل نہیں ہیں - یہاں کے باشندوں کو رہن سہن کا سلیقہ نہیں' نہ انہیں حسن و خوبصورتی کا ذوق ہے - لوگوں کا آپس میں میل ملاپ کم ہے' ان میں ذہانت کی بھی کمی ہے اور خوش اخلاقی کی بھی"- اس کے بعد وہ مزید لکھتا ہے -"ہندوستان کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ ایک وسیع ملک ہے' اور یہاں سونے چاندی کی بہتات ہے -"

ایسے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کا سونا چاندی بابر کو اپنی طرف راغب کرنے کا باعث بنا - لیکن حملہ کرنے کے لئے کسی نہ کسی بہانے کی ضرورت تو ہوتی ہے - بابر کس بہانے کی آڑ لیتا؟ غزنوی اور تیمور تو جہاد کی آڑ میں ہندوستان پر حملہ آور ہوئے تھے - بابر نے ہندوستان پر قابض ہونے کے لئے یہ بہانہ تراشہ کہ ہندوستان پر بلوشاہت کا حق لودھی پٹھانوں کی بجائے ترکوں کا ہے - سو بابر ترکوں کا حق حاصل کرنے کے لئے پنجاب کے راستے ہندوستان پر حملہ آور ہوا -

بابر نے پنجاب پر پانچ حملے کئے - اس زمانے میں پنجاب کے حاکم بھی غیر ملکی تھے - انہوں نے صوبے کے دفاع کا کوئی بندوبست نہ کیا تھا - اس لئے پنجاب کے باشندوں کو بہت بڑا نقصان برداشت کرنا پڑا - بابر نے پہلا حملہ ۱۵۱۹ء میں کیا - اس حملہ کا نشانہ بھیرہ کا شہر تھا - دریا کے کنارے آباد یہ شہر پنجاب کا بڑا تجارتی مرکز تھا اور خوشحال تاجر طبقہ

یہاں آباد تھا - بابر کو اس حقیقت کا علم تھا - بھیرہ کے دفاع کا کوئی مناسب بندوبست نہیں تھا' کیونکہ یہ سارا علاقہ پرامن تھا - مقامی لوگوں کو مجبوراً "چار لاکھ شاہ رخی سکہ کا تاوان دے کر اپنی جان بابر سے چھڑانی پڑی -

اس حملے کے دوران بابر نے ککھڑوں کی سرکوبی کا فیصلہ کیا - پنجاب کا یہ بہادر قبیلہ ہر حملہ آور کا مقابلہ کرتا تھا - بابر نے ان کے قلعہ بہلہ پر قبضہ کرنے کا فیصلہ کیا - اس کے جرنیل دوست بیگ مغل نے ککھڑوں کے ساتھ لڑائی شروع کی - ککھڑ قوم بڑی بہادری کے ساتھ لڑتی رہی لیکن ایک پیشہ ور منظم فوج کا مقابلہ نہ کر سکی اور اسے ہزیمت اٹھانا پڑی - ککھڑوں کی ناکہ بندی بابر کی اپنی کمان میں کی گئی - شکست خوردہ ککھڑ پہاڑوں کی طرف پسپا ہو کر بھاگ گئے - بابر نے بہلہ کا قلعہ لوٹ لیا -

۱۵۱۹ء میں بابر دوبارہ حملہ کے ارادے سے پنجاب کی طرف روانہ ہوا - لیکن ترکستان میں جنگ کی خبریں سن کر وہ واپس لوٹ گیا - ۱۵۲۰ء میں بابر یلغار کرتا ہوا سیالکوٹ تک پہنچ گیا - شہریوں نے ہتھیار ڈال کر اپنی جان بچائی - لیکن سید پور قصبے کے باشندوں نے لڑائی کا فیصلہ کیا - یہاں بابر نے مردوں کا قتل عام کیا اور عورتوں اور بچوں کو غلام بنا کر ساتھ لے گیا - ۱۵۲۴ء میں بابر نے پنجاب پر چوتھی مرتبہ چڑھائی کی - لاہور پر قبضہ کرنے کے بعد اس خوبصورت شہر کو آگ لگا کر خاکستر کر دیا - یہاں سے وہ سیدھا دیپالپور روانہ ہوا' دیپالپور کے لوگ قلعہ بند ہو کر لڑے - جب انہیں شکست ہوئی تو بابر نے دیپالپور میں قتل عام کا حکم دیا - ۱۵۲۵ء میں بابر نے پنجاب پر پانچواں حملہ کیا وہ فتح کے پھریرے اڑاتا ہوا دہلی تک چلا گیا اور اس پر قبضہ کر لیا - بابر کے بعد اس کا خاندان جو مغلیہ خاندان کہلاتا ہے ہندوستان کے تخت پر بیٹھا -

ترک' پٹھان' مغل حکمران اور پنجاب کے عوام

محمود غزنوی اور تیمور لنگ صرف حملہ آور تھے - ان کا مقصد پنجاب یا ہندوستان

Scanned with CamScanner

میں مستقل طور قیام کر کے اپنی بادشاہت قائم کرنا نہیں تھا لیکن پہلے سلاطین دہلی اور پھر بابر ہندوستان میں بس گئے اور انہوں نے یہاں پر اپنی سلطنت قائم کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

محمود غزنوی کی اولاد رہتی تو غزنی میں تھی لیکن جب ترک یا ارغون دشمن انہیں دیس نکالا دیتے تو وہ پنجاب میں وارد ہو کر اپنے تخت سجا لیتے تھے۔ تقریباً" ڈیڑھ سو سال بعد جب سارا وسط ایشیا ان سے چھین لیا گیا تو وہ مستقل طور پر پنجاب میں آباد ہو گئے اور لاہور کو اپنا پایہ تخت بنا لیا۔ غزنوی خاندان کا آخری حکمران خسرو ملک تھا جس سے شہاب الدین غوری نے پنجاب چھینا۔ غوری' مملوک' خلجی اور تغلق خاندان شمالی ہندوستان کے حاکم بنے۔ ان کے بعد خاندان سادات اور پھر لودھی بر سر اقتدار آئے اور آخر میں مغلوں نے ہندوستان پر قبضہ کر لیا۔

یہ سارے غیر ملکی حکمران تھے۔ ان میں سے کچھ نے مقامی عورتوں سے شادی کر لی۔ غیاث الدین تغلق (۱۳۱۵-۱۳۲۱ء تک پہلے دیپالپور کا گورنر اور پھر شمالی ہندوستان کا بادشاہ بنا۔ اس کی ماں پنجاب کی جٹی تھی۔ فیروز تغلق کی ماں کا تعلق ابوہر ضلع فیروز پور کے راجپوت بھٹیوں سے تھا۔ اکبر بادشاہ اور اس کے بعد کئی دوسرے مغل بادشاہوں نے راجپوتوں میں شادیاں کیں۔

شادی بیاہ کے ان تمام جھمیلوں کے باوجود چاہے سلاطین دہلی کا دور ہو چاہے مغلوں کا انہوں نے مقامی لوگوں کو بہت کم اہم سرکاری عہدوں پر فائز کیا۔ پوری ملکی مشینری پر غیر ملکیوں کا مکمل کنٹرول ہوتا تھا۔ وہ کسی مقامی باشندے کو اس کے قریب نہیں آنے دیتے تھے۔ سلاطین دہلی کے دور میں طبقہ امراء دو حصوں میں منقسم تھی یعنی "صاحب سیف" اور "صاحب قلم"۔ ان کے نیچے ایک جانب خان' امیر' ملک سپہ سالار اور الغ خان ہوتے تھے اور دوسری طرف قاضی' مفتی' ملا اور قاضی القضاۃ تھے۔ ان تمام اونچے عہدوں پر ترک یا افغان افسر مقرر تھے۔ لے دے کے محکمہ مال کے نچلے عہدوں پر کچھ ہندو بھی بھرتی کر لئے جاتے تھے۔ سلاطین دہلی کے زمانے میں نچلی ذات سے تعلق رکھنے والے جو مقامی لوگ مسلمان ہو جاتے تھے ان کا سماجی رتبہ بھی کم تر

تصور کیا جاتا تھا۔ اصل فرق مسلمان اور ہندو میں نہیں تھا بلکہ مقامی اور غیر مقامی میں تھا باہر سے آنے والے غیر ملکی افراد ہر حالت میں سماجی مرتبے کے اعتبار سے مقامی لوگوں کے مقابلے میں بلند تر سمجھے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ غیر ملکی ترک غلام کو پنجابی غلام پر برتری حاصل ہوتی تھی۔ ترک غلام ترقی کر سکتا تھا۔ بعد میں ان میں سے کئی ہندوستان کے بادشاہ بھی بنے۔ پنجابی غلاموں کا سماجی مرتبہ حقیر تھا اور ان کے سپرد ایسے کام کئے جاتے تھے جن میں محنت مشقت زیادہ کرنی پڑے۔

مغل دور میں خاص طور پر اکبر کے زمانے میں یہ کوشش کی گئی کہ دیسی لوگوں کو اونچے سرکاری عہدوں پر متعین کیا جائے۔ پر اس اقدام کی بااثر ترک اور ایرانی اہلکاروں اور مذہبی رہنماؤں نے مذمت کی۔ حقیقت یہ ہے کہ سلاطین دہلی کا عہد حکومت ہو یا مغل دور' ان کی بنیاد نسل پرستی پر استوار تھی۔ مغل دور میں جو تھوڑے سے دیسی لوگ اعلیٰ عہدوں تک پہنچ پائے وہ صرف ایسے لوگ تھے جنہوں نے غیر ملکی زبان اور ثقافت اپنائی تھی۔ سوچ بچار کے اعتبار سے وہ غیر ملکیوں سے بھی چار ہاتھ آگے تھے۔ اس کے باوجود ایسے لوگوں میں سے پنجاب کے صرف چار یا پانچ افراد اعلیٰ عہدوں تک ترقی کر سکے۔ ان میں سعد اللہ خان' وزیر خان' راجہ ٹوڈر مل اور آدینہ بیگ مشہور ہیں۔ ان میں سے تین آدمیوں کا تعلق چنیوٹ سے ہے۔

سعد اللہ خان چنیوٹ کے موضع پڑاکی کا تھیم جٹ تھا۔ اس نے لاہور میں عربی اور فارسی کی تعلیم حاصل کی اور پھر دہلی کی راہ لی۔ کچھ عرصہ بعد وہ شاہجہاں کا دیوان مقرر ہوا۔ اس نے سات ہزاری منصب پایا۔ حکیم علم الدین عرف وزیر خان شاہجہان کے دور میں پنجاب کا گورنر مقرر ہوا۔ اور نو برس تک اس عہدے پر فائز رہا۔ اس نے پانچ ہزاری منصب پایا۔ اسے شاہجہان کے دور کا سب سے قابل گورنر تصور کیا جاتا ہے۔ اس کے زمانہ میں پنجاب میں ہر طرف خوشحالی اور امن و امان کا دور دورہ رہا۔ یہ بھی چنیوٹ کا رہنے والا تھا۔ راجہ ٹوڈر مل کو کچھ مورخ چنیوٹی سمجھتے ہیں اور بعض اسے چونیاں ضلع قصور کا رہنے والا ٹنڈن کھتری کہتے ہیں۔ وہ حساب کتاب میں ماہر تھا اور محکمہ مال کا بندوبست بہتر طریقے سے کرنا جانتا تھا' نیز فن حرب سے بھی واقف تھا۔ وہ پہلے شیر

Scanned with CamScanner

شاہ سوری کا مشیر بنا- بعد میں اکبر کے دربار میں منصبدار بنا دیا گیا- شرق پور کے ارائیں آدینہ بیگ نے مغلوں کی نگاہ کرم کی وجہ سے نہیں بلکہ اپنی سیاسی چالوں کی بنا پر اعلیٰ عہدے تک رسائی حاصل کی-

سلاطین دہلی کے زمانے میں اور مغل دور میں بھی مقامی لوگوں میں یہ احساس ہمیشہ موجود رہا کہ یہ حکومت ان کی اپنی نہیں بلکہ غیر ملکیوں کی ہے کیونکہ ان ادوار میں سول اور فوجی افسر شاہی ایران' خراسان اور توران سے بھرتی کی جاتی تھی' مقامی آبادی کو نااہل' کند ذہن اور حکومت کا انتظام و انصرام کرنے کے ناقابل سمجھا جاتا تھا- وسط ایشیا اور ایران سے "اعلیٰ نسل" یا "حکمران نسل" کھیپ کی شکل میں ہر سال ہندوستان میں درآمد کی جاتی تھی- وہ لوگ دربار داری کے آداب جانتے تھے' دربار کی سازشوں' سمجھوتوں' گٹھ جوڑ اور گروہ بندی کے ماہر ہوتے تھے- حکمران طبقوں کی زبان' رہن سہن اور تہذیب و ثقافت سے آگاہ تھے- اسی مخصوص علم اور پینترے بازی کو اس زمانے کی سول اور ملٹری سروس کا ضروری نصاب تصور کیا جاتا تھا- مقامی آبادی محنت مشقت کر کے پیٹ پالتی تھی' انہیں صرف کھیتی باڑی' محنت مزدوری یا چھوٹی موٹی ملازمت کرنے کی اجازت تھی- کام کی سماجی تقسیم کر دی گئی تھی- ملکی باشندوں کے کرنے کے کام اور تھے اور غیر ملکیوں کے لئے اور- ہندو بنیا تجارت اور ساہوکاری بھی کرتا تھا اس طرح وہ معاشی طور پر امیر اور خوشحال تو ہو سکتا تھا لیکن سماج میں اس کا مرتبہ مقامی لوگوں کی طرح گھٹیا تصور ہوتا تھا-

پنجاب کا دفاع غیر ملکی حکمرانوں کے دور میں

پنجاب میں غیر ملکی حکومت کے قیام کے بعد پنجاب کے تحفظ کی ذمہ داری مقامی لوگوں کے ہاتھ میں نہ رہی- دہلی میں بیٹھا ہوا بادشاہ تمام صوبوں کی زرعی اراضی کا مالیہ وصول کرتا تھا- مالیہ کی وصولی کا مقصد رعایا کے مال و دولت اور عزت و آبرو کو لٹیروں کی دست برد سے بچانا اور بہتر طریقے سے سارے علاقے کا انتظام و انصرام کرنا ہوتا ہے-

پنجاب کا مالیاتی انتظام صوبیدار کے اور فوجی اور جنگی انتظامات فوجدار کے سپرد تھے جن کا تقرر دہلی کا سلطان یا شہنشاہ کرتا تھا- صوبیداروں اور فوجداروں کی تقرریاں مقامی رعایا یا ان کے پنچائتی سربراہوں اور سربرآوردہ لوگوں کے مشورے سے نہیں کی جاتی تھیں - بلکہ صرف "مضبوط مرکز" کے دائرہ اختیار میں آتی تھیں چنانچہ صوبیدار یا فوجدار علاقوں کے دفاع کے بارے میں صرف مرکز کو جوابدہ ہوتے تھے - آبادی کا کام مالیہ ادا کرنا تھا باقی کام بادشاہ جانے یا اس کا دربار-

دربار کی صورت حال مختلف ادوار میں مختلف ہوتی تھی- عام طور پر اکھاڑ پچھاڑ جاری رہتی تھی- بادشاہ کی وفات کے بعد وراثت کا کوئی ایسا قاعدہ قانون نہیں تھا جس کے مطابق عملدر آمد ہو اور ہر بات پہلے سے طے کر دی گئی ہو - ادھر بادشاہ نے آنکھیں بند کیں' ادھر اقتدار کے لئے شہزادوں کے درمیان خانہ جنگی شروع - صوبوں میں بھی صوبیدار اور فوجدار نئے بادشاہ کے ساتھ نئے رشتے استوار کرنے کے لئے پریشان ہوتے تھے - اکثر و بیشتر نئے بادشاہ نئے فوجدار اور صوبے دار مقرر کرتے تھے اس سے صوبوں کا حال خراب ہوتا تھا- جانشینی کے لئے جنگیں سلاطین دہلی کے زمانے میں بھی عام تھیں اور مغلوں کے راج میں بھی- کبھی کبھار کوئی بغیر جنگ کے بھی بادشاہ بن جاتا تھا- پر ایسا اتفاق بہت کم ہوتا تھا-

اگر بادشاہ دور اندیش اور درباری قابل ہوتے تو صوبے کے حملہ آوروں سے دفاع کے بہتر انتظامات ہوتے تھے - بادشاہ کمزور' عیاش اور درباری نااہل ہونے کی صورت میں صوبیدار اور فوجدار خود ڈاکوؤں اور لٹیروں کا روپ دھار لیتے تھے' مالیہ اپنی خواہش اور بڑھتی ہوئی ضرورتوں کے مطابق وصول کرتے تھے چاہے کسی کو بیوی بچے فروخت کر کے ادا کرنا پڑے - صوبیدار جب پایہ تخت میں جوڑ توڑ اور افراتفری کا عمل دیکھتے تو خود خط لکھ کر حملہ آوروں کو فتح ہندوستان کی دعوت دیتے- یا بیرونی حملہ آوروں کی فوجی طاقت دیکھ کر رعایا کو لٹنے کیلئے چھوڑ چھاڑ کر' مال و اسباب باندھ کر اہل و عیال سمیت دہلی کی طرف بھاگ جاتے تھے-

فوج کے مسئلے پر پنجابی بے بس ہوتے تھے - عام حالات میں منصبدار بوقت

Scanned with CamScanner

ضرورت فوج مہیا کرتا تھا - پانچہزاری منصبدار پانچ ہزار اور دس ہزاری منصبدار دس ہزار سپاہی فراہم کرنے کا پابند ہوتا تھا - انہیں اس مقصد کے لئے جاگیریں دی جاتی تھیں تاکہ وہ مالیہ اکٹھا کریں اور فوجی تیاریوں پر خرچ کریں - منصب دار مالیہ اپنے منصب کے مطابق وصول کرتے تھے ' لیکن بعض اوقات بجٹ کے پیش نظر کم تعداد میں سپاہی بھرتی کرتے تھے - یہ بات فرض کی جاتی تھی کہ بڑے حملے کی صورت میں شاہی فوج دہلی سے آکر پنجاب کا دفاع کرے گی ' لیکن کئی مرتبہ ایسا ہوتا کہ صوبیدار کی جانب سے فوجی امداد کے مطالبہ پر مطالبہ کرنے کے باوجود بادشاہ کے کان پر جوں تک نہ رینگتی - شہنشاہ کی فوج پنجاب کے دفاع کیلئے نہ پہنچتی اور حملہ آور پنجاب کی اینٹ سے اینٹ بجا کر دہلی کے دروازے تک پہنچ جاتے

ان حالات میں سلاطین اور مغل شہنشاہوں کے دور حکمرانی میں بیرونی حملہ آوروں کے خلاف جنگیں لڑنے یا نہ لڑنے کی تمام تر ذمہ داری غیر ملکی صوبیدار یا دہلی کے شہنشاہ کی ہوتی تھی - اس کے باوجود جب دفاع کیلئے کوئی نہ آتا تو پنجاب کی دیہی اور شہری آبادی لٹیروں کا خود مقابلہ کرتی - یہ مقابلہ دوبدو فوجی معرکہ آرائی کی شکل ہی اختیار نہ کرتا بلکہ نت نئے روپ دھارتا - پنجاب کی سرزمین پر آریا حملہ آوروں سے لے کر احمد شاہ ابدالی کی افواج سمیت کوئی ایسا لشکر نہیں گذرا جس کا پنجاب کے لوگوں نے قدم قدم پر مقابلہ نہ کیا ہو اور اسے زچ نہ کیا ہو

حملہ آوروں کا زیادہ تر مقصد لوٹ مار ہوتا تھا جن علاقوں کے لوگ بے چون وچرا ان کے مطالبے پورے کر دیتے تھے وہاں سے وہ مال غنیمت باندھ کر آگے بڑھ جاتے - لیکن جہاں بھی مقامی آبادی نے مطالبے تسلیم کرنے سے انکار کیا اور قلعہ بند ہو کر یا گوریلا طور طریقے اپنا کر مقابلہ کرنے کی ٹھانی لٹیروں نے ان بستیوں میں قتل عام کیا ' انسانی سروں کے مینار کھڑے کئے ' شہروں اور دیہاتوں کو جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا ڈالا اور پھر اس پر ہل چلا کر آبادی کا نام و نشان تک مٹا ڈالا ' عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیا - پنجاب کی تاریخ میں جہاں کہیں حملہ آوروں کی طرف سے لوٹ مار کرنے ' آگ لگانے یا قتل عام کا ذکر ملتا ہے اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہاں کی پنجابی آبادی نے حملہ آور کے مطالبات

تسلیم کرنے سے انکار کر کے مقابلے کی ٹھانی ' جنگ لڑی اور سزا پائی

نادر شاہ کا حملہ اور پنجاب کی حالت زار

نادر شاہ افشار خراسان کا ترکمان تھا - اس نے ایران کے تخت پر قبضہ کرنے کے بعد اپنے دائیں بائیں ہر طرف غارتگری کا سلسلہ شروع کر دیا - اس کی زندگی کا ایک مقصد افغانوں کی قوت کا خاتمہ کرنا بھی تھا - اس مقصد کے حصول کے لئے اس کی غارت گری اور لوٹ مار کا بڑا مرکز وہ علاقہ بنا جسے آج افغانستان کہا جاتا ہے -

ادھر دہلی کے تخت پر محمد شاہ رنگیلا بیٹھا رنگ رلیاں منانے میں مصروف تھا - وہ امور سلطنت سے یکسر بے خبر اور لاپرواہ ہو کر عیش و عشرت کے نت نئے طریقے دریافت کر رہا تھا - ناراض امراء کے ایک دھڑے نے جب سنا کہ ایران میں ایک نیا بلا کو خان پیدا ہوا ہے تو انہوں نے محمد شاہ رنگیلا سے انتقام لینے کے لئے نادر شاہ کو ہندوستان پر حملہ کرنے کا دعوت نامہ ارسال کیا

افغانستان کے کچھ افغان سردار نادر شاہ کے ظلم و ستم اور چیرہ دستیوں سے پناہ حاصل کرنے کے لئے ہندوستان آ گئے تھے - نادر شاہ کو بہانہ مل گیا - اس نے محمد شاہ سے مطالبہ کیا کہ ان امراء کو اس کے حوالے کرے اور ہندوستان کے علاقے میں آئندہ افغانوں کے داخلے پر پابندی عائد کرے - اس کے بعد جواب حاصل کئے بغیر نادر شاہ نے اپنا لشکر لے کر ہندوستان پر حملہ کر دیا

نادر شاہ کی فوج لٹیروں کا بہت بڑا اجتماع تھا - دوسری جنگ عظیم میں جس طرح کی فوج فیلڈ مارشل منٹگمری کی کمان میں لڑی نادر شاہ کی کمان میں ہندوستان پر حملہ آور ہونے والی افواج بھی ایک لحاظ سے ویسی ہی تھی - اس رنگ برنگی فوج میں بھی بے شمار جنگجو نسلوں کے دستے شامل تھے - سوا لاکھ گھڑ سواروں پر مشتمل اس لشکر میں وسط ایشیا کے خونخوار قزلباش بھی تھے ' جارجیا کے گرجستانی لٹیرے بھی شامل تھے ' خراسانی اور بلخی شمشیر زن بھی تھے - غزنی ' کابل ' جلال آباد اور پشاور کو لوٹنے کے بعد جب نادر شاہ

Scanned with CamScanner

اٹک پہنچا تو اس نے محمد شاہ رنگیلے کو خط لکھا جس کے الفاظ یہ ہیں۔

"عالی جناب کے روشن دماغ میں یہ بات واضح ہونی چاہئے کہ میرا کابل آنا' اس پر حملہ کرنا اسلام سے محبت اور آپ کی دوستی کا نتیجہ ہے ... علی مرتضیٰ کی قسم ماسوائے آپ کی دوستی اور مذہبی تقاضے کے نہ تو میرا کوئی اور مقصد تھا اور نہ ہے۔ آپ مانیں یا نہ مانیں میں پہلے بھی آپ کے خاندان کا دوست تھا اور اب بھی ہوں"۔

اٹک سے جہلم پہنچنے کے دوران اسلام کے اس خود ساختہ محافظ اور علمبردار نے ہر طرف تباہی پھیلا دی۔ وسط ایشیا سے آنے والے ان ننگے بھوکے سپاہیوں نے جی بھر کے ہر طرف لاشوں کے انبار لگائے اور آتش زنی کرتے چلے گئے۔ جہلم کو عبور کرنے کے بعد جب وہ خوشحال آبادی نظر آئی تو انہوں نے جلد از جلد لاہور پہنچنے کے لئے دوڑ لگا دی۔ یہاں تک کہ چناب پر کشتیاں تیار ہونے کا انتظار کئے بغیر گھوڑوں کی پیٹھ پر بیٹھے دریا پار کر لیا۔ اس زمانے کے ایک مصنف مرزا مہدی کے مطابق نادر شاہ کا لشکر "بحر بے کنار کی طرح غضبناک اور اس کی لہروں کی طرح تباہ کن تھا"۔

لاہور کے ترک گورنر زکریا خان نے محمد شاہ رنگیلے کو صورت حال سے آگاہ کیا اور فوجی امداد بھیجنے کی درخواست کی۔ لیکن محمد شاہ نے درخواست کا جواب دینے کی زحمت بھی نہ کی۔ مجبوراً زکریا خان نے اپنے ایک جرنیل قلندر خان کو دس ہزار سواروں کے ہمراہ ایمن آباد میں نادر شاہ کی یلغار کو روکنے کیلئے بھیجا۔ یہ فوجی دستہ سیلاب کے آگے ریت کی دیوار ثابت ہوا۔ ایک ہی شبخون میں نادر شاہ نے اس کا صفایا کر کے قلندر خان کا سر قلم کر دیا

زکریا خان جو لاہور سے بیس کوس باہر فوج لے کر مقابلے کیلئے آیا تھا قلندر خان کی شکست اور ہلاکت کی اطلاع ملتے ہی واپس آ کر قلعہ بند ہو گیا۔ نادر شاہ نے ایمن آباد کو تباہ کرنے کے بعد لاہور تک کے تمام دیہات اور قصبے لوٹ لئے اور ان میں بسنے والوں کو تہہ تیغ کر دیا۔ اس کی فوج کے ہراول دستے نے لاہور کے سامنے ڈیرے ڈال دئے۔ چار روز بعد نادر شاہ دریائے راوی عبور کر کے شالامار باغ میں خیمہ زن ہو گیا۔ زکریا خان دو دن تک قلعہ میں بند رہا لیکن جب اس نے نادر شاہ کی خونخواری اور لوٹ مار کی خبریں

سنیں نیز اس کے لشکر کے تیور دیکھے تو نادر شاہ کے دربار میں حاضر ہو کر ہاتھی تحفے میں پیش کئے اور بیس لاکھ روپے تاوان ادا کر کے جان چھڑائی۔ تاوان کا کچھ حصہ لاہور کے شہریوں نے اکٹھا کیا باقی زکریا خان کے خزانے سے ادا کیا گیا۔ نادر شاہ تاوان وصول کر کے دہلی لوٹنے کے ارادے سے آگے بڑھ گیا۔

دہلی کی لوٹ مار اور قتل عام ایک علیحدہ موضوع ہے۔ جب نادر شاہ نے اس سارے کام سے فارغ ہو کر واپس جانے کی ٹھانی تو لاہور کے حاکم کو کہلا بھیجا کہ ایک کروڑ روپے مزید تاوان کے طور پر ادا کرے۔ نادر شاہ آیا تو لاہور کے راستے سے تھا اب چونکہ وہاں لوٹنے کے لئے باقی کچھ نہیں رہا تھا اس لئے واپسی کے لئے سیالکوٹ کے راستے کا انتخاب کیا تاکہ اس علاقے کے لوگ بھی اس کی مہربانیوں سے محروم نہ رہیں۔ اس جانب بھی اس نے لوٹ مار کا بازار گرم کیا اور جس راہ سے اس کا گذر ہوا لاشوں کے انبار اور جلتی ہوئی بستیاں چھوڑتا چلا گیا۔ پنجاب کے لوگوں کو لٹیروں کے سیلاب کے آگے بند باندھنے کی یہ قیمت ادا کرنی پڑی

مشہور شاعر علی حیدر نے پنجاب کو لٹتا دیکھ کر درد بھری آواز میں کہا تھا

ب۔ بھئی زہر کھا مرن کجھ شرم نہ ہندوستانیاں نوں
کجھ حیاء نئیں ایہناں راجیاں نوں' کجھ لج نئیں تورانیاں نوں
بھیڑے بھر بھر دیون خزانے فارسیاں نوں' خراسانیاں نوں
ملے تاں کھا کٹاری مرو' جے سکونہ مار ایرانیاں نوں
حیدر آکھ توں ایہناں ہجڑیاں نوں ایہناں حیضاں نار رانیاں نوں
ایہہ ایرانی نادر ظالم ظلم کنو موں نہ منگدے نیں
مینڈھے دل دی ولی لئی حیدر ہور کی ساتھوں منگدے نیں

احمد شاہ ابدالی کے حملے اور پنجاب کے عوام

کھادا پیتا لاہے واتے باقی احمد شاہے دا

Scanned with CamScanner

احمد شاہ ابدالی افغان قوم کا ہیرو تو ہے کیونکہ اس نے دنیا کے نقشے پر پہلی مرتبہ افغانستان کی بنیاد رکھی لیکن وسط ایشیا کے حملہ آوروں کی طرح وہ بھی پنجاب کے عوام کے لئے ایک لٹیرا ہی ثابت ہوا۔

احمد شاہ نے بائیس سالوں میں پنجاب کے راستے ہندوستان پر نو حملے کئے اور جو ہاتھ لگا کابل لے گیا۔ اسی لئے یہ کہاوت زبان زدعام ہو گئی کہ "کھادا پیتا لاہے دا تے باقی احمد شاہے دا"۔ کچھ تو اس کی افواج نے لوٹا اور کچھ وہ جنگی تاوان کی شکل میں یہاں سے سمیٹ کر لے گیا۔ لوگوں کی صدیوں کی جمع پونجی ان نو حملوں میں کابل اور قندھار کے بازاروں میں فروخت ہوئی۔ ابدالی کی لوٹ مار کی شہرت کا یہ عالم تھا کہ جب بھی وہ لشکر لے کر پنجاب کی طرف روانہ ہوتا تھا پٹھانوں کے بھوکے ننگے خونخوار قبیلے لوٹ مار کی غرض سے اس لشکر میں شامل ہو جاتے۔ یہ قبیلے ان پہاڑی اور بادانی علاقوں کے باشندے تھے جہاں کھیتی باڑی نہ ہونے کے برابر تھی۔ اور لوٹ مار کے بغیر زندہ رہنا دشوار تھا۔ لوٹ مار کو روزگار کا مسلمہ ذریعہ سمجھا جاتا تھا

اس زمانے میں دلی کا بادشاہ شب و روز شراب کباب، گانے بجانے اور ہزاروں کنیزوں کے ساتھ "اختلاط" فرمانے میں مصروف رہتا تھا پنجاب کے ترک گورنر شاہنواز خان نے اپنے بھائی یحییٰ خان کو جو دہلی کے وزیر قمرالدین خان کا داماد تھا لاہور کی گورنری سے برور معزول کر کے جیل میں بند کر دیا تھا مگر یحییٰ خان وفادار ملازموں کی مدد سے فرار ہو کر اپنے سسر کے پاس دہلی بھاگ گیا۔ شاہنواز کو فکر دامنگیر ہوئی کہ مبادا قمرالدین خان اسے گورنری سے معزول کرنے کے علاوہ سزا نہ دے، شاہنواز نے براہ راست احمد شاہ ابدالی کو خط لکھ بھیجا کہ اگر تم ہندوستان فتح کر لو تو "تم بادشاہ اور میں وزیر" دہلی پکے ہوئے آم کی طرح تمہاری جھولی میں گرنے کے لئے تیار ہے۔

احمد شاہ ابدالی نے جو پہلے ہی کسی ایسے بہانے کا منتظر تھا ۱۷۴۷ء میں لاہور پر چڑھائی کی۔ تب تک شاہنواز کا ارادہ تبدیل ہو چکا تھا۔ لہٰذا ابدالی کو خوش آمدید کہنے کی بجائے اس نے احمد شاہ ابدالی کا مقابلہ کرنے کا تہیہ کر لیا۔ مگر شکست کھا کر دہلی بھاگ گیا۔

احمد شاہ ابدالی نے پہلے لاہور کے مضافات میں واقع مغلوں کے "سول لائنز ایریا" مغلپورہ اور بیگم پورہ کو لوٹا۔ یہ علاقہ اس دور کے درباری امراء کے محلات اور حویلیوں پر مشتمل تھا جو لاہور کی تنگ و تاریک گلیاں چھوڑ کر یہاں آباد ہو گئے تھے۔ مذکورہ علاقے اور بستیاں اس زمانے کے گلبرگ، گارڈن ٹاؤن اور ماڈل ٹاؤن تھے۔ احمد شاہ ابدالی کو اس علاقے کی لوٹ مار سے اتنا سازو سامان ہاتھ لگا کہ مزید لوٹ مار کا سامان اٹھانے کے لئے سواریاں نہ رہیں۔ اس کے بعد احمد شاہ ابدالی نے بے گناہ شہریوں سے تیس لاکھ روپے تاوان یعنی ڈاکو ٹیکس وصول کیا اور دہلی کی راہ لی۔ سرہند کے نزدیک مغلوں اور ابدالی کی افواج میں مقابلہ ہوا۔ مغل فوج کا سپہ سالار قمرالدین خان توپ کا گولہ لگنے سے ہلاک ہو گیا۔ لیکن اس کے بیٹے میر منو کی کمان میں مغل لشکر نے درانیوں کی تکہ بوٹی کر دی اور وہ شکست کھا کر کابل بھاگ گئے۔

دو سال کے بعد یعنی ۱۷۴۹ء میں احمد شاہ ابدالی پنجاب پر دوسری مرتبہ حملہ آور ہوا۔ اس حملے کا اس کے پاس کوئی بہانہ نہیں تھا، سوائے اس کے کہ وہ پچھلی شکست کا بدلہ چکانا چاہتا تھا۔ پنجاب کے نئے گورنر میر منو نے سودھرا کے قریب ابدالی فوج کا مقابلہ کیا۔ لیکن اس مرتبہ اسے شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ اب پنجاب کو لوٹ مار سے بچانے اور اپنی گورنری قائم رکھنے کا میر منو کے پاس ایک ہی راستہ تھا، یعنی لٹیروں کا مطالبہ مان لیا جائے۔ مطالبہ یہ تھا کہ سیالکوٹ، ایمن آباد، پسرور اور اورنگ آباد کا مالیہ ہمیشہ کے لئے احمد شاہ ابدالی کے نام کر دیا جائے۔ مجبور ہو کر میر منو نے یہ مطالبہ تسلیم کر لیا۔

۱۷۵۱ء میں ابدالی نے پنجاب پر تیسرا حملہ کیا۔ اب کی مرتبہ حملہ کرنے کا یہ جواز گھڑا گیا کہ چار محل کا مالیہ میر منو دینے سے منکر ہو گیا ہے۔ اس حملے کا لاہور کے شہریوں نے بہادری سے مقابلہ کیا۔ ابدالی کی فوج چار ماہ تک لاہور کے چاروں اطراف سے ناکہ بندی کئے پڑی رہی۔ لاہور کے لوگوں نے چار ماہ تک ہتھیار نہیں ڈالے لیکن جب کھانے کے لئے کوئی چیز باقی نہ بچی اور گھوڑوں کے چارہ کے لئے سوکھے چھپر رہ گئے تب انہوں نے شہر سے نکل کر مقابلہ کرنے کا تہیہ کیا۔ اس سارے عرصہ میں دہلی دربار نے جس کے سپرد پنجاب کا دفاع تھا لاہور کے گورنر کی کوئی مدد نہ کی۔ آخر راوی پر محمود بوٹی

Scanned with CamScanner

گکوں کے قریب لاہور کی افواج ابدالی کے لشکر سے نبرد آزما ہوئیں - اس جنگ میں میر منو کو شکست ہوئی - اس نے اگلے پچھلے ٹیکس ادا کرنے کا وعدہ کر کے جان بچائی ٹیکس تو صوبے کے عوام نے ہی ادا کرنے تھے -

۱۷۵۶ء میں ابدالی کا عذاب چوتھی مرتبہ اہل پنجاب پر نازل ہوا تب تک میر منو کا انتقال ہو چکا تھا - اس کی بیوہ کو دہلی دربار نے معزول کر دیا تھا - سو اس نے انتقام لینے کیلئے ابدالی کو خط لکھا کہ - "شاہجہان آباد میں کروڑوں روپے کا مال و اسباب دفن ہے 'نیز میر منو کے والد قمر الدین خان کی حویلی میں بھی سونے چاندی کے ڈھیر دفن ہیں 'بادشاہ عالمگیر ثانی اور اس کے درباریوں میں شدید پھوٹ ہے"

مذکورہ خط پنجاب پر حملہ کرنے کیلئے ابدالی کے ہاتھ گھڑا گھڑایا بہانہ بن گیا - جس طرح چیل گوشت پر جھپٹتی ہے اسی طرح ابدالی پنجاب پر نازل ہوا اور اسے لوٹتا ہوا دہلی تک جا پہنچا - وہاں جی بھر کر لوٹ مار کی - واپس لوٹتے وقت اس نے اپنے بیٹے تیمور شاہ کو لاہور کا گورنر اور اپنے مشہور جرنیل جہان خاں کو اس کا مشیر مقرر کیا یہ وہی جہانخان ہے جسے پنجابی عوام "جہانا" کے نام سے پکارتے تھے -

پنجاب کا دفاع کرنا دہلی کے بس کی بات نہیں تھی - اور لاہور پر احمد شاہ ابدالی کا بیٹا قابض ہو گیا تھا - اب پنجاب میں دو نئی طاقتیں ابھریں جنہوں نے افغان حکمرانوں کا جینا حرام کر دیا - پہلی قوت سکھوں کی تھی اور دوسری آدینہ بیگ کی - دونوں پنجابی قوتیں تھیں -

لاہور پر قبضہ کرنے کے بعد تیمور شاہ اور اس کے جرنیل جہاں خان نے سکھوں کے خلاف جنگ کو مذہبی جنگ کا رنگ دیا - افغان فوج نے سکھوں کے شہر امرتسر پر حملہ کیا اور ان کے قلعے کو برباد کر دیا - دربار صاحب کے تالاب میں مٹی ڈال کر اسے بھر دیا - گوردوارہ میں گندگی پھینک کر اس کی بے حرمتی کی گئی - اس کے نتیجے میں ہر جانب سے سکھ اکٹھے ہونا شروع ہو گئے - انہوں نے اتنی قوت حاصل کر لی کہ افغان فوج کو شکست دے دی - جہاں خان گھوڑے سے گرا اور مرتے مرتے بچا - افغان فوج قلعہ بند ہو گئی - سکھوں نے لاہور کا محاصرہ کر کے افغانوں کو مضافات سے مالیہ اکٹھا کرنے

سے روک دیا -

تب تک شرقپور کا ارائیں آدینہ بیگ پٹواری سے ترقی کرتا ہوا فوجدار بن گیا تھا - وہ ابدالی کے پنجاب پر تیسرے حملے کے وقت لاہور کی فوج میں شامل تھا - آدینہ بیگ نے جب دیکھا کہ حالات سازگار ہیں تو اس نے جالندھر دوآب میں پنجابی فوج اکٹھا کرنی شروع کر دی اور مقامی سربرآوردہ لوگوں کو افغان حکمرانوں کے ظلم و ستم کے خلاف جدوجہد کرنے کے لئے اپنے ساتھ شامل کر لیا - پھر جالندھر کے افغان حاکم سرفراز خان کا محاصرہ کر لیا اور اسے شکست دے کر آگے بڑھا - آدینہ بیگ بہت شاطر انسان تھا اس نے مرہٹوں کو ساتھ ملا کر ابدالی کے لڑکے اور اس کے جرنیل کو لاہور سے بھگانے کا فیصلہ کیا پنجابی اور مرہٹہ لشکر نے جب لاہور کا رخ کیا تو تیمور شاہ کو تشویش نے آن گھیرا - اس لشکر کے لاہور پہنچنے سے پہلے ہی تیمور شاہ اور جہانخاں نے ہیرے' جواہرات اور دیگر مال و دولت کی گٹھریاں باندھیں اور بال بچوں سمیت کابل کی طرف راہ فرار اختیار کی - آدینہ بیگ نے افغان بھگوڑوں کا پیچھا کیا اور انہیں اٹک پار کرا کے لوٹا - پنجاب کی بے آسرا مقامی آبادی کا یہ ایک طرح کا بدلہ تھا جو انہوں نے لٹیروں سے لیا -

۱۷۵۹ء میں ابدالی نے پنجاب پر پانچواں حملہ کیا - اس مرتبہ اس کا مقابلہ پنجاب کے سکھوں کے ساتھ ہوا - لاہور سے باہر لڑی جانے والی اس جنگ میں سکھوں نے دو ہزار افغانیوں کو قتل کیا اور جہانے کو بھی زخمی کر دیا لیکن اس کے باوجود میدان ابدالی کے ہاتھ میں رہا اور اس نے لاہور پر قبضہ کر لیا - وہ کریم داد خان کو لاہور کا گورنر مقرر کر کے خود مرہٹوں کے خلاف جنگ لڑنے کے لئے پانی پت کی طرف روانہ ہوا -

اس دوران پنجاب میں سکھ مضبوط ہو گئے لاہور کے گورنر کیلئے ان کا مقابلہ کرنا دشوار ہو گیا - اسی وجہ سے یکے بعد دیگرے کئی افغان امیروں نے لاہور کی گورنری سے استعفیٰ دے دیا - سکھ سرداروں نے لاہور پر قبضہ کر لیا - لیکن یہ اقتدار صرف گیارہ دنوں تک قائم رہا -

افغانستان میں بغاوت کی خبریں سن کر ۱۷۶۱ء میں احمد شاہ کابل کو واپس ہوا - اٹک تک سارے راستے سکھ اس کی فوج پر چھوٹے چھوٹے گروہوں کی شکل میں حملے

Scanned with CamScanner

کرتے رہے۔

۱۷۶۲ء میں ابدالی نے پنجاب پر پھر حملہ کیا پچھلے ایک سال کے عرصے میں سکھوں نے ابدالی کے مقرر کئے ہوئے صوبیداروں کے خلاف ہر طرف بغاوت کی آگ بھڑکائے رکھی تھی۔ جب سکھ فوج احمد شاہ کو اٹک تک پہنچا کر پلٹی تھی تو اس نے ابدالی کے چار محل کے گورنر خواجہ مرزا جان کو شکست دے کر ہلاک کر دیا تھا۔

اس عرصہ میں ایک اور افغان جرنیل بھی پنجابیوں کے ہاتھوں مارا گیا۔ اس کا نام نور الدین بامے زئی تھا۔ اسے پنجابیوں کو سزا دینے کے لئے قندھار سے بھیجا گیا تھا اور اس نے آتے ہی بھیرہ، میانی اور چک ساہو کے قصبوں پر حملہ کر کے انہیں آگ لگا دی تھی۔ نور الدین بامے زئی جب آگے بڑھا تو گوجرانوالہ کے قریب اس کا آمنا سامنا سردار چڑھت سنگھ سکر چکیہ سے ہوا۔ نور الدین کو شکست ہوئی اور وہ میدان جنگ سے فرار ہو کر سیالکوٹ میں قلعہ بند ہو گیا۔ اردگرد کی آبادی نے اس کا دانا پانی بند کر دیا۔ افغان محصور فوج اور ان کے گھوڑے جب بھوکے مرنے لگے تو نور الدین رات کی تاریکی میں جموں کی طرف فرار ہو گیا۔ افغان فوج نے سکر چکیہ سردار کے سامنے ہتھیار ڈال دئے۔ اس نے افغان فوجیوں کو پٹھانوں کی ریت کے برعکس امن و امان کے ساتھ اپنے اپنے گھروں کو لوٹ جانے کی اجازت دے دی۔

ابدالی کی جانب سے مقرر کئے گئے لاہور کے گورنر خواجہ عبیداللہ خان کو جب یہ اطلاعات پہنچیں تو اس نے گوجرانوالہ پر چڑھائی کر دی۔ افغان فوج کے مقابلے میں سکھ سردار اکٹھے ہو گئے۔ جسا سنگھ اہلووالیہ، ہری سنگھ بھنگی، جے سنگھ کانہیا، لہنا سنگھ، سوبھا سنگھ اور گوجر سنگھ متحد ہو گئے۔ خواجہ عبیداللہ خان کے لشکر میں شامل مقامی لوگ بھی باغی ہو کر اس کا ساتھ چھوڑ گئے۔ افغان گورنر پریشانی کے عالم میں سارا توپ خانہ چھوڑ کر میدان جنگ سے بھاگ نکلا اور لاہور میں قلعہ بند ہو گیا۔

سکھ سرداروں نے لاہور پر قبضہ کر کے جسا سنگھ اہلووالیا کے حاکم ہونے کا اعلان کر دیا اور اس کے نام کا سکہ جاری کر دیا۔ اس کام سے فارغ ہو کر انہوں نے جالندھر دوآب سے افغان صوبیدار اور فوجداروں کو نکال کر سارے علاقے پر قبضہ کر لیا۔ اس طرح

اٹک سے لے کر ستلج کے کنارے تک پنجاب کا سارا علاقہ سکھوں کے قبضے میں آ گیا۔ ابدالیوں کے قبضے میں اکا دکا قصبے رہ گئے۔ ان میں سے ایک قصبہ جنڈیالہ تھا جو امرتسر کے قریب واقع ہے۔ عاقل داس ہندو ابدالی کی جانب سے یہاں کا حاکم مقرر تھا۔ جب سکھ فوج نے عاقل داس کی سرکوبی کا ارادہ کیا تو اس نے ابدالی سے مدد کیلئے درخواست کی۔

"وڈا گلو گھاڑا" عظیم قتل عام۔

احمد شاہ ابدالی کی فوج کے پہنچنے پر سکھوں نے جنڈیالہ کا محاصرہ اٹھا لیا اور ستلج کے پار اتر گئے۔ ان کا ارادہ عورتوں اور بچوں کو جنگل میں محفوظ کرنے کے بعد پلٹ کر ابدالی کا مقابلہ کرنا تھا۔ لیکن ابدالی کی فوج نے انہیں اتنی مہلت نہ دی اور ان کا تعاقب شروع کر دیا۔ تیس ہزار کے قریب سکھ عورتوں اور بچوں کو بچانے کے لئے اپنے حصار میں لئے حملہ آوروں کا مقابلہ کرتے آہستہ آہستہ پیچھے ہٹتے گئے۔ چھتیس گھنٹے تک جاری رہنے والی یہ لڑائی ڈیڑھ سو میل کے علاقے میں لڑی گئی جس میں سکھوں کا بڑا جانی نقصان ہوا۔ بچوں اور عورتوں کی حفاظت کرتے ہوئے اس لڑائی میں دس ہزار سکھ جن میں اکثریت عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کی تھی مارے گئے۔ اس واقع کو سکھوں کی تاریخ میں "وڈا گلو گھاڑا" یعنی عظیم قتل عام کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

یہاں سے احمد شاہ ابدالی امرتسر کی طرف لوٹا۔ اس نے سکھوں کے سب سے مقدس گوردوارے یعنی ہرمندر کو بارود سے اڑا دینے کا حکم دیا اور اردگرد کی عمارتیں بھی مسمار کرا دیں۔ سکھوں کا مقدس تالاب انسانوں اور مویشیوں کے گوشت، ہڈیوں اور گندگی سے بھر دیا گیا۔ اسی ہرمندر کی ایک اینٹ بارود کے زور سے اڑ کر احمد شاہ ابدالی کی ناک پر لگی اور اسے زخمی کر دیا۔ وہ شوگر کا مریض تھا۔ ناک کے اس زخم میں آخری زمانے میں کیڑے پڑ گئے۔ یہ زخم بھی اس کی موت کا ایک سبب بنا۔ احمد شاہ نے لوگوں کو خوفزدہ کرنے کے لئے سکھوں کے سروں سے بھرے ہوئے پچاس چھکڑے لاہور روانہ کئے

Scanned with CamScanner

سفاکی کے اس مظاہرے کے باوجود احمد شاہ سکھوں میں خوف پیدا نہ کر سکا بلکہ الٹا ان کے دلوں میں بدیسی حکمرانوں کے خلاف نفرت اور حقارت میں اضافہ ہو گیا- سکھ پھر سے اکٹھے ہونے لگے بڑے گھلو گھاڑے کے سانحہ کے تین ماہ کے اندر اندر سکھ اس قدر طاقت ور ہو گئے کہ سرہند کے افغان صوبیدار کو ان کے ہاتھوں شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ جسا سنگھ اہلو والا' اور تارا سنگھ گھیبانے جالندھر دو آب پر قبضہ کر لیا- چڑھت سنگھ سکر چکیہ اور بھنگی سرداروں نے راوی سے جہلم تک کے علاقے میں اپنا اثر و رسوخ بڑھا لیا- دیوالی کے مہینے میں کوئی ساٹھ ہزار مسلح سکھ سوار اور پیادے امرتسر کے گرد جمع ہو گئے- ان کا مقصد گھلو گھاڑے کا بدلہ لینا تھا-

امرتسر کے قریب سکھوں اور احمد شاہ ابدالی کے درمیان لڑائی ہوئی جو فیصلہ کن ثابت نہ ہوئی- احمد شاہ لاہور واپس چلا گیا اور سکھوں نے جنگلوں کی راہ لی- احمد شاہ نے سکھوں سے بات چیت کے لئے قاصد روانہ کئے مگر سکھوں نے قاصدوں سے بات چیت کرنے کی بجائے ان کے پاس جو کچھ تھا چھین کر انہیں لاہور بھیج دیا- احمد شاہ ابدالی سکھوں کا صفایا کرنے میں ناکام ہو کر مایوسی کے عالم میں قندھار لوٹ گیا-

ابدالی کے قندھار لوٹتے ہی سکھوں نے قصور کے پٹھان حاکم عثمان خان کو قتل کر کے شہر پر قبضہ کر لیا- چڑھت سنگھ کے ہاتھوں افغان فوجدار سربلند خان کو شکست کا صدمہ برداشت کرنا پڑا- اسی طرح جہانخاں بھی سکھوں کے ہاتھوں ہزیمت سے دو چار ہوا- ۱۷۶۳ء میں سکھوں نے لاہور پر قبضہ کر کے افغان صوبیدار کو ہلاک کر دیا- ان پیہم کامیابیوں سے سکھوں کا عمل دخل ملتان سے ڈیرہ جات تک پھیل گیا

پنجاب میں سکھوں کی دن بدن بڑھتی ہوئی فوجی طاقت غیر ملکی لٹیروں کے لئے ایک چیلنج کی حیثیت رکھتی تھی- احمد شاہ ابدالی نے سکھوں کے خلاف جہاد کا اعلان کر دیا اور بلوچ سردار امیر نصیر خان سے مل کر سکھوں کی فوجی طاقت کا شیرازہ منتشر کرنے کا فیصلہ کیا اس نے جہاد کے اعلان کی آڑ میں پٹھان اور بلوچ افواج کے ساتھ پنجاب پر چڑھائی کر دی- لیکن اس مرتبہ پھر اسے پنجابی فوج کے ہاتھوں منہ کی کھانا پڑی اور وہ سکھوں کی فوجی طاقت کو خاک میں ملانے کی حسرت دل میں لئے قندھار لوٹ گیا-

۱۷۶۶ء میں احمد شاہ ابدالی نے پنجاب پر آٹھواں حملہ کیا- اس وقت لاہور سکھوں کے قبضے میں تھا- دونوں افواج کے درمیان پہلا مقابلہ رہتاس میں ہوا- سکھ جہلم، گجرات اور سیالکوٹ ہر جگہ افغان فوجوں پر حملے کرتے رہے- وہ چونکہ گوریلا جنگ کے ماہر تھے اس لئے لاہور کے قلعہ میں محصور ہو کر لڑنے کی بجائے لاہور شہر سے نکل کر اطراف میں بکھر گئے اور موقع پا کر افغان فوج کو پریشان کرتے رہے

احمد شاہ ابدالی سکھوں کی فوجی حکمت عملی سے عاجز آ گیا اور اب جہاد کی بجائے سکھ سردار لہنا سنگھ کو پنجاب کی صوبیداری کی پیشکش کی اور اُسے دربار میں آنے کا پیغام بھیجا- لہنا سنگھ نے اس پیشکش کو ٹھکراتے ہوئے کہلا بھیجا کہ وہ اپنی قوم کی آبرو کا سودا کرنے کے لئے تیار نہیں- احمد شاہ ابدالی لاہور سے روانہ ہو کر پہلے امرتسر اور پھر جنڈیالہ پہنچا- سکھ ٹولیوں کی شکل میں اس کی فوج پر عقب سے حملے کرتے رہے- احمد شاہ نے زچ ہو کر سکھ سرداروں کو پیغام بھیجا کہ "اگر وہ اس کی ملازمت میں آنا چاہیں تو وہ انہیں خوش آمدید کہے گا اور اگر لڑنا ہی چاہتے ہیں تو کھلے میدان میں اس کا مقابلہ کریں" سکھوں نے دونوں تجویزیں مسترد کر دیں وہ لڑنا چاہتے تھے مگر اپنے طریقے کے مطابق-

امرتسر کے قریب سکھوں نے لڑائی کے دوران ایک مرتبہ پھر جہان خان کو شکست بھی دی اور زخمی بھی کر دیا- پھر چاروں طرف سے افغان فوج پر حملوں کا سلسلہ جاری رکھا- سکھ لشکر نے امیر نصیر خان بلوچ کو شکست دے کر اس سے احمد شاہ ابدالی کا ساز و سامان چھین لیا-

اب حالت یہ ہو چکی تھی کہ سارے پنجاب میں احمد شاہ ابدالی کا اقتدار صرف اس قطعہ زمین تک محدود تھا جہاں اس کے فوجی خیمہ زن ہوتے تھے- اس صورت حال کے نتیجے میں ابدالی کی فوج میں بد امنی شروع ہو گئی اور پانچ ہزار سپاہی اجازت کے بغیر پاکپتن کے راستے افغانستان کی طرف روانہ ہو گئے- فوج میں عام بغاوت کے خوف سے ابدالی نے قندھار واپس جانے کا اعلان کر دیا- اور اس طرح پنجاب کے عوام کو اس سے نجات ملی-

پنجاب پر دشت قبچاق سے نازل ہونے والی بلائیں

فارسی شاعری کی تاریخ میں دو مرثیے سب سے اعلیٰ اور خوبصورت سمجھے جاتے ہیں اور ان دونوں کا تعلق دشت قبچاق کے منگول حملہ آوروں کی تباہ کاریوں اور انسانی قتل عام سے ہے پہلا مرثیہ مشہور فارسی شاعر سعدی شیرازی کا ہے جو اس نے ہلاکو خان کے حملے کے بعد بغداد کی تباہی پر خون کے آنسو بہاتے ہوئے لکھا تھا

آسمان راحق بود گر خون بپارد بر زمین
بر زوال ملک مستعصم امیرالمومنین

دوسرا مرثیہ ہندی اور فارسی کے مشہور شاعر اور فن موسیقی کے عالم امیر خسرو کا ہے جو اس نے بلبن کے بیٹے شہزادہ محمد کی دریائے راوی کے کنارے منگولوں کے ہاتھوں شہادت پر لکھا تھا

واقعہ است ایں یا بلا کز آسمان آمد پدید
آفت است ایں یا قیامت در جہاں آمد پدید

پنجاب کے عوام پر تیرھویں اور چودھویں صدیاں بہت بھاری تھیں – ان صدیوں میں تقریباً" ڈیڑھ دو سو سال تک درہ خیبر کے راستے منگول پنجاب کی سرزمین پر قہر بن کر نازل ہوتے رہے – ان کے لشکر پنجاب کو تہ و بالا کرتے ' اس کی اینٹ سے اینٹ بجاتے بیاس عبور کر کے دہلی کا رخ کرتے – ان کا گذر جس طرف سے بھی ہوتا ان راہوں پر انسانوں کی لاشوں کے ٹکڑے ڈھیروں کی شکل میں پڑے ملتے وہ بستیوں اور شہروں کو اجاڑتے ' فصلیں تباہ کرتے اور مویشی کاٹ کر کھا جاتے

منگولوں کے ان لشکروں کے سردار چنگیز خان کے بیٹے چغتائی کی آل اولاد تھے – چنگیز خان نے مرنے سے پہلے (۱۲۲۷–۱۱۶۷ء) اپنے ایک بیٹے تولی کو چین کی راہ دکھائی تھی ' چنانچہ تولی کے لڑکے قبلائی خان نے چین پر قبضہ کر لیا – دوسرے بیٹے جوچی کو یورپ کے ملک برباد کرنے کے لئے بھیج دیا اور اس کی افواج "گولڈن ہورڈز" کہلائیں –

وہ یورپ کے کئی ملک تباہ کرتا ہوا روس تک بڑھتا چلا گیا – تیسرے بیٹے اوکتائی کو اس نے اپنے اصل وطن قراقرم کا محافظ بنایا اور چوتھے بیٹے چغتائی کو ترکستان حوالے کیا – یہ چغتائی وہی تھا جس کا نام تین صدیوں بعد ہندوستان کے مغل حکمرانوں نے اپنا لیا تھا – پنجاب میں انہیں "چغتے" کہا جاتا ہے

منگولوں نے پنجاب پر کوئی گیارہ بڑے حملے کئے – ڈیڑھ سو سال کے دوران پنجابیوں کی کوئی بھی ایسی نسل نہیں ہوگی جس نے اس قہر خداوندی کا مقابلہ نہ کیا ہو جسے امیر خسرو نے "قیامت" کا نام دیا تھا

یہ قیامت ہی تو تھی – گرد و غبار اڑاتے ہوئے منگول سواروں کے لشکر کی آمد کا دور ہی سے پتہ چل جاتا تھا – اس لئے کہ نمودار ہونے سے پہلے گھوڑوں کے سموں سے اٹھنے والی سرخ مٹی کا طوفان لال آندھی کی طرح نظر آنے لگتا تھا – اس طوفان کے عقب میں گھوڑ سوار منگولوں کے تمن ہوتے تھے – ان کے پیچھے چیلیں اور گدھ – دریائے سندھ کو عبور کرنے کے بعد منگول گھڑ سواروں کی رفتار دگنی ہوجاتی تھی – ان کی تیز رفتاری کا یہ عالم ہوتا کہ کبھی ایک دن میں دو سو میل تک کا سفر کر لیتے تھے – ان کے گھوڑ سوار ایک شہر کو تاخت و تاراج کرنے کے بعد اتنی تیزی سے دوسرے شہر کے سامنے جاکر نمودار ہوتے تھے کہ لوگوں کو مقابلہ کرنے یا بھاگ کر جان بچانے کی مہلت تک نہیں ملتی تھی – ان کا سب سے مہلک ہتھیار کمان تھی جس سے وہ مشین کی سی تیزی سے تیر نکالتے تھی – منگول غول اتنی تیزی سے بیک وقت ہزارہا تیر چلاتے تھے کہ آسمان نظر آنا بند ہوجاتا تھا دن کے وقت اندھیرا ہوجاتا تھا اس کمان کو آج کی مشین گن ہی سمجھیں – ایک مورخ نے لکھا ہے کہ ان کا لشکر سمندر کی طرح آگے بڑھتا تھا جس میں ہر چیز پلک جھپکتے میں ڈوب جاتی ہے – ایک دوسرا مورخ ان کے ایک حملے کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ حملہ کرتے وقت انہوں نے اتنا شور مچایا کہ روز محشر کا گمان ہونے لگا – اور سنکھ اس زور سے بجائے کہ مقامی فوج حواس باختہ ہو گئی –

پنجابیوں کی اپنی حکومت تو تھی نہیں جو ان کے تحفظ کا خیال رکھتی - دہلی کے سلاطین پنجاب میں جو مقطعی یا گورنر مقرر کرتے تھے وہی صوبے کے دفاع کے ذمہ دار ہوتے تھے - ان مقطعیوں نے صوبے کا دفاع کس قدر کیا اس کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ ڈیڑھ سو سال کے عرصے میں منگولوں کے لشکر چار مرتبہ پنجاب کو تہہ و بالا کرکے دہلی تک جا پہنچے تب کہیں سلطان کو ہوش آئی - دو مرتبہ تو ان کی یلغار کو دریائے ستلج کے کنارے اس وقت روکا گیا جب وہ سارا پنجاب تلوار اور آگ کے ذریعے برباد کر چکے تھے - چھ مرتبہ انہیں پنجاب کے اندر ہی روک لیا گیا - مگر دہلی کی فوج کے پہنچنے سے پہلے ملتان، لاہور، قصور اور ارد گرد کے علاقے برباد کر چکے تھے - حقیقت تو یہ ہے کہ سارے دور میں پنجاب کے دفاع کا کوئی بھی مناسب بندوبست نہ تھا - پنجاب کی حالت کا اگر چین سے مقابلہ کیا جائے تو فرق واضح ہو جاتا ہے - کیونکہ منگول حملہ آوروں کو روکنے کے لئے چینی شہنشاہ نے وہ دیوار چین تعمیر کرائی تھی جو آج دنیا کا عجوبہ سمجھی جاتی ہے - پنجاب کا دفاع بھی کیا جا سکتا تھا - پر کون کرتا، پنجاب کے عوام تو اغیار کے غلام تھے -

منگولوں نے پنجاب کو پہلی مرتبہ ۱۲۲۱ء میں اس وقت دیکھا تھا جب چنگیز خان اپنے دشمن خوارزم شاہ کو پے در پے شکست دیتا دریائے سندھ تک وحشیانہ ہوا لے آیا تھا - یہاں خوارزم شاہ کی فوج نے چنگیز خان کا آخری مقابلہ کیا، اور جب شکست ہوتی نظر آئی تو خوارزم شاہ گرفتاری سے بچنے کے لئے دریائے سندھ میں کود گیا - دریا میں طغیانی آئی ہوئی تھی - خوارزم شاہ کو ٹھاٹھیں مارتے ہوئے دریا سے جان سلامت لے جانے کی تو تھوڑی سی امید تھی لیکن گرفتاری کی صورت میں چنگیز خان کے ہاتھوں زندہ بچ رہنے کی کوئی توقع نہیں تھی - کہا جاتا ہے کہ چنگیز خان نے خوارزم شاہ کو دریا میں چھلانگ لگاتے دیکھا مگر اس کا تعاقب کرنے سے منع کر دیا اور واپسی کا نقارہ بجا دیا - اس کے ایک جرنیل بالا نویان نے منگول فوج کے دو تمن (بیس ہزار سپاہی) لئے کچھ دور تک خوارزم شاہ کا تعاقب جاری رکھا - ایک آدھ قصبہ تباہ کیا، ملتان کا محاصرہ بھی کیا لیکن جب گرمی کا موسم شروع ہوا تو برفانی علاقوں سے آئے ہوئے منگول ملتان کی گرمی کی

تاب نہ لا سکے اور واپس لوٹ گئے - اس طرح منگولوں نے پنجاب کے اندر جھانک کر دیکھ لیا، اس کے جغرافیے سے واقفیت حاصل کی اس کے راستوں کا معائنہ کیا اور اپنی آنے والی نسلوں کو معلومات منتقل کر دیں -

۱۲۴۱ء میں پہلی مرتبہ منگول سردار طائر نے پنجاب پر چڑھائی کی دریائے سندھ کو عبور کرنے کے بعد اس نے چاروں طرف لوٹ مار کا بازار گرم کر دیا - جو چیز سامنے آئی، اسے برباد کرتا سانپ کی طرح پھنکارتا چند ہی دنوں میں لاہور پہنچ گیا - ان دنوں سلطنت دہلی کی جانب سے ترک گورنر ملک اختیار الدین قراکش لاہور کا حاکم تھا - منگول لشکر کے یلغار کی خبریں سن کر شہر کا دفاع کرنے اور لوگوں کے جان و مال کو بچانے کی بجائے وہ رات کی تاریکی میں لاہور سے نکل کر دہلی کی طرف فرار ہو گیا - پیچھے رہ گئے کوتوال اور داروغہ اصطبل، انہوں نے شہر کے لوگوں کو اکٹھا کیا، فوج کا حوصلہ بڑھایا اور منگولوں سے نبرد آزما ہو گئے - لاہور شہر کے باہر دونوں فوجوں میں مقابلہ ہوا - اقسنقار کوتوال اور منگول سردار طائر دونوں لڑائی میں مارے گئے پر جیت منگول فوج کی ہوئی اور اس نے شہر پر قبضہ کر لیا - دہلی سے جو فوج پنجاب کی مدد کے لئے بھیجی گئی تھی اول تو وہ تاخیر سے روانہ ہوئی - پھر کچھ دور جانے کے بعد اس میں بغاوت ہو گئی اور منگولوں سے جنگ لڑنے کی بجائے واپس دہلی چلی گئی - کچھ مورخوں کا کہنا ہے کہ منگولوں نے لاہور پر پورا سال قبضہ جمائے رکھا اور شہر کے مظلوم عوام اور مضافات کی بستیوں کے بے سہارا لوگوں کو جی بھر کر لوٹا اور برباد کیا - جب لوٹ مار کے لئے کوئی چیز باقی نہ بچی تو منگول فوج نے دہلی کا رخ کیا اور بیاس تک کا علاقہ تاخت و تاراج کرنے کے بعد اپنے وطن لوٹ گئے - پانچ برس بعد منگولوں نے ایک مرتبہ پھر پنجاب کو لوٹا اور بیاس کے کنارے سلطان ناصر الدین محمود کے ہاتھوں شکست کھانے کے بعد واپس بھاگ گئے -

منگولوں نے دوسرا بڑا حملہ ۱۲۸۵ء میں تمر خان منگول کی قیادت میں کیا - وہ بیس ہزار گھڑ سواروں کے ساتھ سرخ آندھی کی طرح وارد ہوا - راستے کی ہر بستی کو لوٹتا اجاڑتا پہلے دیپالپور اور پھر لاہور پر حملہ آور ہوا - ان دونوں شہروں میں منگولوں نے وحشیانہ طریقے سے شہریوں کا قتل عام کیا - یہی وہ تاریخی حملہ تھا جس میں ابلین کا بیٹا

Scanned with CamScanner

شہزادہ محمد راہی ملک عدم ہوا - شہزادہ اس وقت ملتان کا گورنر تھا - اس نے تمر خان کو دریائے راوی کے کنارے شکست دی - لیکن جب وہ اس کے تعاقب کے لئے آگے بڑھا تو گھات میں بیٹھے ہوئے منگولوں کے ہاتھوں مارا گیا - مشہور شاعر امیر خسرو بھی شہزادہ محمد کی فوج میں موجود تھا - شکست خوردہ منگولوں نے بھاگتے ہوئے اسے مال غنیمت سمجھ کر گرفتار کر لیا اور غلام بنا کر بلخ شہر تک لے گئے - یہاں پہنچنے کے بعد وہ کسی نہ کسی طریقے سے فرار ہو کر دہلی لوٹ آیا - امیر خسرو نے اس واقع کی تصویر کشی کرتے ہوئے لکھا ہے "اس قیامت خیز دن کو میری گردن میں بھی ان کافروں نے پھندا ڈال لیا تھا لیکن خداوند تعالیٰ نے چونکہ مجھے طویل زندگی سے نوازنا تھا - اس لئے میں زندہ بچ گیا"

۱۲۸۶ء میں تمر خان منگول نے پھر لشکر لے کر پنجاب پر چڑھائی کی - اس حملے میں اس نے ملتان اور لاہور کے درمیان واقع تمام علاقہ لوٹ مار کر کے تباہ و برباد کر دیا - پھر اس نے دریائے بیاس کا راستہ لیا' دہلی کی طرف بڑھا لیکن دریا کے کنارے دہلی سے آنے والی فوج کے ہاتھوں اسے شکست ہوئی - دہلی پر اس وقت علاؤالدین خلجی کی حکومت تھی - اور اس کا جرنیل ملک ہزبرالدین ظفر خان جنگ وجدل کا ماہر لڑاکا جرنیل مشہور تھا - وہ منگول افواج کو شکست دینے کے بعد انہیں مارتا اور قتل کرتا جہلم کے کنارے تک دھکیلتا لے گیا - منگولوں پر اس کی اتنی دھاک بیٹھی کہ اس کے نام سے کہاوتیں بنیں کہا جاتا ہے کہ جب منگولوں کے گھوڑے پانی پینے سے منہ موڑ لیتے تو منگول کہتے "تم نے ظفر خان تو نہیں دیکھ لیا"

۱۲۹۱ء میں منگولوں نے پنجاب پر ایک بڑا حملہ کیا - ماوراء النہر اور خراسان کے منگول حاکم داوا نے ایک مشہور منگول جرنیل کی کمان میں پنجاب لوٹنے کے لئے ایک لاکھ گھڑ سوار روانہ کئے - آج تک منگولوں کے اتنے بڑے لشکر نے پنجاب پر چڑھائی نہیں کی تھی - تھوڑے منگول ہی کم نہیں ہوتے تھے اتنی بڑی فوج نے تباہی کی انتہا کر دی - دریائے سندھ عبور کرنے کے بعد انہیں جو آدمی نظر آیا اسے تہ تیغ کر دیا ڈھور ڈنگر' کتا بلا جو ہاتھ لگا اس کے کباب بنا کر کھا گئے - ان کے گھوڑوں نے نہ گھاس چھوڑی

اور نہ فصلیں یہاں تک کہ درختوں پر سبز پتے تک باقی نہ چھوڑے یہ ان کے اونٹوں نے چٹ کر لئے - قصور کے مضافات میں کھوکھروں کے گاؤں آباد تھے - منگولوں نے ان کی تکہ بوٹی کرنے کے بعد اس طریقے سے دیہات کو آگ لگائی کہ رہے نام اللہ کا - آسمان کو چھوتے ہوئے آگ کے شعلوں سے قصور شہر میں رات کے وقت یوں لگتا تھا جیسے دن چڑھ آیا ہوں - آگ کی تپش سے مکانات کی دیواریں تڑخ گئیں کچھ مکان گر کر مٹی کا ڈھیر بن گئے - جب وہ تمام انسانیت سوز کام انجام تک پہنچا چکے تو ان کی فوجوں نے دہلی کا رخ کیا - ظفر خان اور الغ خان نے انہیں شکست دے کر بیس ہزار منگولوں کو غلام بنا لیا باقی ماندہ خراسان کی طرف بھاگ گئے لیکن جب تک وہ پنجاب کو برباد کر چکے تھے -

۱۲۹۹ء میں منگولوں نے پنجاب پر پانچواں بڑا حملہ کیا - اس بار وہ آندھی کی طرح تو نہیں البتہ سمندر کی طرح آئے' وہ لاکھ منگول گھڑ سوار داوا کے بیٹے قتلغ خواجہ کی کمان میں اس زور شور سے پنجاب میں داخل ہوئے کہ کوئی بھی رکاوٹ اس سیلاب کے سامنے کارگر ثابت نہ ہوئی - اس مرتبہ انہوں نے لاہور کی بجائے ملتان کا راستہ اختیار کیا - ملتان شہر اس سیلاب میں غرق ہو گیا - یہاں سے فارغ ہو کر یہ سیلاب پھنکارتا ہوا سامانہ کے قصبے تک جا پہنچا جو آج کل مشرقی پنجاب میں ہے - یہاں سے انہوں نے دہلی کی طرف دوڑ لگا دی - دہلی کے پایہ تخت پر علاؤالدین خلجی بیٹا قطلغ علاؤالدین خود فوج کی کمان کرتے ہوئے آگے بڑھا - طرفین کے درمیان گھمسان کی جنگ ہوئی - ظفر خان مارا گیا' لیکن منگول بھی پسپا ہو کر خراسان کی طرف بھاگ گئے -

۱۳۰۳ء میں طرغی نامی ایک نیا منگول سردار نمودار ہوا - وہ لوٹ مار کے ارادے سے ایک لاکھ بیس ہزار سواروں کے ساتھ پنجاب پر حملہ آور ہوا - یہ دھاوا بھی بہت طاقت سے کیا گیا تھا - طرغی پنجاب کے دیہات اور قصبے لوٹتا اور برباد کرتا ہوا دہلی تک پہنچ گیا - اسے یہاں شکست ہوئی ان مسلسل حملوں نے علاؤالدین خلجی کی آنکھیں کھول دیں اور اس نے ایک نئی طویل المیعاد دفاعی پالیسی تشکیل دی اور پرانے قلعوں کی مرمت کا آغاز کیا نیز کچھ نئے قلعے تعمیر کروائے اور ان میں فوج متعین کی -

Scanned with CamScanner

اس کا فائدہ پنجاب کو زیادہ نہ ہوا - البتہ دہلی کی حکومت منگولوں کی دست برد سے محفوظ ہوگئی کیونکہ اس پالیسی پر عملدر آمد کے بعد منگول حملہ آور دہلی تک تو نہیں پہنچ پاتے تھے بس پنجاب میں لوٹ مار کر کے واپس چلے جاتے تھے -

۱۳۰۵ء میں منگول سردار طرطاق اور طرغی نے متحد ہو کر پچاس ہزار فوج کے ساتھ پنجاب پر حملہ کیا وہ پنجاب میں جہاں سے گزرے لوٹ مار اور قتل و غارت کرتے گئے - دہلی پہنچنے سے پہلے ہی انہیں علاؤالدین کے ہاتھوں شکست فاش کا سامنا کرنا پڑا - علاؤالدین خلجی منگولوں کی پڑوسی ترک قوم کا فرد تھا - اس نے بھی منگولوں کے ساتھ وہی سلوک کیا جو وہ دوسروں کے ساتھ کرتے تھے - لوہے نے لوہے کی کاٹ کی یعنی اس نے بھی منگولوں کو شکست دینے کے بعد ان کے سروں کے مینار بنا دئے ' نو ہزار گرفتار منگولوں کو غلام بنا کر عورتوں اور بچوں سمیت شہر کی سڑکوں پر پھرایا اور پھر نیلام کر دیا -

۱۳۰۶ء میں داوا کے پوتے کبک منگول نے پنجاب پر لشکر کشی کی - وہ دریائے سندھ عبور کر کے دیہات کو جلاتا اور لوگوں کا خون بہاتا دریائے راوی تک پہنچ گیا - اسے تغلق اور ملک کافور نے شکست دے کر غلام بنایا اور دہلی لے گئے -

اسی طرح منگول سرداروں ابلک خان اور بخلمند نے باری باری پنجاب پر حملے کئے - ابلک خان نے ملتان فتح کرنے کے بعد اس کی اینٹ سے اینٹ بجادی - آخر کار وہ شاہی فوجوں کے ہاتھوں شکست کھانے کے بعد گرفتار کر لیا گیا اور پھر دہلی لے جا کر تختہ دار پر لٹکا دیا گیا - اس کی فوج کے تین ہزار منگول غلام بنا کر دہلی میں فروخت کر دیئے گئے - بخلمند کو تغلق نے خود شکست دی اور شاہی فوج نے کابل ' غزنی اور قندھار تک منگولوں کا تعاقب کر کے انہیں بھگا دیا -

رنجیت سنگھ کا سنہری دور

رنجیت سنگھ کے لاہور کے تخت پر بیٹھنے سے پہلے پنجاب ایک ایسے خطے کا نام تھا جس کی حدود اور سرحدوں کا کوئی تعین پوری طرح نہیں ہوا تھا - رنجیت سنگھ کے دور اقتدار میں تاریخ میں پہلی بار پنجاب ایک ایسا خود مختار علاقہ بن گیا جس کی باگ ڈور پنجاب کی سرزمین سے تعلق رکھنے والے ایک مایہ ناز فرزند کے ہاتھ میں تھی - رنجیت سنگھ نے پنجاب کو متحد کیا ' اسے مضبوط بنایا ' اس کے دفاع کے لئے ایک جدید طرز کی فوج قائم کی اور پورے علاقے میں عدل و انصاف کی بنیادیں استوار کیں - اس موضوع پر مزید کچھ لکھنے سے پہلے مناسب ہوگا کہ اس زمانے کا جائزہ لیا جائے جس میں رنجیت سنگھ پنجاب کے خطے کو ایک سلطنت میں تبدیل کرنے میں کامیاب ہوا -

رنجیت سنگھ کے مہاراجہ بننے سے پہلے بانوے سال کا عرصہ پنجاب میں افراتفری اور انتشار کا زمانہ تھا - سچ پوچھیں تو پوری اٹھارویں صدی پنجابیوں کے لئے مشکلات اور نقصانات کی صدی بنی رہی جس میں نادر شاہ کا حملہ ' احمد شاہ ابدالی کے نو حملے ' مرہٹوں کی یلغار اور سکھ گردی کی لوٹ نے پنجاب کے عوام کا جینا حرام کر رکھا تھا - رہی سہی کسر اس صدی کی دو قحط سالیوں نے پوری کر دی کھیتی باڑی برباد ہوگئی اور لوگوں کے کاروبار چوپٹ ہوگئے - وہ کاشتکار اور تجارت پیشہ افراد جو نقل مکانی کر سکتے تھے علاقہ چھوڑ کر ملک کے دوسرے حصوں میں جا کر آباد ہوگئے - پروں والے اڑ گئے اور بے پروں کا خدا حافظ - انہیں دگرگوں حالات کو دیکھتے ہوئے بلھے شاہ نے پردرد الفاظ میں کہا تھا -

جدوں اپنی اپنی پے گئی ـــ دھی ماں نوں لٹ کے لے گئی
منہ بارھویں صدی پساریا ـــ سانوں آمل یار پیاریا
در کھلا حشر عذاب دا ـــ برا حال ہویا پنجاب دا
ڈر ہاویے دوزخ ماریا ـــ سانوں آمل یار پیاریا

پنجاب کے عوام بیرونی حملہ آوروں کے ہاتھوں بھی لٹتے رہے اور ملکی لٹیروں کے ہاتھوں بھی - ایک دن احمد شاہ ابدالی مالیہ وصول کرنے کے لئے آدھمکتا تھا تو دوسرے دن لٹیرے سکھوں کی کسی مسل کا سردار راکھی کے نام پر پیداوار کا پانچواں حصہ مانگنے آ جاتا - لاہور کے کئی مغل اور ترک حاکم بھی لوٹ مار کی وجہ سے بدنام تھے - ۱۷۵۵ء میں لاہور کے گورنر خواجہ عبداللہ خان نے خالی خزانہ بھرنے کے لئے جو اندھیر مچایا اس کے نتیجے میں یہ کہاوت مشہور ہوگئی -

حکومت نواب عبداللہ   رہی چکی ' نہ رہیا چلھا

اٹھارویں صدی کے نصف آخر میں پنجاب میں مسلسل لوٹ مار کی گئی - سکھوں کی بارہ مسلوں نے مختلف علاقے آپس میں بانٹ لئے - یہاں تک کہ پنجاب کے پانچ دو آبوں میں سے چار ان کے زیر تسلط آ گئے - طاقتور زمینداروں نے اپنے اپنے فوجی دستے بنا کر خود مختاری کا اعلان کر دیا - سندھ ساگر دو آب میں گکھڑ اور ٹوانے ' چج دو آب میں وڑائچ ' رچنا میں ' چیمے چٹھے ' باجوے ' بٹالہ میں رندھاوے ' قصور میں افغان ' کپور تھلہ میں راجپوت ' جالندھر دو آب میں افغان ' جھنگ میں سیال ' اور ساہیوال میں بلوچ خود مختار بن گئے - پنجاب میں ہر طرف افراتفری اور نفسانفسی کا عالم تھا -

ٹکڑوں میں بٹے ہوئے پنجاب کو رنجیت سنگھ نے انتہائی سوجھ بوجھ اور دانشمندی کے ساتھ متحد کیا - اس نے پرزہ پرزہ جوڑ کر پنجاب کو انگریزوں کے بعد برصغیر کی دوسری بڑی طاقت بنا دیا - جب تک وہ زندہ رہا نہ تو انگریز لٹیرے پنجاب پر قبضہ کر سکے نہ کابل کے افغانوں کو جرات ہوئی کہ وہ نادر شاہ اور احمد شاہ ابدالی کی طرح پنجاب پر چڑھائی کریں - پنجاب میں ہر طرف امن و سکون کی فضا پیدا ہوئی - رنجیت سنگھ کے دور اقتدار کے سارے عرصہ حملہ آوروں کے لئے پنجاب کا دروازہ بند رہا - کسی کو ہمت نہ ہوئی اس کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھتا - رنجیت سنگھ کا پنجاب پر سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ اس نے اسے اکٹھا کر کے متحد کر دیا ' امن و امان مہیا کیا اور پنجاب کے عوام کو لوٹ مار سے تحفظ فراہم کیا - پنجاب کو پہلی مرتبہ پنجابی قیادت مہیا کی -

رنجیت سنگھ کے اسلاف میں سب سے پہلے جس شخص نے سکھ مت قبول کیا

اس کا نام بدھ رام تھا اس نے گورو ہررائے (۱۴۳۵-۱۴۶۱) سے پاہل لے کر بدھ سنگھ نام رکھا - یہ گوجرانوالہ کے سکر چک کا رہنے والا تھا - سکھ دھرم اختیار کرنے کے بعد اس نے اپنے ارد گرد لوگوں کو اکٹھا کر کے ایک گروہ بنا لیا - اس کے بڑے بیٹے کا نام نودھ سنگھ تھا جس نے نادر شاہ کے حملے (۱۷۳۹) کے دوران اپنی عسکری قوت میں اضافہ کیا اور نادر شاہ کے لشکر پر عقب سے حملہ کر کے اس کے خزانے کا کچھ حصہ لوٹ لیا - کہا جاتا ہے کہ سارے ہندوستان کو لوٹ کر لے جانے والے نادر شاہ کو جب اپنا خزانہ لٹنے جانے کی اطلاع ملی تو اس نے غصے کے عالم میں لاہور کے نواب ذکریا خان سے پوچھا کہ " یہ ڈکیت کون ہیں ؟ " جواب ملا " سرکار یہ سکھ ہیں - " نادر شاہ نے جوابی کاروائی کرنے کے ارادے سے جب ان کے ٹھکانے کا اتہ پتہ دریافت کیا تو ذکریا خان نے جواب دیا " ان کا ٹھکانہ ان کے گھوڑوں کی پیٹھ ہے " - نادر شاہ نے یہ سوچ کر کہ ایسے لوگوں کی تلاش " اندھے کتوں کے ذریعے ہرنوں کی تلاش " کا بے فائدہ عمل ہوگا - کابل کی طرف سفر جاری رکھنے کا حکم دیا -

نودھ سنگھ کا ۱۷۵۲ء میں انتقال ہوگیا - اس کے چار لڑکوں میں سے بڑا چڑھت سنگھ (پیدائش ۱۷۳۲ء) اس کا جانشین مقرر ہوا - چڑہت سنگھ دانا بھی تھا اور باحوصلہ بھی - جب اس نے دیکھا کہ سکھ مسلیں بنا کر اکٹھے ہو رہے ہیں تو اس نے بھی اپنی مسل قائم کرنے کا اعلان کر دیا اور اس کا نام اپنے گاؤں کے نام پر سکر چکیہ رکھا - وہ رنجیت سنگھ کا دادا تھا - ۱۷۷۱ء میں بندوق صاف کرتے ہوئے اچانک گولی چل جانے سے زخمی ہو کر مر گیا -

رنجیت سنگھ کا باپ مہان سنگھ بھی چڑھت سنگھ جیسا دلیر جوان تھا - اس افراتفری کے دور میں نے ارد گرد کے علاقوں پہ قبضہ کر لیا ' کوٹلی لوہاراں نامی قصبے پر قبضہ کر کے تمام لوہاروں کو نئے طرز کی بندوقیں بنانے کی ذمہ داری سونپ دی - ایک طرف اس نے رہتاس کے قلعے پر ہاتھ صاف کیا تو دوسری طرف جموں پر ' پھر بٹالہ پر بھی قبضہ کر لیا - مہان سنگھ " چٹھیاں دی وار " کا کردار بھی ہے - اس نظم میں اس کی پیر محمد چٹھہ حاکم رسول نگر کے ساتھ جنگ کا ذکر خوبصورت انداز میں کیا گیا ہے -

رنجیت سنگھ ۱۷۸۰ء میں پیدا ہوا - وہ ابھی دس برس کی عمر کو پہنچا تھا کہ اس کے باپ کا انتقال ہو گیا- لیکن اس کی ماں مائی مالوائن بڑی دانا اور مدبر عورت تھی -اس نے سکرچکیہ مسل کو مضبوط کرنے اور ضرورت کے وقت مدد دینے والے دوست بنانے کے لئے اپنے بیٹے کی شادی بٹالہ کی طاقتور کانھیا مسل والوں میں کی - رنجیت سنگھ کی ساس سدا کور اور بیوی کا نام مہتاب کور تھا- سدا کور پنجاب کی عقلمند عورتوں میں سے تھی - اس نے رنجیت سنگھ کو اپنی طاقت میں اضافہ کرنے کے لئے بہت مفید مشورے دیئے-

انیس برس کی عمر تک پہنچتے پہنچتے رنجیت سنگھ کی دانائی اور بہادری کے چرچے دور دور تک پھیل گئے - ۱۷۹۸ء میں جب شاہ شجاع پنجاب پر آخری حملے سے فارغ ہو کر واپس جا رہا تھا تو اس کی توپیں دریائے جہلم میں پھنس گئیں -کہا جاتا ہے کہ رنجیت سنگھ نے وہ توپیں دریا میں سے نکلوا کر جب کابل بھجیں تو شاہ شجاع نے اسے لاہور کی حکومت کا پروانہ لکھ بھیجا- اس سال رنجیت سنگھ نے ضلع قصور کے نکئیی خاندان کے سردار کی بہن بے کور سے شادی کر لی مقصد یہ تھا کہ نکئیوں کی تیسری مسل سے بھی ضرورت کے وقت تعاون حاصل ہو سکے-

اس زمانے میں لاہور شہر پر تین سکھ سردار قابض تھے جنہیں "تسبہ حاکمان لاہور" بھی کہا جاتا ہے- ان کے نام لہنا سنگھ گجر سنگھ (قلعہ گجر سنگھ لاہور والا) اور سوبھا سنگھ تھے - ۱۷۹۸ء تک ان تینوں کا تو انتقال ہو گیا لیکن ان کے بیٹے چیت سنگھ 'صاحب سنگھ اور مہر سنگھ لاہور کے حاکم بن گئے - ان کی بے انصافیوں اور کھینچا تانیوں کے ہاتھوں لوگوں کا ناک میں دم آگیا- رنجیت سنگھ کی شہرت لاہور کے باسیوں تک پہنچی تو شہر کے سربر آوردہ لوگوں نے اسے لاہور پر قبضہ کرنے کی دعوت دی - پیغام بھیجنے والوں میں لاہور کے ارائیں میاں محکم دین اور میاں عاشق محمد کے علاوہ کئی ہندو اور سکھ معتبر بھی شامل تھے - رنجیت سنگھ اور اس کی ساس سدا کور کی افواج لاہور کے موجودہ جی- پی او کے علاقے میں جو اس زمانے میں بے آباد میدان تھا خیمہ زن ہو گئیں - رنجیت سنگھ نے وزیر خان کی بارہ دری (آج کی پنجاب پبلک لائبریری کا پرانا حصہ) میں ڈیرے ڈال

دیئے - لڑائی کی نوبت نہ آئی کیونکہ میاں محکم دین نے جو لاہوری دروازہ کے اندر ہی سکونت رکھتا تھا خاموشی کے ساتھ یہ دروازہ کھول کر رنجیت سنگھ کو فوج سمیت شہر میں داخل کر لیا - اس بدلی ہوئی صورت حال کو دیکھتے ہوئے دو سکھ حاکم فوراً لاہور سے فرار ہو گئے پر چیت سنگھ قلعہ بند ہو گیا اور دوسرے دن جان کی امان پا کر اور وظیفہ کا مطالبہ تسلیم کرا کے لاہور چھوڑ کر چلا گیا- اس طرح رنجیت سنگھ بغیر کوئی جنگ لڑے ۱۷۹۹ء میں لاہور پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہوا -

پنجاب کی تاریخ میں یہ پہلی فوج تھی جو لاہور شہر میں پر امن طریقے سے داخل ہوئی - نہ اس نے لوٹ مار کی 'نہ آگ لگائی اور نہ ہی مردوں 'عورتوں اور بچوں کو غلام بنایا- اس طرح رنجیت سنگھ نے حکمرانی کا آغاز کیا اس سے اس کی قابلیت کا بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے اور نرم خوئی کا بھی-

پنجاب کو متحد کرنے کا عمل اور رنجیت سنگھ

رنجیت سنگھ کی تخت نشینی کے وقت جس طرح پنجاب ٹکڑوں میں منقسم تھا اس کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے - رنجیت سنگھ نے سب سے پہلے جو مفید کام انجام دیا وہ پنجاب کو متحد کرنا تھا- یہ مقصد حاصل کرنے کے لئے اس نے طاقت کا استعمال بھی کیا' بات چیت اور افہام و تفہیم کے علاوہ رشتہ ناطہ کرنے کی راہ بھی اپنائی - پنجاب کو متحد کرنے کی خاطر رنجیت سنگھ نے سکھوں کے رجواڑے ہوں یا ہندوؤں اور مسلمانوں کے ان سب کو بلا کسی امتیاز کے ختم کر کے پنجاب کا حصہ بنا لیا - کسی سے کوئی رو رعایت نہیں برتی - اردگرد کے وہ علاقے جو افغان حکمرانوں نے پنجاب سے چھین کر اپنی سلطنت میں شامل کئے تھے وہ بھی واپس لے لئے-

Scanned with CamScanner

سکھ سرداروں سے چھینے جانے والے علاقے

سکھ سرداروں سے جو علاقے چھینے گئے وہ مندرجہ ذیل تھے - ہریانہ (ہوشیار پور)' جلال پور' اسلام گڑھ' بجوات' چونیاں' دیپالپور' ستگھوا' بیٹھ پور' حویلی' محی الدین پور' جالندھر' پٹی' فتح گڑھ' سجان پور' حاجی پور' مکھوبال راولپنڈی' سری گوبند پور' میانی اور امرتسر-

ہندو حکمرانوں سے چھینے گئے علاقے

کانگڑہ' سید گڑھ' کوٹلہ' جنڈیالہ' کشوعہ اور نور پور

مسلمان حاکموں سے چھینے گئے علاقے

یہ مندرجہ ذیل ہیں

خوشاب' ساہیوال' اٹک' جھنگ' قصور' تلمبہ

افغان حکومت کے باجگزار علاقے جو فتح کئے گئے یہ تھے

کشمیر' پشاور' اور اس کا نواحی علاقہ' ملتان اور اس کے مضافات

ان میں سے بہت سے علاقے لڑ کر حاصل کئے گئے - مثال کے طور پر سکھ سرداروں سے امرتسر اور گجرات' مسلمان حاکموں سے ساہیوال' ملتان' قصور' اور کشمیر' ہندو راجوں سے کانگڑہ - کئی علاقے رنجیت سنگھ نے رشتہ داری کے ناطے حاصل کر کے پنجاب میں شامل کئے - پٹالہ کی کنھیا مسل میں اور ۱۷۹۸ء میں نکئی مسل میں شادی کرنے کا ذکر سطور بالا میں کیا جا چکا ہے کانگڑہ کو اس نے فتح بھی کیا اور پھر راجہ سنسار چند کی دو لڑکیوں کے سروں پر چادر بھی رکھ دی - چادر رکھنے کا مطلب یہ تھا کہ دونوں لڑکیاں مہاراجہ کی بیویاں ہیں - صلح اور جنگ دونوں طریقے بروئے کار لاتے ہوئے رنجیت سنگھ نے سکھ مسلوں کا مکمل خاتمہ کر دیا اور گرومتا کو بھی طریقے طریقے سے ختم کر دیا - اس طرح پنجاب میں انتشار کا خاتمہ ہوا-

رنجیت سنگھ تخت نشینی کے سات سال کے اندر دریائے ستلج کے اس طرف کے علاقے کا سب سے طاقتور حاکم بن گیا - اور دریائے ستلج کی دوسری جانب کے حاکموں نے بھی اس کی برتری تسلیم کر لی-

رنجیت سنگھ جب لاہور کے تخت پر بیٹھا اس وقت ایک طرف افغان حکومت تھی تو دوسری طرف انگریزوں کی پھیلتی ہوئی طاقت - رنجیت سنگھ کا کارنمایاں ان دونوں طاقتوں کو پنجاب پر حملہ کرنے سے روکنا اور پنجاب کو مضبوط کرنا تھا-

افغانوں کے ساتھ کشمکش

رنجیت سنگھ نے ۱۸۱۳ء میں کابل دربار کی جانب سے اٹک کے جہاندار خان نامی پٹھان گورنر سے جاگیر عطا کرنے کے وعدہ پر اٹک کا قلعہ حاصل کر لیا - کابل کے وزیر فتح خان نے قلعہ واپس لینے کے لئے حملہ کیا تو رنجیت سنگھ کی افواج نے اسے شکست فاش دی - رنجیت سنگھ کے ہاتھوں پٹھانوں کی یہ پہلی شکست تھی-

اس دور کے افغانستان میں افغان سرداروں کے درمیان کابل کا تخت حاصل کرنے کے لئے شدید کشمکش جاری تھی - رنجیت سنگھ نے اس سے فائدہ اٹھایا - پنجاب کے جنوب میں انگریز تھے جن سے علاقہ چھیننا دشوار تھا - لہٰذا اس نے افغان حکومت کے زیر اثر علاقے آزاد کرانے کی راہ اختیار کی-

۱۸۱۸ء میں رنجیت سنگھ نے ملتان پر فوج کشی کی اور کابل حکومت کے باجگزار نواب مظفر خان سے ملتان چھین لیا - مظفر خان لڑائی میں مارا گیا - ۱۸۱۹ء میں رنجیت سنگھ کی دیرینہ خواہش پایہ تکمیل کو پہنچی یعنی اس نے کشمیر فتح کر کے اپنی قلمرو میں شامل کر لیا - وہ ایک عرصہ سے اس کے حصول کے لئے کوشاں تھا - کشمیر ۱۷۵۲ء سے احمد شاہ ابدالی کے قبضے کے بعد کابل دربار کے گورنر کے ماتحت تھا-

Scanned with CamScanner

۱۸۲۰ء میں رنجیت سنگھ نے ہزارہ پر قبضہ کیا- ۱۸۱۸ء میں اس نے پشاور پر قبضہ کر لیا تھا پر دوست محمد نے کابل سے فوجیں لاکر شہر واپس لے لیا تھا- ۱۸۲۳ء میں اس نے عظیم خان کو شکست دے کر دوبارہ پشاور حاصل کرلیا - ۱۸۲۷ء سے ۱۸۳۹ء تک رنجیت سنگھ کابل کے حکمرانوں سے بزور طاقت علاقے چھیننے میں مصروف رہا-

رنجیت سنگھ اور انگریز

رنجیت سنگھ اور انگریزوں کے درمیان پہلا آمنا سامنا ۱۸۰۶ء میں اس وقت ہوا جب مرہٹہ سردار ہلکر کی افواج بڑھتی ہوئی ستلج تک پہنچ گئیں اور انگریز افواج کے سامنے صف بستہ ہوگئیں - اس وقت رنجیت سنگھ نے دونوں کے درمیان ۱۸۰۶ء کا معاہدہ کروایا- ہلکر نے ضمانت دی کہ وہ دوبارہ کبھی ستلج پار نہیں کرے گا- اس کے مقابل انگریزوں نے گارنٹی دی کہ وہ ہلکر کے علاقے میں مداخلت نہیں کریں گے - مہاراجہ رنجیت سنگھ اور ہلکر میں ملاقات ہوئی - ہلکر نے رنجیت سنگھ کو مشورہ دیا کہ آج کے دور میں صرف گھڑ سوار افواج پر انحصار کرنے سے کامیابی حاصل نہیں ہوسکتی ' فوجوں کو جدید خطوط پر تربیت دینا ضروری ہے - رنجیت سنگھ نے بھیس بدل کر انگریزی کیمپ کا معائنہ کیا اور انگریزی فوج کے نظم وضبط سے بہت متاثر ہوا -

۱۸۰۹ء میں رنجیت سنگھ اور انگریزوں کے مابین معاہدہ امرتسر طے ہوا جس کی رو سے دریائے ستلج دونوں حکومتوں کے درمیان حد فاصل قرار پایا - دوستی کا معاہدہ بھی ہوا - معاہدہ طے پانے سے پہلے انگریز افسر مٹکاف اور رنجیت سنگھ کے درمیان طویل سیاسی مذاکرات اور دیگر باہمی دلچسپی کے امور بارے تبادلہ خیالات کا سلسلہ جاری رہا- رنجیت سنگھ نے اسے مختلف شہروں کا دورہ بھی کرایا - رنجیت سنگھ دریائے جمنا کو دونوں حکومتوں کے درمیان حد حاصل قرار دینا چاہتا تھا' لیکن انگریزوں کی فوجی طاقت

کو دیکھتے ہوئے اسنے فیصلہ کیا کہ انگریزوں کی بات تسلیم کرنے بغیر چارہ نہیں ہے - تاہم اس نے انگریزوں کا یہ مطالبہ ماننے سے انکار کر دیا کہ مشترکہ دفاع کا معاہدہ بھی کیا جائے اور انگریز فوجوں کی پنجاب سے گزرنے کی اجازت دی جائے اس تمام عرصے میں یہ بات اسکے ذہن میں گردش کرتی رہی کہ انگریزوں کی موجودگی میں اپنا وجود برقرار رکھنے کے لئے جدید خطوط پر فوج کا قیام ناگزیر ہے-

۱۸۰۹ء میں انگریز حکومت کو اس کے چند مشیروں نے بزور طاقت پنجاب کو اپنی سلطنت میں شامل کرنے کا مشورہ دیا - لیکن انگریز پنجاب پر قابض ہونے کی حیثیت میں نہیں تھے اس لئے یہ تجویز رد کر دی گئی-

فوج کی جدید تنظیم سازی

پنجاب کو متحد کرنے اور اسے غیر ملکی حکمرانوں کی دست برد سے محفوظ رکھنے کے لئے ایک طاقتور جدید فوج منظم کرنا ایک ناگزیر ضرورت تھی - ایسی فوج لاہور پر قبضہ کرنے کے وقت رنجیت سنگھ کے پاس نہیں تھی - اس زمانے میں فوج جاگیرداری دور کے طرز کی "دل خالصہ" تھی جو گھڑسوار دستوں پر مشتمل ہوتی تھی- ۱۸۰۶ء میں مرہٹہ سردار ہلکر نے جسے انگریزوں سے لڑنے کا بہت تجربہ حاصل تھا رنجیت سنگھ کو مشورہ دیا تھا کہ وہ ایک ایسی باقاعدہ فوج قائم کرے جس میں اہم ترین حیثیت پیادہ رستے اور توپ خانے کو حاصل ہو - یہ ایک نئی تجویز تھی جسے عملی جامہ پہنانا دشوار تھا-

مغل دور میں پیدل فوج کو کمزور اور بے حیثیت سمجھا جاتا تھا جبکہ گھڑسوار فوج کی بڑی قدر و منزلت تھی - پیدل فوج کے عام سپاہی کی حیثیت پالکی اٹھانے والوں ' پیغام رسانوں اور چوکیداروں سے زیادہ نہیں ہوتی تھی - سکھ مسلوں میں بھی یہی

Scanned with CamScanner

حالت تھی - ایک لڑاکا سپاہی کے پاس تندرست اور جان دار گھوڑا ہونا ضروری خیال کیا جاتا تھا - پیدل سپاہی کو کمزور تصور کیا جاتا تھا - شروع میں رنجیت سنگھ نے جب پیدل فوج قائم کی تو سکھوں نے اس میں بھرتی ہونے سے انکار کردیا اس لئے مہاراجہ کو ابتدا میں پیدل فوج میں ہندوستانی (پوربی) بھرتی کرنے پڑے

فوج کو جدید خطوط پر استوار کرنے اور تربیت دینے کے لئے بدیسی افسر بھرتی کئے گئے - رنجیت سنگھ نے ۱۸۰۶ء میں لارڈ لیک کی انگریز فوج جب دیکھی تھی تو اسے اندازہ ہوگیا تھا کہ لوہے کو لوہے سے ہی کاٹا جاسکتا ہے - یورپ میں نپولین جنگ کے خاتمے کے بعد بہت سے یورپی فوجی افسر رنجیت سنگھ کا نام سن کر پنجاب میں وارد ہوئے ' مہاراجہ نے انھیں ملازم رکھ لیا - یہ بڑی دانشمندی اور دور اندیشی کی بات تھی - ان افسروں میں اٹلی ' فرانس ' جرمنی ' انگلینڈ ' روس اور یونان جیسے دور دراز ممالک کے لوگ شامل تھے - جو بدیسی افسر رنجیت سنگھ کی فوج میں شامل ہوئے ان کی تعداد بیس سے بیالیس تک بتائی جاتی ہے - ان میں سب سے مشہور جرنیل الار اور ونتورا ' کرتل کورٹ اور اوٹا بیل تھے - پہلے دو جرنیلوں کی تنخواہ تیس ہزار روپے سالانہ تھی -

رنجیت سنگھ کی قابلیت کا اندازہ اس امر سے بھی ہوتا ہے کہ اس نے بدیسی جرنیلوں کو اعلےٰ عہدے اور تنخواہیں تو دیں مگر کسی بھی بڑی لڑائی کی کمان ان کے سپرد نہ کی - یہ ذمہ داری اس نے دیسی افسروں کے سپرد کی - مقصد یہ تھا کہ پنجابی افسر بھی جدید طریقہ جنگ کی کمان کرنے کا تجربہ حاصل کر سکیں -

رنجیت سنگھ کے انتقال کے بعد پنجاب کی فوج پورے ہندوستان میں انگریز فوج کے بعد دوسری سب سے بڑی اور منظم فوج تھی - اس کا اندازہ اس طرح لگایا جاسکتا ہے کہ لاہور شہر میں داخل ہوتے وقت رنجیت سنگھ کی کل فوج آٹھ ہزار غیر منظم سپاہیوں پر مشتمل تھی جو بہادر تو ہوں گے لیکن جدید جنگ کے فن سے نابلد تھے -

- لیکن چالیس سال بعد ۱۸۳۸ء میں اس فوج کی صورت حال یہ تھی -
۲۹ ہزار ۶ سو سترہ پیدل فوج - کل ماہانہ تنخواہ ۲ ' لاکھ ۲۲ ہزار ۶ سو ساٹھ روپے -

تین گھڑ سوار دستے - عام سوار تعداد ۴ ہزار نوے تھی اور کل تنخواہ ۹۰ ہزار - ر ۹۰٬۰۰۰
گھڑ سواروں کا خاص دستہ - تعداد تقریباً گیارہ ہزار تنخواہ ۳۲ لاکھ سے زائد - ر ۳۲٬۰۰۰۰۰
توپ خانہ - توپوں کی تعداد ساڑھے چار ہزار سے زائد - ۱۸۸ بھاری توپیں اور ۲۸۰ ہلکی توپیں توپچیوں کی کل تنخواہ - ر ۳۳٬۰۰۰ روپے

اس فوج میں شمولیت کے لئے کسی خاص مذہب سے تعلق کی پابندی نہیں تھی - بلکہ ضروری شرط یہ تھی کہ سپاہی کا تعلق کسی جنگجو قبیلے یا برادری سے ہو - جاٹ ' سکھ ' ہندو راجپوت ' مسلمان راجپوت ' پٹھان ' کھتری اور برہمن لڑاکا ذاتیں سمجھی جاتی تھیں

رنجیت سنگھ کی فوج کے کئی دیسی جرنیل بہت مشہور ہوئے ان میں سے کچھ کے نام یہ ہیں - ہری سنگھ نلوہ ' اکالی پھولا سنگھ ' مصر دیوان چند ' حکما سنگھ چھینی ' دیسا سنگھ مجیٹھیہ ' دیوان محکم چند ' فتح سنگھ دلے والیا ' نہال سنگھ اٹاری والا ' توپ خانے کا جرنیل چوہدری غوث خان المعروف غوثا ' پیدل فوج کا شیخ عبداللہ اور روشن خاں ' گورکھا جرنیل بال بھدرا -

اس زبردست فوجی طاقت کے ذریعے رنجیت سنگھ نے پنجاب کو متحد کیا اور بیرونی حملہ آوروں کی راہ میں دیوار بن گیا - لیکن اس کے ساتھ ہی اس نے دوسروں کے علاقے بھی فتح کئے جن میں پشاور اور پٹھانوں کے دوسرے علاقے ' نیز کشمیر اور ملتان شامل ہیں - اس نے سندھ پر قبضہ کرنے کی ٹھان رکھی تھی لیکن بوجہ ایسا نہ کر سکا - رنجیت سنگھ کے جرنیل زور آور سنگھ کی کمان میں سکھ فوج لداخ کو فتح کرنے کے بعد جنوبی تبت میں داخل ہوگئی - یہاں زور آور سنگھ کو شکست ہوئی اور وہ مارا گیا - جبکہ تبتیوں نے ہزار سے زائد پنجابی گرفتار کر کے غلام بنائے اور انھیں پایہ تخت لہاسہ لے گئے -

Scanned with CamScanner

مہاراجہ رنجیت سنگھ کا کردار

مہاراجہ رنجیت سنگھ روشن دماغ، ذہین اور زبردست قوت فیصلہ کا مالک بہادر پنجابی تھا - ناخواندہ ہونے کے باوجود اس نے نہایت دانائی اور سمجھ بوجھ سے کام لیتے ہوئے پنجاب کو متحد کیا اور جدید طرز کی فوج قائم کی اس نے شاطر انگریزوں کا بہت ہوشیاری کے ساتھ مقابلہ کیا - کبھی بڑک بازی اور کھوکھلے دعوے نہیں کئے بلکہ طاقت کے توازن کا صحیح صحیح اندازہ کرتے ہوئے حقیقت پسندی کے ساتھ فیصلے کئے - اس نے کسی بات کو اپنی انا کا مسئلہ نہیں بنایا -

مہاراجہ نے فوجی طاقت کو نہایت احتیاط سے استعمال کیا اور ہمیشہ صلح و آشتی اور بات چیت کے ذریعے مسائل حل کرنے کی راہ اپنائی - لیکن جب طاقت استعمال کئے بغیر بات بنتی نظر نہ آئی تو طاقت استعمال کرنے میں بھی کسی ہچکچاہٹ کا اظہار نہ کیا -

رنجیت سنگھ بردبار اور منصف مزاج حکمران تھا - اس کی اس صفت کو اس زمانے کے انگریز مورخ بھی تسلیم کرتے ہیں - پرنسپ لکھتا ہے "مہاراجہ کی طبیعت میں غصہ کا دخل کم تھا - انتہائی طیش کے عالم میں بھی وہ کسی کو جان سے مار دینے کا حکم نہیں دیتا تھا" یہ کیسی عجیب بات ہے کہ اسنے اپنے دور اقتدار میں کسی ایک شخص کو بھی سزائے موت نہ دی - اٹھارویں صدی کے ترک پٹھان اور مغل حکمرانوں کے ساتھ اس کا موازنہ کیاجائے تو وہ ان سے زیادہ عظیم اور قد آور شخص نظر آتا ہے -

رنجیت سنگھ میں خامیاں بھی تھیں - اس کی سب سے بڑی خامی یہ تھی کہ وہ امور سلطنت چلانے کے لئے مستقل ادارے قائم نہ کر سکا اور نہ ہی نظام حکومت بنا سکا - جب تک زندہ رہا ذاتی خوبیوں اور اچھائیوں کی وجہ سے ملکی نظام چلاتا رہا - دربار کو کنٹرول کرنے کے علاوہ فوج کو اپنی ذمہ داریوں اور حدود سے تجاوز نہیں کرنے دیا - لیکن اسکے مرنے کے ساتھ ہی سارا نظام درہم برہم ہوگیا - دربار اختیار میں نہ رہا اور فوج بے لگام ہوکر پنجابی ریاست کو خود ہی کھانے لگی -

اپنی تمام تر دانائی اور انصاف پسندی کے باوجود رنجیت سنگھ انیسویں صدی کا

ایک مہاراجہ تھا - اس کے اندر سامراجی رویے بھی موجود تھے - راجہ سے مہاراجہ بننے کے لئے اردگرد کی قوموں اور ملکوں پر غاصبانہ قبضہ ضروری ہوتا ہے - رنجیت سنگھ نے بھی یہی کیا - اس نے وہ علاقے بھی ہتھیا لئے جہاں دوسری زبانیں بولی جاتی تھیں - اور جن کے رہنے والے پنجابی قوم سے تعلق نہیں رکھتے تھے - رنجیت سنگھ کو ان علاقوں پر قبضہ کرنے کی کیا ضرورت تھی - پنجاب خود ہی اتنا بڑا علاقہ ہے - اتنی ہری بھری اور سونا اگنے والی سرزمین ہے - وہ اگر اسکے نظم و نسق کی جانب توجہ دیتا اور دوسروں کے علاقے ہتھیانے کی کوشش نہ کرتا تو آج تک پیدا ہونے والی کئی خرابیوں سے پنجابی بچے رہتے - اگر ایسا دانا شخص اپنی فہم و فراست سے کام لے کر پنجابی قوم کے لئے مستقل سیاسی اور انتظامی ادارے قائم کرتا ' جانشینی کے لئے قاعدے اور ضابطے تشکیل دیتا ' جانشینوں کو امور سلطنت چلانے کی تربیت دیتا ' پنجاب کے ٹیکسوں کو انصاف کی بنیاد پر حاصل کرنے اور دانائی سے خرچ کرنے کی جانب توجہ کرتا تو پنجابی قوم شاید ۱۸۴۶ء میں شکست نہ کھاتی اور انگریزوں کی غلامی کا طوق گلے میں ڈالنے سے بچ جاتی - رنجیت سنگھ کی فوج کشی کے نتیجے میں جو پنجاب وجود میں آیا اس میں کوئی ایک زبان نہیں بولی جاتی تھی - پنجابی کے علاوہ کشمیری ' ڈوگری ' پشتو ' ہریانوی اور سرائیکی جیسی متعدد زبانیں بھی بولی جاتی تھیں - انگریزوں نے جب ایک صوبے میں اتنی زبانوں کا استعمال دیکھا تو اسے بہانہ بنا کر پنجاب پر اردو نافذ کردی - اگر رنجیت سنگھ ارد گرد کے علاقوں پر قبضہ نہ کرتا تو منجملہ دیگر غلطیوں کے جو وقوع پذیر ہوئیں اہل پنجاب اردو کے عذاب سے بھی بچے رہتے -

ایک اور مسئلہ جو رنجیت سنگھ کے پورے دور میں موجود رہا اور کوشش کے باوجود جس پر وہ مکمل طور پر قابو نہ پا سکا وہ مذہبی فرقہ واریت تھی - غیر ملکی حکمرانوں نے اپنے اقتدار کو بچانے کے لئے فرقہ واریت کو ہمیشہ تقویت دی - مغل حکمرانوں نے امن پسند سکھوں پر مذہب کے نام پر اتنے مظالم ڈھائے کہ وہ اس کے خلاف نہ صرف ہتھیار اٹھانے پر مجبور ہوگئے بلکہ مذہبی تنگ نظری کی رو میں بہنا شروع ہوگئے - رنجیت سنگھ نے مذہبی تنگ نظری کو بہت حد تک کم کیا - لیکن جاگیرداری سماج میں

سیاست پر مذہبی اثرات غالب ہوتے ہیں - رنجیت سنگھ بھی ایک سکھ ہی تھا - پنجاب میں پہلا فرقہ وارانہ فساد ۱۸۰۷ء میں اس وقت برپا ہوا جب امرتسر میں رنجیت سنگھ اور انگریز نمائندے مذاکرات کے درمیان سیاسی مذاکرات ہو رہے تھے - درپردہ اس کا محرک اکالی پھولا سنگھ تھا - ان تمام کمزوریوں کے باوصف رنجیت سنگھ ایک تاریخ ساز بھاری بھر کم شخصیت کا مالک ہے - پنجاب کی ساری تاریخ ہمارے سامنے ہے اس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ پنجاب میں آج تک رنجیت سنگھ کے پائے کا نہ کوئی سیاستدان پیدا ہوا ہے اور نہ ہی منتظم - وہ اٹھارویں اور انیسویں صدی کے ہندوستانی راجوں مہاراجوں اور گورنروں سے زیادہ بلند شخصیت کا حامل تھا کوئی اس کی سیاسی قد آوری کا مقابلہ نہیں کر سکتا -

رنجیت سنگھ نے پنجابی فوج کی جو زبردست تنظیم بڑی محنت سے کی تھی اس کی وفات کے بعد سیاسی دھڑے بندیوں کی نذر ہو گئی - وہ لوگوں کا تحفظ کرنے کی بجائے ان کے لئے وبال جان بن گئی - ملکی سیاست میں مداخلت ہونے کی وجہ سے فوج بدعنوانی اور کرپشن کا شکار ہوئی - فوجی ڈسپلن ختم ہو کر رہ گیا - ہر نئی حکومت نے اسے ریاستی اقتدار پر قبضہ کرنے کے لئے استعمال کیا اور اسی کے ہاتھوں گردن کٹوائی - نوبت یہاں تک پہنچی کہ مہارانی جنداں نے اس خودسر فوج سے نجات حاصل کرنے کا فیصلہ کر لیا - چنانچہ اس نے جنگی تیاری کئے بغیر اسے انگریز افواج سے لڑا کر اس کا خاتمہ کرا دیا نہ رہی پنجابی فوج اور نہ رہی پنجابی ریاست - ایسا کیوں ہوا ؟ یہ سوال تاریخ کے گہرے مطالعہ اور تحقیق کا تقاضا کرتا ہے -

پنجاب کو متحد کرنے کے بعد رنجیت سنگھ نے پڑوسی علاقوں پر قبضہ کرنے کی راہ اختیار کی - یہ کوئی ایسا انوکھا کام نہیں تھا جو پہلے کسی حکمران نے نہ کیا ہو - لیکن حملہ آوروں کے ہاتھوں صدیوں تک ظلم و ستم سہنے اور لوٹ کھسوٹ کا شکار ہونے والی مظلوم قوم کو حملہ آوری کی راہ پر لے جانا گھاٹے کا سودا ثابت ہوا - اس میں کوئی کلام نہیں کہ کئی بڑے ملک کسی ایک بادشاہ کی فتوحات کے نتیجے میں وجود میں آئے ہیں - لیکن ان میں سے وہی ملک قائم رہ سکے جہاں (الف) فاتحین نے مفتوح اقوام کے افراد کو امور

سلطنت میں شامل کر کے حاکم اور محکوم کا امتیاز باقی نہ رہنے دیا - (ب) پہلے سے بہتر عدل و انصاف مہیا کیا' ٹیکسوں کا انصاف پر مبنی نظام قائم کیا' لوگوں کی حفاظت کا پہلے سے بہتر بندوبست کیا اور اس طرح نئے شامل کئے گئے علاقوں کے عوام میں یہ احساس پیدا کیا کہ موجودہ سانجھی سلطنت سابقہ سلطنت سے بہتر ہے -

کسی بھی کثیر القومی ملک کے قائم رہنے کے لئے یہ دونوں شرطیں ضروری ہیں - تاہم رنجیت سنگھ کے مفتوحہ علاقوں میں بسنے والی غیر پنجابی اقوام کو ان دونوں شرائط کی تکمیل ہوتی نظر نہ آئی - مہاراجہ کے مرنے کے بعد تو ان کے ساتھ ہونے والا سلوک پرانے دور کی سامراجیت کا سا سلوک بن گیا -

رنجیت سنگھ فتوحات تو کر تا گیا لیکن ایک بہتر نظام حکومت مرتب نہ کر سکا - اگر اسے جنگی مہموں سے فرصت ملتی تو شاید اس جیسا دانا انسان یہ کام بھی انجام دے جاتا - پنجاب پر اس کا بڑا احسان ہے کہ وہ بیرونی حملہ آوروں کا مقابلہ کرنے کی ایک اہل مضبوط فوج قائم کر گیا - مگر حالات کی ستم ظریفی یہ ہے کہ جو فوج عوام کے دفاع کے لئے قائم کی گئی تھی اپنی توسیع پسندانہ خواہشات کی تکمیل کرتے کرتے عوام دشمن بن گئی - اور اس طرح جو فوج لوگوں کی جان و آبرو کی حفاظت کے لئے تشکیل دی گئی تھی وہی ان کی بربادی کا سبب بنی -

۱۸۰۸ء تک رنجیت سنگھ دریائے ستلج سے جہلم تک پھیلے ہوئے علاقے کا سب سے طاقتور حکمران بن چکا تھا - لاہور پر قبضہ کرنے کے بعد دس سال کے مختصر عرصہ میں اس سارے علاقے کو ایک اکائی کی شکل میں متحد کرنا بہت بڑی کامیابی تھی - لاہور' پسرور' چنیوٹ' گوجرانوالہ' گجرات' سیالکوٹ' شیخوپورہ' جھنگ' دیپالپور اور جہلم پر اس کا قبضہ مکمل ہو چکا تھا باقی ماندہ علاقے کے حکمران اسے خراج دیتے تھے - وہ دس سال میں یکے بعد دیگرے مختلف شہروں اور قصبوں پر قبضہ کرتا چلا گیا - کوئی نواب راجہ یا بڑے سے بڑا سردار اس کی پیشقدمی نہ روک سکا - سکھ مسلوں کے طاقتور سردار بھی اس کا مقابلہ نہ کر سکے - بڑے بڑے قبیلوں اور برادریوں کو شکست کا سامنا کرنا پڑا - اگر وہ چاہتا تو جنگی مہموں سے عہدہ برآ ہونے کے بعد مفتوحہ علاقوں کی ترقی

Scanned with CamScanner

کے لئے بہت کچھ کر سکتا تھا- مالیہ اور ٹیکس وصول کرنے کا بہتر انتظام تشکیل دے سکتا تھا- عوام کی خوشحالی کے لئے منصوبہ بندی کرتا لیکن جس جاگیرداری سماج کا وہ حصہ تھا اس میں ہر مظلوم کے اندر ظلم سے نجات پانے کے بعد ظالم اور جابر شخص میں ڈھل جانے کی ایک خواہش مستور ہوتی ہے-

۱۸۰۸ء میں انگریزوں اور رنجیت سنگھ کے مابین طے پانے والے معاہدے کے مطابق ستلج کے دوسری طرف کے علاقے سے اسے دستبردار ہونا پڑا - اور دونوں حکومتوں کے درمیان دریائے ستلج کو حد فاصل تسلیم کرنا پڑا - یہ فیصلہ اس نے اپنی اور انگریزوں کی فوجی طاقت کا موازنہ کرنے کے بعد کیا تھا- جب اسنے محسوس کیا کہ وہ فوجی طاقت کے بل بوتے پر انگریزوں کے علاقے اپنی سلطنت کا حصہ نہیں بنا سکتا تو اسنے شمال کی جانب نظر دوڑائی - شمال میں افغان تھے اور کشمیر بھی اسی طرف تھا- مغرب کی جانب ملتان' بہاولپور اور سندھ واقعہ تھے - افغانستان احمد شاہ ابدالی کے بعد کمزور ہوتا جارہا تھا - انیسویں صدی کے افغانستان کے حکمران خانہ جنگی میں مبتلا تھے - گو کشمیر بھی ان کے قبضے میں تھا اور ملتان بھی ان کا باجگزار تھا-

رنجیت سنگھ پنجاب کے مشرقی اور مغربی حصے کی صورت حال سے مایوس ہو کر شمال اور مغرب کی طرف لشکر کشی کا سوچنے لگا- اس مقصد کے لئے اس نے فوج کو مضبوط کیا - اب یہ فوجی قوت پنجاب کے دفاع سے زیادہ اردگرد کے علاقوں پر قبضہ کرنے کے لئے تشکیل دی گئی - چونکہ شمال کے علاقوں کے مسلمان حاکم اکثر جہاد کے نام پر پنجاب پر حملہ آور ہوتے تھے اسلئے رنجیت سنگھ نے بھی مذہبی کٹرپن کا مقابلہ کرنے کے لئے اپنی فوج میں بعض ایسے کٹر سکھ اکالی جتھے شامل کئے جو افغانوں کی طرح متعصب تھے - اس فوج پر اٹھنے والی رقم بہت زیادہ تھی - چنانچہ اردگرد کے علاقے فتح کرنے کی قیمت صوبے کے باسیوں کو ادا کرنا پڑی صوبے کی معاشی ترقی کی رقم دفاعی تیاریوں اور حملوں پر خرچ ہونے لگی - اس کا اندازہ کرنا مشکل نہیں - رنجیت سنگھ نے پنجاب پر چالیس برس تک حکومت کی - بہت سے علاقے فتح کئے اس کے باوجود سارے پنجاب پر نظر ڈالی جائے تو رنجیت سنگھ کے زمانے کی یادگار کتنی خوبصورت عمارتیں' کتنی نہریں' قلعے

یا عوام کی ضرورت یا دفاع کی دوسری چیزیں نظر آتی ہیں ؟ لے دے کے حضوری باغ جیسی چھوٹی سی خوبصورت بارہ دری' امرتسر کا دربار صاحب اور حافظ آباد کے نزدیک رنجیت سنگھ کا اجڑا ہوا باغ - یہ ہے رنجیت سنگھ کے دور کی کل ثقافتی و تہذیبی کائنات -

ہوا یہ ہے کہ رنجیت سنگھ کی فوجی سرگرمیوں اور چڑھائیوں نے اس عظیم پنجابی کو اتنی مہلت ہی نہ دی کہ وہ پنجاب کی آمدن پنجاب کے عوام پر خرچ کر سکتا- پنجاب کو جس قدر ترقی دینے کی اہلیت وہ رکھتا تھا کسی دوسرے میں نہیں تھی پر وہ اپنی اس اہلیت کو بروئے کار نہ لا سکا کیونکہ اسے فوجی مہم جوئی سے اتنی فرصت ہی نہیں ملتی تھی - پنجاب کو رنجیت سنگھ کے دور میں بیرونی حملہ آوروں سے نجات مل تو گئی لیکن پنجابی فوج نے خود لٹیروں کا روپ اختیار کر لیا - انگریزوں کے ساتھ میل جول رکھتے ہوئے اس نے پڑوسیوں کی کچھ خوبیاں بھی اپنائیں اور کچھ خرابیاں بھی-

فوج کی نفری میں دن بدن اضافہ کے ساتھ وہ مزید طاقتور ہوتی گئی یہاں تک کہ وہ ایک بہت بڑی قومی ہیکل عفریت بن گئی جسے قابو میں رکھنے کا ایک ہی طریقہ تھا کہ اسے اردگرد کے علاقوں میں فوجی مہم جوئی میں مصروف رکھا جائے - رنجیت سنگھ کے بعد ایسا ممکن نہ رہا تو اس فوج نے پنجاب کو فتح کرنا اور یہاں کے لوگوں کی لوٹ کھسوٹ شروع کر دی - دوسروں کو غلام بناتے بناتے اس نے پنجابیوں کو غلام بنا لیا- دوسروں کو غلام بنانے کی کوشش یا تو اپنوں کو غلام بنانے سے شروع ہوتی ہے یا انہیں غلام بنانے پر اختتام پذیر ہوتی ہے-

رنجیت سنگھ نے اپنی بے مثل انسان دوستی اور سیکولر ذہن کا مالک ہونے کے باوجود کوئی مفید انتظامی مشینری وراثت میں نہ چھوڑی - جیسا کہ سطور بالا میں کہا گیا ہے اس کا بنیادی سبب مسلسل فوجی مہم جوئی تھی - نتیجہ یہ نکلا کہ رنجیت سنگھ کے مرنے کے بعد سارا حکومتی ڈھانچہ ریت کی دیوار کی طرح مسمار ہو گیا- جو پنجابی سلطنت اتنی شان و شوکت کے ساتھ قائم ہوئی تھی رنجیت سنگھ کے مرنے کے بعد دس سال کے اندر ایسے ختم ہو گئی جیسے کبھی تھی ہی نہیں-

مہاراجہ ملکی انتظام کیسے چلاتا تھا جب وہ دنیا سے رخصت ہو گیا تو پنجاب حملہ

Scanned with CamScanner

آوروں کے آگے بے بس کیوں ہوگیا؟

رنجیت سنگھ کے دور میں تمام ریاستی کاروبار درباری انجام دیتے تھے جو فوجی اور سول افسر شاہی کے پانچ دھڑوں میں بٹے ہوئے تھے - پہلا دھڑا جموں کے ڈوگرے سرداروں کا' دوسرا سکھ سرداروں کا' تیسرا ہندو اور برہمن امراء کا' چوتھا مسلمان مشیروں کا اور پانچواں یورپین جرنیلوں کا تھا-

ڈوگرے سرداروں میں تین بھائی بہت مشہور ہوئے جو سکھ نہیں تھے بلکہ راجپوت ہونے کے ناطے "سنگھ" کہلواتے تھے - بڑا بھائی دھیان سنگھ تھا جس کی چونہ منڈی کے اندر حویلی آج بھی موجود ہے - دوسرا گلاب سنگھ تھا جس نے بعد میں انگریزوں سے کشمیر خریدا ' تیسرا سوچیت سنگھ تھا جو اپنے بھتیجے ہیرا سنگھ کی فوج کے ہاتھوں ۱۸۴۵ء میں مارا گیا - ان تینوں بھائیوں میں سے سب سے زیادہ ہوشیار دھیان سنگھ تھا جو تقریباً "بیس سال تک رنجیت سنگھ کا وزیر رہا-

سکھ سرداروں کا دھڑا لہنا سنگھ مجیٹھیہ اور سندھانوالے سرداروں پر مشتمل تھا- سندھانوالے رنجیت سنگھ کے رشتہ دار تھے لیکن ڈوگروں کے جانی دشمن - ان دونوں دھڑوں کے آپس کے جھگڑے رنجیت سنگھ کی زندگی میں دبے رہے لیکن اس کے انتقال کے بعد وہ کنٹرول سے باہر ہو گئے-

ہندو برہمن امراء میں سب سے نمایاں راجہ دینا ناتھ تھا جو وزیر خزانہ کے عہدے پر فائز تھا- دو مسلمان بھائی فقیر عزیز الدین اور فقیر نور الدین تھے یہ دونوں فارسی بول لیتے تھے اس لئے باہر کی حکومتوں کے ساتھ خط و کتابت اور بات چیت میں رنجیت سنگھ ان کی مدد لیتا تھا- ان کی اولاد اور رشتے داروں کا شمار آج کل پنجاب کے مشہور صنعت کاروں میں ہوتا ہے- یورپی جرنیل ونتورا اور اویتابیل وغیرہ نوکری کرنے اور مال کمانے آئے تھے- ان کا اس سرزمین سے کوئی رشتہ ناطہ نہیں تھا اور نہ ہی یہاں کوئی مستقبل-

دربار میں موجود ایک دوسرے کے ساتھ رقابت میں مبتلا ان پانچ دھڑوں کو رنجیت سنگھ نے اپنی ذہانت سے جوڑ کر رکھا ہوا تھا- ان کی قومیں' قبیلے اور مذہب جدا جدا تھے-

رنجیت سنگھ کے دور میں یہی دربار رنگ برنگے پھولوں کا گلدستہ بنا رہا لیکن اس کے مرتے ہی وہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے گروہوں میں بٹ گئے - ان کے خیالات اور گروہی مفادات میں اتنا فرق تھا کہ وہ حکومت کو درپیش آنے والے کسی بھی مسئلے کے بارے میں ایک رائے نہیں رکھتے تھے - چونکہ ہر بات کا فیصلہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کو کرنا پڑتا تھا- وہ عقل کل بھی تھا اس لئے انہوں نے کبھی بھی ملکی انتظامی پیچیدگیوں کو سمجھنے کی زحمت نہ کی تھی- وہ صرف بادشاہ کے غلام تھے- ان میں مفادات حاصل کرنے کے لئے مہم جوئی کا جذبہ موجود تھا لیکن پنجابی ریاست کے دفاع اور اپنی سرزمین سے محبت گہری جڑیں نہیں رکھتی تھی-

کیونکہ رنجیت سنگھ سول سروس کی اچھی مشینری نہیں بنا سکا تھا اس لئے کئی ایک انتظامی امور کی انجام دہی کے لئے بھی فوج کو استعمال کیا جاتا تھا- اس کی ایک مثال مالیہ کی وصولی ہے - اس مقصد کے لئے دور افتادہ علاقوں میں فوج بھیجنا معمول بن گیا تھا- اس کے نتیجے میں فوج کو اپنی اہمیت کا احساس ہونے لگا اور ملکی معاملات میں اس کا اثر بڑھتا چلا گیا- رنجیت سنگھ نے تو فوج کو نکیل ڈالے رکھی لیکن اس کے مرنے کے بعد وہ بے لگام ہو گئی - حالات اس قدر دگرگوں ہوگئے کہ ہر دو تین سالوں کے بعد مالیہ کی وصولی کے لئے کہیں نہ کہیں فوج بھیجنا ضروری ہوجاتا تھا- فوج اپنی ہی قوم کو رگیدتی تھی-

مہاراجہ نے مالیہ کی وصولی کا پرانہ طریقہ رائج رکھا یعنی مختلف علاقے جاگیرداروں کو ٹھیکے پر دینے کا طریقہ - اس نظام کی خرابی یہ ہے کہ اگر بادشاہ نیک ' رحمدل اور خداترس ہوتا تو مالیہ وصول کرنے والے ٹھیکیدار کسی قدر انصاف سے کام لیتے - اس کے برعکس اگر بادشاہ نااہل یا ظالم ہوتا تو ٹھیکیدار لوٹ مچا دیتے اور جتنا چاہتے مالیہ وصول کرتے - کچھ رقم سرکاری خزانے میں جمع کر کے باقی خود ہضم کر لیتے-

رنجیت سنگھ کے دور میں سرکاری زبان فارسی ہی رہی جس طرح غیر ملکی حکمرانوں کے دور میں تھی - یہ سمجھنا کہ راجہ رنجیت سنگھ کو پنجابی زبان اچھی نہیں لگتی تھی غلط ہے- مہاراجہ نہ صرف پنجابی بولتا تھا بلکہ پنجابی شعراء کی سرپرستی بھی کرتا تھا- اسے جنگی

مہمات سے فرصت ملتی تو وہ پنجابی زبان کی ترویج و ترقی کے اقدامات عمل میں لاتا۔ صرف اس کی مہر پر دیسی زبان کے الفاظ "اکل سہائے" کندہ تھے یعنی خدا مددگار ہو۔ باقی کاروائی فارسی زبان میں ہوتی تھی جسے منشیوں کے سوا کوئی دوسرا نہیں سمجھتا تھا۔ فوج کے سپاہیوں کا ان منشیوں کے ساتھ روز اول سے جھگڑا تھا۔ وہ تنخواہ کے طور پر رقم دیتے کچھ تھے اور لکھتے کچھ تھے، اسی لئے پنجابی میں محاورہ بن گیا کہ "آپ آپ کر موئی بچہ فارسیاں گھر گالے"۔ بدیسی زبان کی بالادستی کی سزا اہل پنجاب آج تک بھگت رہے ہیں۔

ایک اور مسئلہ جو رنجیت سنگھ کے دور حکومت میں موجود رہا اور جسے وہ کم تو کر سکا مگر مکمل طور پر ختم کرنے میں ناکام رہا وہ فرقہ واریت تھی۔ غیر ملکی حکمران اپنا اقتدار قائم رکھنے کے لئے فرقہ واریت کو ہوا دیتے رہتے تھے۔ مغل حکمرانوں نے پرامن سکھوں کو مذہب کے نام پر کچلنے کی راہ اختیار کی، یہاں تک کہ آخر کار سکھ اس مذہبی فرقہ واریت کا مقابلہ کرنے کے لئے ہتھیار اٹھانے پر مجبور ہو گئے اور ان میں بھی مذہبی تنگ نظری نے جڑیں پکڑ لیں۔ رنجیت سنگھ نے مذہبی تعصب کو بڑی حد تک کم کیا۔ پر جاگیرداری سماج میں سیاست بھی مذہبی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ رنجیت سنگھ عقیدے کے اعتبار سے سکھ تھا۔ پنجاب کا پہلا فرقہ وارانہ فساد ۱۸۰۷ء میں اس وقت برپا ہوا جب رنجیت سنگھ امرتسر میں انگریز نمائندے منکاف سے باہمی دلچسپی کے امور پر بات چیت کرنے گیا تھا۔ اتفاق سے محرم اور بیساکھی کے تہوار اکٹھے ہو گئے۔ مسلمانوں اور سکھوں کے درمیان فساد ہو گیا۔ اس فساد میں متعصب اکالی جرنیل پھولا سنگھ کا بھی ہاتھ تھا۔ اپنی تمام کمزوریوں کے باوجود رنجیت سنگھ ایک تاریخ ساز عظیم شخصیت کا مالک تھا۔ پنجاب کی ساری تاریخ میں اس سے بڑا سیاستدان اور منتظم دیکھنے میں نہیں آتا۔ وہ اپنے ہمعصر تمام ہندوستانی راجوں، مہاراجوں، عاملوں اور گورنروں سے بلند ہے۔ اس کے قد کاٹھ کا کوئی بھی شخص اٹھارویں اور انیسویں صدی میں ہندوستان میں پیدا نہیں ہوا۔ جملہ خامیوں کے باوجود رنجیت سنگھ نے چالیس سال تک حکومت کی۔ یہ اس کی ذاتی قابلیت، عوام کے ساتھ وابستگی اور حکومت اور عوام کے مابین

تضادات کو حل کرنے کی بے مثال اہلیت کا نتیجہ تھا۔ لیکن اس کے انتقال کے بعد اس کا قائم کیا ہوا سارا حکومتی نظام ریت کا گھروندا ثابت ہوا۔

اس کے مرنے کے فوراً بعد درباریوں کے آپس کے وہ اختلافات جو اس کی زندگی میں دبے رہے تھے۔ اختیار سے باہر ہو گئے۔ ڈوگروں کے دھڑے اور سندھانوالے سرداروں کے درمیان لڑائی چھڑ گئی۔

پنجاب۔ رنجیت سنگھ کے بعد

ریت کا گھر (۱) (۴۳-۱۸۳۹)

رنجیت سنگھ کے انتقال کے بعد اس کی وصیت کے مطابق اس کا بیٹا کھڑک سنگھ تخت پر بیٹھا۔ نئے مہاراجہ میں دو خامیاں تھیں۔ پہلی یہ کہ وہ افیون کا عادی تھا دوسری یہ کہ وہ قوت فیصلہ سے عاری، غور و فکر اور منصوبہ بندی کرنے کی صلاحیت سے محروم تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ان دو دھڑوں کو کنٹرول کرنے کی بجائے جانبداری کا ثبوت دیتے ہوئے سندھانوالوں کی مدد سے ڈوگرا دھڑے کو ختم کرنے کے منصوبے پر عمل کرنے لگا۔ عوام میں یہ بات پھیل گئی کہ کھڑک سنگھ دھیان سنگھ کو قتل کروانا چاہتا ہے۔ دھیان سنگھ ایک ذہین اور ہوشیار آدمی تھا۔ اس نے کھڑک سنگھ کے خلاف رائے عامہ ہموار کرنے کے لئے پروپیگنڈہ کی مہم شروع کی کہ مہاراجہ پنجاب کو انگریزوں کے پاس فروخت کرنا چاہتا ہے۔ اس پروپیگنڈے سے فوج بہت متاثر ہوئی اور اس نے کھڑک سنگھ کو "غدار" قرار دے کر اقتدار سے ہٹا کر اس کے بیٹے نونہال سنگھ کو تخت پر بٹھا دیا۔ پنجاب کی تاریخ میں فوج پہلی مرتبہ اس بات کی منصف بن بیٹھی کہ کون محب وطن ہے اور کون غدار۔ اس کے بعد فوج نے مہاراجہ اور وزیر دونوں کی تقرری کا اختیار حاصل کر لیا۔

کھڑک سنگھ بمشکل تین ماہ تک برسر اقتدار رہا اور نونہال سنگھ ایک سال سے کچھ

زیادہ۔ نونہال سنگھ لڑکپن میں فوج میں بھرتی ہو گیا تھا۔ وہ کسی حد تک فوج میں مقبول تھا اور وہ اسے اپنا نمائندہ تصور کرتی تھی۔ ایک سال کے بعد وہ ایک حادثے میں ہلاک ہو گیا۔ اس کے مرنے کے بعد دوسرے دھڑے یعنی سندھانوالے سرداروں نے ڈوگرا سرداروں کو پرے دھکیل کر کھڑک سنگھ کی بیوہ مائی چاند کور کو تخت پر بٹھا کر اپنی وزارت کا اعلان کر دیا۔ چاند کور کی حکومت صرف دو ماہ تک قائم رہ سکی۔

دھیان سنگھ وزیر نے رنجیت سنگھ کے بڑے بیٹے شیر سنگھ کے تعاون سے فوج میں اپنا اثر و رسوخ پیدا کرنا شروع کر دیا۔ اس زمانہ میں فوج لاہور کی انجینئرنگ یونیورسٹی کے عقب میں بدھو کے آوے کے نزدیک خیمہ زن ہوتی تھی۔ شیر سنگھ نے فوجی کیمپ میں جا کر فوجی جرنیلوں سے اقتدار کے لئے سودا بازی کی۔ اس وقت تک فوج ایک سیاسی پارٹی کی حیثیت اختیار کر چکی تھی۔ ہر رجمنٹ میں پنچ ہوتے تھے اور عام رجمنٹوں کے پنچوں کی ایک کونسل ہوتی تھی جو سیاسی فیصلے کرتی تھی۔ انہیں اس زمانے کے کور کمانڈر سمجھ لیں۔ یہ کور کمانڈر منتخب ہوا کرتے تھے۔ ان پنچوں نے شیر سنگھ کی وفاداری کا اعلان کرنے کے بعد لاہور کے قلعے میں بیٹھی چاند کور کا محاصرہ کر لیا۔ بیرون قلعہ اور اندرون قلعہ ہر طرف فوج ہی فوج نظر آ رہی تھی۔ فرق صرف یہ تھا کہ قلعہ کے اندر گلاب سنگھ کی ڈوگرا فوج تھی اور بیرون قلعہ سکھ سرداروں کی خالصہ فوج۔ قلعہ پر حملہ کرنے سے پہلے خالصہ فوج نے شہر میں داخل ہونے کا فیصلہ کیا۔

اس زمانہ میں لاہور کے چاروں طرف فصیل بنی ہوئی تھی۔ اور جنگ کی صورت میں فصیل کے دروازے بند کر دیئے جاتے تھے۔ لیکن دروازوں کی حفاظت کرنے والے بھی فوجی ہی تھے۔ شیر سنگھ نے انہیں رشوت دے کر دروازے کھلوائے اور فوج اور توپخانے سمیت شہر میں گھس گیا۔ لاہور قلعہ اور شاہی مسجد کے درمیان واقعہ حضوری باغ میں ڈیرے ڈال دیئے۔ اس کے بعد ستر ہزار فوجیوں نے لاہور شہر کے اندر لوٹ مار مچا دی۔ جس طرح کوئی بلا اپنے بچوں کو خود کھا جاتی ہے اسی طرح عوام کی محافظ فوج نے عوام کو کھانا شروع کر دیا۔

قلعہ میں محصور فوج اور محاصرہ کرنے والوں کے درمیان دو طرح کی جنگ جاری

Scanned with CamScanner

تھی - بندوقوں اور توپوں کے ساتھ بھی جنگ جیتنے کی کوشش کی جاری تھی اور فریق مخالف کے افسروں کو رشوت دے کر خریدنے کی کوشش بھی کی جا رہی تھی - پانچ روز تک خالصہ فوج قلعہ میں محصور فوج پر گولہ باری کرتی رہی اور قلعہ کے اندر سے نشانہ باز ڈوگرے باہر والوں کو بھونتے رہے لیکن جب ہار جیت کا کوئی فیصلہ نہ ہو سکا تو انعام و اکرام کا حربہ استعمال کیا گیا - پہلے قلعہ کے اندر محصور گلاب سنگھ نے اپنی فوج میں چار ماہ کی تنخواہ بطور بونس اس طرح تقسیم کی جیسے صنعتکار فیکٹری کے مزدوروں کو زیادہ سے زیادہ پیداوار کے صلہ میں بونس دیتا ہے - چار ماہ کی تنخواہ دینے کے علاوہ مزید ترقی کا وعدہ کیا گیا - دوسری طرف شیر سنگھ نے پانچ لاکھ روپے اپنی فوج میں تقسیم کیے اس کی اطلاع جب قلعہ کے اندر فوجیوں تک پہنچی تو انہوں نے بڑبڑانا شروع کر دیا - گلاب سنگھ نے پریشان ہو کر ہر فوجی کو ایک سو روپے فی کس تقسیم کرنے کا اعلان کر دیا -

آخر کار مہارانی چاند کور جاگیر کے عوض شیر سنگھ کے حق میں تخت سے دستبردار ہو گئی - چاند کور دو ماہ تک تخت نشین رہ سکی - شیر سنگھ کے مہاراجہ ہونے کا اعلان کر دیا گیا - وہ کوئی تین سال تک اس منصب پر فائز رہا چونکہ اس نے اقتدار ڈوگرے دھیان سنگھ کی مدد سے حاصل کیا تھا - اس لئے سندھانوالے سردار اس سے خار کھائے بیٹھے تھے - یہی بات اس کی موت کا سبب بنی - مہاراجہ شاہ بلاول کے باغ میں جو موجودہ انجینئرنگ یونیورسٹی کے عقب میں واقع تھا کشتیاں دیکھنے میں محو تھا - یہاں سندھانوالوں نے اسے دھوکہ سے گولی کا نشانہ بنا دیا - پر یہ تو بعد کا واقع ہے پورے تین سال تک فوج نے پنجاب کی کیا درگت بنائی یہ ہے اصل عبرت حاصل کرنے والی بات -

شیر سنگھ کو اقتدار فوج نے دلوایا تھا - اس کے تخت پر بیٹھتے ہی فوج منہ زور ہو گئی - اور تمام معاملات کے فیصلے فوج کے پنچ یعنی کور کمانڈر کرنے لگے اور سول حکومت ایک بے اختیار کٹھ پتلی بن کر رہ گئی - اس بے لگام فوج نے سب سے پہلے اپنا پیڑا غرق کیا - اس نے اپنے ان افسروں سے جن سے کوئی ناراضگی تھی پرانے بدلے چکانے شروع کیے - جس کسی نے بھی انہیں سزا دی تھی اسے انتقامی کاروائی کا نشانہ بنایا گیا - وہ افسر یا منشی جنہوں نے کبھی تنخواہ روک لی تھی یا انعام ان تک پہنچنے نہیں دیا تھا انہیں گریبان

سے جا پکڑا - بہت سے افسروں کو گھر سے نکال کر قتل کر کے ان کے گھروں کو نذر آتش کر دیا گیا - کئی فوجی افسر اور وزیر دن دھاڑے لوٹے گئے - پنجابی فوج کا ایک انگریز افسر لاہور میں اپنے ماتحتوں کے ہاتھوں قتل ہوا - رنجیت سنگھ کے مشہور جرنیل کورٹ کو جب اپنی ڈویژن کے ہاتھوں ذلت آمیز موت سامنے کھڑی نظر آئی تو وہ پنجاب سے ایسا بھاگا کہ پھر ساری زندگی اس طرف کا رخ نہ کیا - لاہور سے یہ دباء دوسرے شہروں تک پہنچ گئی - کشمیر میں جنرل مان سنگھ کو اس کے اپنے فوجیوں نے لوٹا اور پھر موت کے گھاٹ اتار دیا - رنجیت سنگھ کے ایک دوسرے نامی گرامی یورپی جرنیل اویتابیل کے خلاف فوجیوں نے پشاور میں بغاوت کر دی - اسے بھاگ کر جلال آباد میں پناہ لینا پڑی - مطلب یہ کہ فوج کے سیاست میں ملوث ہوتے ہی اس میں گروہ بندی ' بد نظمی اور بدعنوانی پیدا ہو گئی - فوج بھی ٹوٹ پھوٹ کا نشانہ بنی اور اس کے ہاتھوں عوام بھی برباد ہوئے - یعنی پنجابی فوج کے ہاتھوں پنجابی قوم کا گریبان تار تار ہوا -

ریت کا گھر (۲) ۴۹-۱۸۴۳

رنجیت سنگھ نے جو گھر تعمیر کیا تھا اس کی ذات کے جادو سے جگمگاتا ہوا محل نظر آتا تھا - خوبصورت پر سکون اور محفوظ - وہ جب تک زندہ رہا سوہنے دیس پنجاب کو حقیقی معنوں میں پر سکون اور خوشحال ملک بنائے رکھا - لیکن اس کی ذات کا طلسم ٹوٹتے ہی یہ محل ریت کے گھروندے کی طرح تیز ہوا کے پہلے جھونکے سے زمین پر آ گرا - اس کی تباہی کا بڑا سبب منہ زور فوج کی موجودگی اور ایسی انتظامی مشینری کا فقدان تھا جو قاعدے قانون کے مطابق چلے -

سندھانوالے سرداروں نے پہلے مہاراجہ شیر سنگھ کو قتل کیا - پھر اس کے نابالغ بیٹے کو - اس کے بعد انہوں نے ڈوگرے وزیر دھیان سنگھ کو بھی ٹھکانے لگا دیا - لیکن سکون انہیں بھی نصیب نہ ہوا - دھیان سنگھ کے بیٹے ہیرا سنگھ نے تیسرے دن انہیں موت کے گھاٹ اتار کر باپ کا بدلہ لے لیا -

Scanned with CamScanner

اب ہر شخص کی سمجھ میں یہ بات آگئی تھی کہ طاقت کا اصل سرچشمہ فوج ہے اور فوج کو ساتھ رکھنے کا طریقہ رشوت ہے - ہیرا سنگھ کو جب شیر سنگھ اور دھیان سنگھ کے قتل کی اطلاع ملی تو اس نے وہی راہ اختیار کی جس کا حالات تقاضا کرتے تھے - وہ سیدھا "بدھو کے آوے" یعنی خالصہ فوج کے جی - ایچ - کیو پہنچا اور فوج کے پنچوں کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض پرداز ہوا کہ سندھانوالے غدار اور انگریزوں کے ایجنٹ ہیں - ہیرا سنگھ نے اپنی دلیل میں وزن پیدا کرنے کے لئے فوج کی تنخواہ میں اضافہ کرنے کا وعدہ کیا - پیادہ سپاہی کی تنخواہ میں ڈیڑھ گنا اضافہ یعنی نو روپے ماہوار سے بڑھا کر بارہ روپے اور گھڑ سوار کو تیس روپے ماہوار - باقی فوج جس قدر شہر اور قلعہ کو لوٹ سکے وہ اس کا بونس - فوج کے پنچوں نے چالیس ہزار کا لشکر اکٹھا کیا اور ہیرا سنگھ کے ہمراہ قلعہ لاہور پر حملہ کر دیا - یہ فوج رات بھر لاہور کے شاہی قلعہ پر توپ خانے سے گولہ باری کرتی رہی اور اگلے دن دروازے توڑ کے اندر داخل ہوئی - غداروں اور غیر ملکی ایجنٹوں کو سزا دینے کے لئے بہاولوی کرنل مسٹر ہربن قلعے میں داخل ہوا - یہ پہلا فوجی تھا جو دیوار توڑ کر قلعے میں گھسا - سردار اجیت سنگھ اور لہنا سنگھ جو سندھانوالوں کے لیڈر تھے مارے گئے - ہیرا سنگھ نے رنجیت سنگھ کے چھ سالہ بیٹے دلیپ سنگھ کو تخت پر بٹھا کر اپنے وزیر ہونے کا اعلان کر دیا -

ہیرا سنگھ کے وزیر بنائے جانے کے بعد حکومت پر فوج کی گرفت مضبوط ہو گئی - چونکہ کسی کو تخت شاہی پر بٹھانے اور معزول کرنے کا پورا اختیار اسے حاصل تھا اس لئے وزیر کے لئے فوج کے ہر جائز ناجائز مطالبہ کو پورا کرنا ضروری ہو گیا - کسی وزیر یا درباری میں یہ جرات نہیں تھی کہ وہ فوج کی مرضی کے خلاف کوئی کام کر سکے - فوج جسے سزا دینا چاہتی یا اس کی گردن قلم کرانا چاہتی اسے انگریزوں کا ایجنٹ قرار دے کر ٹھکانے لگا دیتی - غداری کے الزام کی آڑ میں ملزم کے خلاف ہر قسم کی کاروائی جائز سمجھی جاتی تھی - ایک مورخ نے لکھا ہے کہ - "اس زمانے میں فوج کو طاقت کا منبع تصور کیا جاتا تھا' وہ جسے چاہتی اقتدار کی کرسی پر بٹھا دیتی اور جسے چاہتی تھی معزول کر دیتی تھی - فوج کے ناجائز مطالبے بھی پورے کئے جاتے - اسے جس چیز کی

بھی حرص ہوتی اسے ہر حالت میں حاصل کر لیتی تھی" -

رانی جنداں کا اقتدار اور پنجابی فوج کی بربادی

دلیپ سنگھ کو تخت پر بٹھا کر ہیرا سنگھ اس کا وزیر بن گیا لیکن سکون اسے بھی حاصل نہ ہوا - اس کے وزیر بنتے ہی درباریوں کا ایک مضبوط دھڑا اس کے خلاف کھڑا ہو گیا - جس میں اس کے چچا سوچیت سنگھ کے علاوہ دلیپ سنگھ کا ماموں اور رانی جنداں کا بھائی جواہر سنگھ بھی شامل تھا - ہیرا سنگھ اس طاقتور دھڑے سے نمٹنے کے لئے فوجی پنچوں کی خدمت میں حاضر ہوا اور ہر قسم کے واجبات کی ادائیگی کے علاوہ فوج کی تنخواہ میں ڈھائی روپے ماہانہ ترقی کی حامی بھر لی - اس کا اثر یہ ہوا کہ ہیرا سنگھ ایک مرتبہ پھر فوج کی حمایت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا - اور فوج نے جواہر سنگھ اور سوچیت سنگھ کو "غدار" قرار دیدیا - فوج کے اس اعلان کے بعد سوچیت سنگھ تو جان بچا کر جموں کی طرف فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا مگر جواہر سنگھ کو گرفتار کر کے جیل بھیج دیا گیا - اس دوران رنجیت سنگھ کے دو بڑے بیٹوں پشاورا سنگھ اور کشمیرا سنگھ نے بغاوت کا اعلان کر دیا اور خانہ جنگی شروع ہو گئی -

ہیرا سنگھ بمشکل سوا سال تک بر سر اقتدار رہا - خانہ جنگی اور فوجی اخراجات میں اضافہ کی وجہ سے جب خزانہ خالی ہو گیا اور ہیرا سنگھ کے لئے جنگی اخراجات کے علاوہ فوج کے روز افزوں مطالبات پورے کرنا ممکن نہ رہا تو فوج میں ہیرا سنگھ کے خلاف نا پسندیدگی کا اظہار کیا جانے لگا' طرح طرح کی مراعات کا تقاضا بھی شروع ہو گیا - حکومت کے لئے فوج کے نہ ختم ہونے والے مطالبوں کی تکمیل ممکن نہیں تھی - جب پنچوں نے ہیرا سنگھ کو اپنے مشیر خاص جلھا پنڈت کو جو اپنی بد اعمالیوں کی وجہ سے خواص و عام میں بدنام تھا' فوج کے حوالے کرنے کا مطالبہ کیا تو ہیرا سنگھ نے یہ مطالبہ ماننے سے انکار کر دیا - اب پنچوں نے اسے اقتدار سے علیحدہ کر کے گرفتار کرنا چاہا - ہیرا سنگھ اور جلھا پنڈت نے لاہور سے فرار ہو جانے ہی میں عافیت سمجھی' لیکن

Scanned with CamScanner

تعاقب میں آنے والی فوج نے اسے لاہور سے تھوڑی دور ہی جالیا اور اسی جگہ دونوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا- یہ واقعہ ۲۱ دسمبر ۱۸۴۴ء میں وقوع پذیر ہوا-

ہیرا سنگھ کے بعد مہاراجہ دلیپ سنگھ کے ماموں جواہر سنگھ کو وزارت کا عہدہ پیش کیا گیا لیکن نو ماہ کے بعد وہ بھی اسی فوج کے ہاتھوں قتل ہوا جس کے ہاتھوں نو ماہ پہلے اس نے ہیرا سنگھ کے ٹکڑے کروائے تھے

جواہر سنگھ کی ہلاکت کا بنیادی سبب بھی فوج کے ناقابل تسلیم مطالبات تھے- جواہر سنگھ نے وزیر بنتے ہی ابتداء میں دھڑا دھڑ فوج کو رشوت دینے کا سلسلہ شروع کر دیا- خزانہ تو پہلے ہی خالی پڑا تھا سو جواہر سنگھ نے یہ کیا کہ رنجیت سنگھ نے چالیس برس کے دوران مفتوحہ علاقوں سے مال غنیمت کے طور پر جو سونے کے برتن اور دیگر نوادرات اکٹھے کئے تھے انھیں پگھلا کر سونے کے کنٹھے بنوائے اور فوج میں انعام کے طور پر بانٹ دیئے سونے کے ان ظروف و نوادرات کو شاہی توشہ خانہ سے حاصل کر کے کنٹھوں میں ڈھالنے کا کام تقریباً دو ماہ تک جاری رہا- کچھ دیر کے لئے تو فوج کے وارے نیارے ہو گئے پر انعام و اکرام کا یہ سلسلہ عرصہ دراز تک جاری نہیں رکھا جا سکتا تھا کیونکہ عوام سے وصول ہونے والے ٹیکسوں سے یا تو حکومت کے کام چلائے جاتے یا انہیں فوج میں تقسیم کر دیا جاتا- حاصل شدہ ٹیکسوں سے ایک وقت میں ایک ہی کام سر انجام دیا جا سکتا تھا- کچھ عرصے کے بعد جب فوج نے دیکھا کہ انکے مطالبات پورے نہیں کئے جا رہے تو اس نے جواہر سنگھ کو جی- ایچ- کیو میں حاضر ہونے کا حکم دیا- حکم عدولی کی جرآت کون کر سکتا تھا- جواہر سنگھ اپنے بھانجے دلیپ سنگھ کو گود میں لئے ہاتھی پر سوار ہو کر کانپتے ہاتھوں اور لرزتی ٹانگوں سے فوجی کونسل کے سامنے پیش ہوا- دوسرے ہاتھی پر بیٹھ کر مہارانی جنداں بھائی کی سفارش کرنے کے لئے آئی مگر خود سر اور منہ زور جرنیلوں نے جواہر سنگھ کو بہن کے سامنے قتل کر دیا-

جواہر سنگھ کے بعد کوئی فرد وزارت کا عہدہ سنبھالنے پر آمادہ نہیں ہوتا تھا کیونکہ ہر آدمی جانتا تھا کہ حکومت چلانا اس لئے ممکن نہیں کہ فوج کے ان گنت مطالبے کسی صورت پورے نہیں کئے جا سکتے- اور جو شخص بھی وزیر بننے کے بعد فوج کا پیٹ

بھرنے سے انکار کرے گا اس کا انجام جواہر سنگھ اور ہیرا سنگھ سے مختلف نہیں ہو گا-

جب گلاب سنگھ کو وزارت پیش کی گئی تو اس نے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا' تیج سنگھ نے بھی اسے ٹھکرا دیا- وزیر کے بغیر حکومت کے کام چلانے ممکن نہیں تھے- لیکن وزیر کہاں سے آتے ؟- غور و خوض کے بعد طے پایا کہ دلیپ سنگھ پانچ آدمیوں کے نام کی پرچیاں لکھے اور قرعہ اندازی کے ذریعے جس آدمی کے نام کی پرچی نکلے اسے وزیر بنا دیا جائے- قرعہ لال سنگھ برہمن کے نام نکلا- یہ شخص رانی جنداں کا ہمراز تھا اور جنداں بھی اسی کو وزیر بنانا چاہتی تھی-

لال سنگھ نے عہدہ وزارت سنبھالتے ہی اعلان کیا گیا کہ آئندہ رانی جنداں پنجاب کی ایجنٹ ہو گی اور دلیپ سنگھ کے بالغ ہونے کی وجہ سے ریاست کی سربراہی کے فرائض بھی سر انجام دے گی-

رانی جنداں اور لال سنگھ کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ اس شوریدہ سر فوج سے کیسے نمٹا جائے- فوج کے بے حساب مطالبات کی عدم تکمیل کا نتیجہ موت کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا تھا- ایک مورخ کے مطابق "اس وقت خالصہ فوج طاقت کے اعتبار سے عروج پر تھی- ہر شخص اس سے خوفزدہ تھا- ریاست کے اعلیٰ افسر اور عہدیدار بھی سمجھتے تھے کہ اگر فوج کی حرص اور لالچ کی تسکین نہ ہوئی تو وہ بھی اس کے ہاتھوں قتل کر دیئے جائیں گے- اس حرص کی کوئی انتہا نہیں تھی- اور یہ کبھی شرمندہ تسکین نہیں ہوتی تھی"- رانی جنداں کو بھی خطرناک صورت حال میں گھرے ہونے کا احساس تھا-

رانی جنداں کو خزانہ خالی نظر آ رہا تھا- تمام توشہ خانہ بھی فوج میں تقسیم کر دیا گیا تھا- لیکن فوجی پنچ تھے کہ مزید مطالبات کئے جا رہے تھے- انہوں نے بتدریج یہ کہنا شروع کر دیا کہ مہاراجہ شیر سنگھ کا ایک اور چھوٹا لڑکا ہے جسے دلیپ سنگھ کی بجائے راجہ بنایا جا سکتا ہے- اب صاف نظر آنے لگا تھا کہ جو مشینری پنجابی ریاست کے تحفظ کے لئے تخلیق کی گئی تھی وہی مشینری اسکی تباہی و بربادی پر تلی بیٹھی ہے- فوج جس نے عوام کا پہلے ہی بھرکس نکال دیا تھا اب وہ ایک کے بعد دوسری حکومت کو نگلتی جا رہی تھی- رانی جنداں

Scanned with CamScanner

کو اس عذاب سے نجات حاصل کرنے کا ایک ہی راستہ نظر آیا کہ فوج کو انگریزوں سے لڑا دیا جائے - سو اس نے یہی کیا- پر اس کاروائی کے نتیجے میں پنجابی فوج کے ساتھ ساتھ رانی جنداں کا اقتدار بھی ختم ہو گیا' پنجاب کی خود مختار اور آزاد ریاست کا وجود مٹ گیا اور انگریزوں نے پنجاب پر قبضہ کر لیا-

پہلی پنجابی جنگ ۴۶-۱۸۴۵ء

پہلی پنجابی جنگ ایک ایسی سازش کا نتیجہ تھی جس میں پنجابی حکومت کے سربراہ کے علاوہ اس کی فوج کا کمانڈر انچیف تیج سنگھ بھی شریک تھا- پنجاب دربار کے لئے پنجابی فوج اللہ دین کی بوتل سے نکلا ہوا ایسا جن بن چکی تھی جسے واپس بوتل میں بند کرنا ممکن نہیں تھا- وہ ایک ایسی فوج بن چکی تھی جس کی خوشنودی اور خفگی دونوں صورتوں میں بربادی کے سوا کوئی دوسرا نتیجہ برآمد نہیں ہوتا تھا- رانی جنداں کا خیال تھا کہ نافرمان اور باغی فوج کو انگریزوں کے ساتھ لڑا کے کمزور کیا جائے اور پھر اسے کنٹرول کیا جائے- یہ مقصد حاصل کرنے کے لئے پہلے یہ پروپیگنڈہ کیا گیا کہ انگریز پنجاب پر حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہے ہیں - ویسے بھی انگریز بہت پہلے سے ان تیاریوں میں مصروف تھے - چنانچہ جنداں کے لئے یہ باور کرنا کچھ مشکل نہیں تھا- پنجابی فوج بھی ایک عرصے سے اپنے اڑوس پڑوس سے الجھنے کے لئے کسمسا رہی تھی کیونکہ اندرون ملک اس کی مسلسل لوٹ مار کے نتیجے میں اب لوٹنے کے لئے کوئی چیز باقی نہیں بچی تھی- چنانچہ فوج جلد ہی انگریزوں سے ٹکر لینے کے لئے بیتاب ہو گئی - ایک عام فوجی کو انگریزوں کی فوجی طاقت کا اندازہ نہیں تھا لیکن پنجاب کی فوج کے پنچ حقیقت سے واقف تھے - انہوں نے ابتدا میں انگریزوں سے ٹکر لینے کی مخالفت کی - مگر رانی جنداں نے پروپیگنڈے کا وہی حربہ استعمال کیا جو پہلے پنچ استعمال کیا کرتے تھے - اس نے سرگوشیوں کی مہم چلائی کہ اس جنگ کی مخالفت وہ لوگ کر رہے ہیں جو انگریزوں کے ایجنٹ اور غدار ہیں' اس طرح جنداں نے فوجی پنچوں کو انگریزوں کے خلاف

جنگ کرنے پر مجبور کر دیا-

جنگ کا اعلان رنجیت سنگھ کی سلوھی پر کیا گیا- وہاں فوج کی تمام پنچ کمیٹیوں نے اکٹھے ہو کر عہد کیا کہ وہ انگریزوں کو نیست و نابود کر کے دم لیں گے - ۱۱ دسمبر ۱۸۴۵ء کو پنجاب کی فوج دریائے ستلج کے دوسرے کنارے واقع بین الاقوامی سرحد سے گذر کر انگریز علاقے میں داخل ہو گئی - اس جنگ کے لئے نہ تو عوام میں سیاسی پروپیگنڈہ کیا گیا تھا اور نہ ہی انتظامی تیاری کی گئی تھی-

اس پہلی پنجابی جنگ میں کئی چھوٹی چھوٹی لڑائیاں اور جھڑپیں ہوئیں - لیکن تین بڑی اہم لڑائیوں کا ذکر ضروری ہے-

مدکی کی لڑائی-

پنجابی فوج کا ایسٹ انڈیا کمپنی کی انگریز فوج سے پہلا آمنا سامنا ۱۶ دسمبر ۱۸۴۵ء کو فیروز پور سے بیس میل دور مدکی کے مقام پر ہوا - پنجابی فوج کی تعداد تیس ہزار تھی اور اس کی کمان وزیر لال سنگھ کر رہا تھا جو خود پنجاب کو شکست دلوانے کی سازش میں شامل تھا- چنانچہ پنجابی فوج کے ساتھ اس کی کمان کرنے والوں نے دھوکہ کیا- دریائے ستلج کو عبور کرنے کے بعد لال سنگھ نے انگریزی فوج کے کیپٹن نکلسن کو چٹھی لکھی کہ وہ پنجابی فوج کو دو دن تک پیش قدمی سے روکے رکھے گا تاکہ اس کا ملاپ پیدل فوج سے نہ ہو سکے بشرطیکہ اسے اور رانی جنداں کو حکومت برطانیہ کا دوست سمجھا جائے-

کمان کرنے والے جرنیل کی دغابازی کے باوجود پنجابی فوج کا عام سپاہی اتنی بہادری سے حملہ آور ہوا کہ برطانوی فوج میں افراتفری پیدا ہو گئی - پنجابی توپچیوں کی گولہ باری سے یورپین رجمنٹ کے پاؤں اکھڑ گئے - لیکن فتح انگریزوں کی ہوئی - کیونکہ پنجابی فوج کا کمانڈر لڑائی شروع ہوتے ہی فوج کو چھوڑ کر فرار ہو گیا- اس لڑائی میں دو برطانوی جرنیل مارے گئے - ایک میجر جنرل سر رابرٹ ہیل اور دوسرا میجر جنرل سر جان مکاسکی-

Scanned with CamScanner

فیروز شہر کی لڑائی۔

یہ لڑائی مدکی اور فیروز پور سے دس میل کے فاصلے پر ۲۱ دسمبر ۱۸۴۵ء کو ہوئی۔ اس لڑائی میں پھر پنجابی فوج کو اس کی کمان کرنے والوں نے مروایا۔ اس لڑائی کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ گورنر جنرل لارڈ ہارڈنگ خود انگریزی فوج کے ایک حصے کی کمان کر رہا تھا۔ جنگ کے بعد اس نے لکھا تھا۔ "ہندوستان میں انگریزوں کا اس سے پہلے کسی لڑائی میں اتنا کڑا اور شدید مقابلہ نہیں ہوا تھا اور نہ ہمیں کبھی اتنے خطرات کا سامنا کرنا پڑا۔" اس لڑائی میں انگریز بریگیڈیئر والس اور میجر براڈفٹ مارے گئے اور گورنر جنرل کا سارا سٹاف ماسوائے کیپٹن ہارڈنگ کے زخمی ہوا۔

سبھراؤں کی لڑائی۔

یہ لڑائی فیروز پور سے دس میل کے فاصلے پر ۱۰ فروری ۱۸۴۶ء کو لڑی گئی۔ اس میں پنجابی فوج کی کمان کمانڈر انچیف جنرل تیج سنگھ کے ہاتھ میں تھی۔ اس نے بھی اپنی فوج کے ساتھ وہی کیا جو اس سے پہلے لال سنگھ کر چکا تھا۔ پہلا حملہ ہوتے ہی تیج سنگھ بہادری سے جنگ میں مصروف فوج کو چھوڑ کر ستلج کو عبور کر کے اپنے علاقے میں جا چھپا۔ اس نے جاتے جاتے ستلج پر کشتیوں کا بنا ہوا پل توڑ دیا تاکہ پنجابی فوج کی مدد کے لئے کمک نہ پہنچ سکے اور پیچھے ہٹنے کی راہ بھی نہ ملے۔ کمانڈر انچیف کی غداری کے باوجود فوج بڑی بے جگری سے لڑی۔ اس جنگ میں میجر جنرل سر رابرٹ ڈک جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ یہ جرنیل واٹرلو کے محاذ پر نپولین کے خلاف جنگ لڑ چکا تھا۔ اور جانا پہچانا جرنیل تھا۔ اس لڑائی پر تبصرہ کرتے ہوئے کننگھم لکھتا ہے۔ "لاہور دربار کی عظمت کی حفاظت کے لئے فوج کے سپاہیوں اور نچلے درجے کے افسروں نے بہت اچھی کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔ لیکن فوج و سول کے اعلےٰ افسروں نے ان کی کوششیں ناکام بنا دیں۔"

پہلی سکھ جنگ نے پنجاب کی فوج کی کمر توڑ کر رکھ دی اور اس کی تنظیم کو سخت نقصان پہنچا۔ اس جنگ میں آٹھ ہزار سپاہی مارے گئے اور ہزاروں کی تعداد میں زخمی ہوئے۔ سارے توپخانے پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا۔

۱۲ فروری ۱۸۴۶ء کو انگریز فوج ستلج سے گذر کر اس پنجاب میں داخل ہو گئی جس کی آزادی کا سودا طے کیا جا رہا تھا۔ انگریزوں نے قصور پر قبضہ کر لیا۔ لاہور دربار کی جانب سے گلاب سنگھ ڈوگرا انگریزوں کے ساتھ صلح کی شرائط طے کرنے کے لئے آیا۔ اس جگہ سے ۱۸ فروری ۱۸۴۶ء کو انگریز گورنر جنرل نے مہاراجہ دلیپ سنگھ کو لمیانی طلب کر کے اطاعت گذاری کا اعلان کرایا۔ ۲۰ فروری ۱۸۴۶ء کو انگریز گورنر جنرل نے کمانڈر انچیف سمیت میاں میر لاہور چھاؤنی میں ڈیرے ڈال دئے۔ ۸ مارچ ۱۸۴۶ء کو لاہور دربار اور انگریزوں کے درمیان مندرجہ ذیل معاہدہ طے پایا

۱۔ ایسٹ انڈیا کمپنی مہاراجہ دلیپ سنگھ کو پنجاب کا خود مختار حکمران تسلیم کرتی ہے۔ کیونکہ راجہ کم سن ہے اس لئے اس کی والدہ ایجنٹ ہو گی اور لال سنگھ وزیر ہو گا۔

۲۔ لاہور دربار مسلح افواج کی تعداد کم کرے گا۔ پیدل فوج بیس ہزار اور گھوڑ سوار بارہ ہزار سے زیادہ نہیں ہوں گے۔

۳۔ وہ تمام توپیں جو انگریزوں کے خلاف استعمال کی گئی تھیں کمپنی کی تحویل میں دیدی جائیں گی۔

۴۔ اگر برطانوی فوج کو لاہور سے گزرنے کی ضرورت ہو گی تو لاہور دربار انگریز افواج کو سہولتیں فراہم کرے گا۔

۵۔ لاہور دربار کسی بھی یورپی یا امریکی باشندے کو کمپنی کی اجازت کے بغیر ملازم رکھ نہیں سکے گا۔

۶۔ انگریز فوج کا ایک دستہ امن وامان قائم کرنے میں مدد دینے کے لئے سال کے آخر تک لاہور میں مقیم رہے گا اور اس کے اخراجات لاہور دربار ادا کرے گا۔

۷۔ لاہور دربار میں انگریز ریذیڈنٹ افسر قیام کرے گا۔

۸۔ لاہور دربار ڈیڑھ کروڑ روپے تاوان جنگ ادا کرے گا۔

Scanned with CamScanner

خزانہ بالکل خالی تھا تو ان ادا کرنے کے لئے رقم موجود نہیں تھی- انگریزوں نے پہلے ہی اس کا حل سوچ رکھا تھا- ایک کروڑ روپے کے عوض انہوں نے دوآبہ بست جالندھر جو ستلج اور بیاس کے درمیان واقع ہے لے لیا- اور باقی پچاس کروڑ روپے کے عوض سارا کشمیر اور ہزارہ راجہ گلاب سنگھ کو عطا کر کے اسے خود مختار حاکم بنا دیا- مہاراجہ اب ان علاقوں کے مسائل کے بارے صرف کمپنی کو جوابدہ تھا-

۹ مارچ ۱۸۴۶ء کا یہ معاہدہ نہایت ذلت آمیز سودا تھا- پنجاب اس معاہدے تک دو وجوہات کی بنا پر پہنچا تھا- ایک وجہ انگریزوں کی سامراجیت اور توسیع پسندی تھی اور دوسری وجہ لاہور دربار کی سازش تھی اس فوج کو تباہ کرنے کی جس فوج سے ہر فرد تنگ آچکا تھا- انگریز اس وقت تک پنجاب کو فتح کرنے سے کتراتے تھے کیونکہ اسے فتح کرنے کی قیمت انہیں بہت بھاری نظر آتی تھی- ان کا خیال تھا کہ پنجاب کی فوج کے ساتھ جنگ بہت مشکل کام ہو گا- اور تھا بھی ایسے ہی- لیکن چونکہ پنجاب کی فوج خود پنجاب کے عوام کے لئے ایک مصیبت بنی ہوئی تھی سو اس کا ڈھانچہ مسمار کرنا آسان ہو گیا- فوج اپنے عوام کے لئے جب بھی عذاب بن جاتی ہے تو اس کا انجام ایسا ہی ہوتا ہے-

جنگ کے اختتام کے بعد پنجاب میں ہر طرف مایوسی طاری ہو گئی' فوج منتشر اور معیشت تباہ ہو گئی- لوگوں کو دور دور تک کوئی ایسی شخصیت یا ادارہ نظر نہیں آرہا تھا جو ان کی راہبری اور قیادت کر سکے- جہاں تک پنجاب کی خود مختاری کا سوال ہے وہ اب برائے نام تھی دوسری سکھ جنگ کے بعد وہ بھی ختم ہو گئی-

بھیرووال- پنجاب کی غلامی کا پروانہ-

مارچ ۱۸۴۶ء کے معاہدہ لاہور نے انگریزوں کو پنجاب میں خاموشی سے پاؤں داخل کرنے کا موقعہ فراہم کیا- لیکن دسمبر ۱۸۴۶ء کے معاہدہ بھیرووال نے رہی سہی کسر پوری کر دی اور انگریز دندناتے ہوئے پنجاب میں داخل ہو گئے- پنجاب کی آزادی اور

خود مختاری صرف نام کی رہ گئی-

معاہدہ لاہور کے ذریعے انگریزوں نے پنجاب حکومت کی فوجی طاقت پر ضرب لگا کر اسے اپنا دفاع کرنے کے قابل نہ رہنے دیا- لیکن اس معاہدے کے بعد بھی پنجاب کے مسائل حکومت پنجاب ہی سلجھاتی رہی- معاہدہ بھیرووال کے بعد انگریزوں نے پنجاب کی انتظامی مشینری کو اس طرح اپنے قبضہ میں کر لیا کہ کوئی بھی فیصلہ گورنر جنرل ہندوستان کی منظوری کے بغیر جس کا نمائندہ ریذیڈنٹ تھا نہیں ہو سکتا تھا- اس معاہدے کی رو سے پنجاب عملی طور پر برطانوی حکومت کا ایک صوبہ بن گیا-

یہ معاہدہ پنجاب دربار کو کیسے اور کن وجوہ کی بنا پر کرنا پڑا؟ انگریزوں نے اس معاہدے میں حکومت پنجاب کو پھانسنے کے کیسے کیسے ہتھکنڈوں اور مکر و فریب کے جال بچھائے ان کا ذکر دلچسپی سے خالی نہیں ہو گا-

پنجاب کی فوج جس قدر طاقتور ہوتی گئی اتنا ہی پنجاب کمزور ہوتا گیا- یہ سب کچھ اس سے پہلے ہم رنجیت سنگھ کے بعد کے احوال میں بیان کر چکے ہیں - ضرورت سے زیادہ طاقتور اور خود سر فوج سے عہدہ برآ ہونے کے لئے رانی جنداں نے اسے جنگ کی بھٹی میں دھکیل دیا- کچھ ماری گئی' کچھ کو نوکریوں سے فارغ کر دیا گیا- تھوڑی سی باقی رہ گئی- پنجاب کی انگریزوں کے خلاف پہلی جنگ کے بعد جسے پہلی سکھ جنگ کہا جاتا ہے لاہور میں امن قائم رکھنے کے لئے انگریز فوج طلب کی گئی - یہ فوج ۱۸۴۶ء کے معاہدے کے مطابق ایک سال بعد لاہور سے چلے جانا تھی - لیکن اس کے چلے جانے کے بعد دوبارہ بد امنی پیدا ہونے کا امکان تھا- بد امنی کی بنیاد موجود تھی- یعنی پنجابی فوج کا وہ بڑا حصہ جسے نوکریوں سے نکالا گیا تھا اور وہ نفری کے اعتبار سے بہت بڑی تعداد میں تھا پنجاب دربار کے لئے خوف کا باعث بن گیا- رنجیت سنگھ کے انتقال کے بعد انہوں نے چوکیداری کرنے کی بجائے ڈاکوؤں کا جو روپ اختیار کر لیا تھا اسے یاد کر کے لوگوں پر خوف و ہراس طاری ہو جاتا تھا-

۸ مارچ ۱۸۴۶ء والا معاہدہ طے پائے تین مہینے بھی گذرنے نہیں پائے تھے کہ دربار میں اس تشویش نے سر اٹھایا کہ لاہور سے انگریز فوج کے روانہ ہو جانے کے بعد لاہور

Scanned with CamScanner

پر کیا گذرے گی - اصل میں ان خدشات کا پروپیگنڈہ خود انگریزوں نے ہی کرایا تھا - دلیپ سنگھ ابھی سات سال کا بچہ تھا - رانی جنداں کو ڈر تھا کہ انگریزوں کے جاتے ہی پنجاب میں فوج گردی شروع ہو سکتی ہے - اور سرداروں کا کوئی دھڑا فوجیوں کے تعاون سے کسی دوسرے کو تخت کا وارث بنا کر دلیپ سنگھ سمیت اسے قتل کرا سکتا ہے شیر سنگھ 'ہیرا سنگھ اور جواہر سنگھ کا انجام سب کے سامنے تھا -

انگریز رانی جنداں اور دوسرے درباریوں کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے - چنانچہ گورنر جنرل کے اشارے پر ریذیڈنٹ سر ہنری مارنس نے سرداروں کو انگریزوں کا پنجاب میں عمل دخل بڑھانے پر آمادہ کرنے کی کوشش شروع کر دی - اس کا مقصد یہ تھا کہ پہلے رانی جنداں کو دلیپ سنگھ کی سرپرستی سے الگ کر کے تمام اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لئے جائیں - اور پھر مناسب موقعہ پاتے ہی دلیپ سنگھ کو تخت سے محروم کر کے پنجاب کو برٹش انڈیا کا حصہ بنا دیا جائے -

اس مقصد کے حصول کے لئے انگریزوں نے دلیپ سنگھ کے رشتہ دار سردار شیر سنگھ سندھانوالے کو اعتماد میں لیا - انگریزوں نے کچھ عرصہ پہلے پنجاب دربار کو جاگیریں کم کرنے کا مشورہ دیا تھا - مگر اب سرداروں کو اس شرط پر جاگیروں کی بحالی کی تجویز دی کہ وہ پنجاب کا سارا انتظام انگریز حکومت کے حوالے کرنے پر اتفاق کریں - اس مقصد کے حصول کے لئے سر ہنری لارنس نے سرداروں کو دھمکیاں بھی دیں' سمجھانے کی کوشش بھی کی' رشوت دی' مزید انعام کا لالچ بھی دیا لیکن سردار کچھ دیر تک اس تجویز کی حمایت کرنے سے گریزاں رہے -

آخر انگریزوں نے ایک نئی چال چلی - وہ جانتے تھے کہ انگریز افواج کے لاہور سے چلے جانے کے بعد سردار عدم تحفظ کا شکار ہو جائیں گے سو انہوں نے سرداروں کے اس خوف و ہراس کو سیاسی دباؤ کے طور پر استعمال کیا - انگریزی فوج کے چھوٹے چھوٹے یونٹوں کو آہستہ آہستہ فیروز پور اور قصور روانہ کرنا شروع کر دیا - یہ حربہ کارگر ثابت ہوا اور دربار اس تشویش میں مبتلا ہو گیا کہ انگریزی افواج کے انخلا کے بعد وہ غیر محفوظ ہو جائے گا - لہٰذا دربار نے انگریز ریذیڈنٹ کے سامنے ہتھیار ڈال دیے - جنداں کا

وجود پھر بھی انگریزوں کی راہ میں روڑا بنا رہا - اسے انگریزوں کے اصل عزائم صاف نظر آ رہے تھے اور وہ اس تجویز سے اتفاق نہیں کر رہی تھی -

اس مشکل پر قابو پانے کے لئے انگریز ریذیڈنٹ نے پنجاب دربار کا خصوصی اجلاس طلب کیا تاکہ اپنے حق میں فیصلہ کروا سکے - اس اجلاس میں جنداں کو مدعو نہ کیا گیا - یہ ایک انوکھی بات تھی کیونکہ جنداں اس کونسل کی سربراہ اعلیٰ ہونے کے علاوہ قانونی طور پر دلیپ سنگھ کے سن بلوغت کو پہنچنے تک پنجاب کی سربراہ تھی - جنداں کی غیر موجودگی میں دربار کی طرف سے انگریز ریذیڈنٹ کو درخواست پیش کی گئی کہ ایک سال کی مدت گذرنے کے بعد بھی انگریز فوج کو لاہور سے کسی دوسری جگہ منتقل نہ کیا جائے - اس تجویز پر ریذیڈنٹ نے بظاہر ناپسندیدگی کا مظاہرہ کیا اور یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ انگریز حکومت کے لئے اس تجویز کو قبول کرنا مشکل ہے - لیکن بعد میں ازراہ عنایت مندرجہ ذیل شرائط کی صورت میں اسے منظور کرنے پر آمادہ ہوا -

۱ - لاہور میں موجود انگریز ریذیڈنٹ تمام سرکاری محکموں اور معاملات میں مداخلت کر سکے گا - اور یہ سب کچھ اس کے اختیار میں ہو گا -

۲ - برطانوی فوج کو ہر اس جگہ جانے کا قانونی اختیار ہو گا جہاں فوج کا مفاد اور لوگوں کی بہتری اس کا تقاضا کرے گی -

۳ - گورنر جنرل جس بھی فوجی چوکی یا قلعے پر قبضہ کرنا چاہے گا وہ اس کے حوالے کر دیا جائے گا -

۴ - رانی جنداں کو کونسل کی سربراہی سے علیحدہ کر کے اس کی جگہ انگریز ریذیڈنٹ مقرر کیا جائے گا -

۵ - یہ انتظامی معاہدہ ۱۸۵۴ء تک کے لئے ہو گا - اور جب دلیپ سنگھ ۱۶ برس کا ہو جائے گا تو اسے مہاراجہ بنا کر عنان حکومت سونپ دی جائے گی -

اس معاہدے پر ۱۶ دسمبر ۱۸۴۶ء میں ۵۲ سرداروں نے دستخط کر کے پنجاب کی آزادی اور خود مختاری کا سودا کر دیا - دس ہزار انگریز فوج پہلے ہی قبضہ کئے بیٹھی تھی - اس معاہدے کی رو سے انگریزوں کو پنجاب میں مزید فوج بھیجنے کی اجازت مل گئی -

Scanned with CamScanner

معاہدہ بھیروال کے نتیجے میں لاہور دربار کے آٹھ افراد کی ایک کونسل بنائی گئی۔ ان کے نام یہ تھے۔ سردار تیج سنگھ، دیوان دینا ناتھ، سردار شیر سنگھ اٹاری والا، فقیر نورالدین، سردار رنجودھ سنگھ، بھائی ندھان سنگھ، سردار عطر سنگھ کلیانوالہ۔ کونسل تو وجود میں آگئی لیکن اختیارات کے اعتبار سے اس کی حیثیت محض نمائشی تھی۔ اس کا سربراہ اعلیٰ انگریز ریذیڈنٹ تمام اختیارات کا مالک تھا۔ وہ کسی بھی اہم مسئلے کے بارے میں ارکان کی رائے کا پابند نہیں تھا بلکہ تمام فیصلے گورنر جنرل کے احکامات کے مطابق انجام دیتا تھا۔

باقی رہ گئی رانی جنداں۔ اس کی تذلیل اس حد تک کی گئی کہ پورے پنجاب میں اس کے لئے ہمدردی کے جذبات پیدا ہو گئے۔ پہلے رانی جنداں کو کونسل کے اعلیٰ عہدے سے ہٹایا گیا پھر جھوٹے الزام کی بنیاد پر کہ وہ انگریز حکومت کے خلاف سازش کرتی رہی ہے اسے دلیپ سنگھ سے جدا کر کے قلعہ شیخوپورہ میں نظر بند کر دیا گیا۔ اس کا سالانہ وظیفہ جو ڈیڑھ لاکھ روپے طے ہوا تھا کم کر دیا گیا۔ پھر اس الزام کی آڑ میں کہ اس نے انگریز افسروں کو کھانے میں زہر ملا کر انہیں ہلاک کرنے کا پروگرام بنایا تھا اسے دیس نکالا دیا گیا اور پنشن کی رقم گھٹا کر بارہ ہزار روپے سالانہ کر دی گئی۔ اس ظلم کے خلاف پنجاب کے لوگوں نے احتجاج کیا اور جنداں کے ساتھ اس برتاؤ کو پنجاب کے عوام کی بے عزتی کے مترادف سمجھا۔

رانی جنداں کے وزیر لال سنگھ کو پہلے وزارت سے علیحدہ کیا گیا اور پھر دیس نکالا دے کر بنارس بھیج دیا گیا۔ یہ بات بھی عوام کو بہت ناگوار گذری۔

اب ہر اندھے کو بھی یہ نظر آنے لگا تھا کہ انگریز پنجاب میں بتدریج اپنا اثر بڑھانا چاہتے ہیں۔ نو برس کے بعد ۱۸۵۴ء میں دلیپ سنگھ کو حکومت سونپنے کا وعدہ محض وقت گذارنے کا ایک بہانہ تھا۔ دراصل گورنر جنرل لارڈ ہارڈنگ، دلیپ سنگھ کی سرپرستی کے بہانے پنجاب پر اپنی گرفت مضبوط کرنا چاہتا تھا۔ اس طرح معاہدہ بھیروال اصل میں پنجاب کی غلامی کا پروانہ بن چکا تھا۔

دوسری پنجابی جنگ ۴۹-۱۸۴۸ء

پنجابیوں اور انگریزوں کے درمیان دوسری جنگ جسے دوسری سکھ جنگ بھی کہا جاتا ہے انگریزوں کے اشتعال دلانے پر اس وقت شروع ہوئی جب پنجاب ابھی اس کے لئے تیار نہیں تھا۔ معاہدہ بھیروال کے مطابق انگریزوں نے پنجاب پر عملی طور پر قابض ہو جانے کے باوجود ۱۸۸۴ء میں دلیپ سنگھ کو حکومت منتقل کرنا تھی اور انگریز ریذیڈنٹ کا اقتدار ختم ہونا تھا۔ انگریز اس سے قبل ایسے حالات پیدا کرنا چاہتے تھے جنہیں بہانہ بنا کر پنجاب پر مستقل قبضہ کیا جا سکے۔ یہ اس صورت میں ممکن تھا کہ پنجاب میں بدامنی پھیل جائے اور پنجاب دربار اس میں ملوث ہو جائے۔ انگریزوں نے اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے پنجاب کے عوام کے جذبات مجروح کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ رانی جنداں کے ساتھ ہونے والی زیادتیوں کا اوپر ذکر کیا جا چکا ہے۔ وزیر لال سنگھ کے ساتھ جو بیتی وہ بھی بیان کیا جا چکا ہے۔ آخر میں شیر سنگھ کے ساتھ جو سلوک کیا گیا۔ اور جو پنجاب کے عوام کے لئے اونٹ کی پیٹھ پر آخری تنکا ثابت ہوا اس کا ذکر آگے آئے گا۔ جب سردار شیر سنگھ اٹاری والا جو کونسل کا ممبر تھا انگریزوں کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا تو انگریزوں کو پنجاب کے خلاف اعلان جنگ کرنے کا بہانہ مل گیا۔

پنجاب میں انگریزوں کے خلاف دوسری جنگ دو محاذوں پر لڑی گئی، مغرب کی طرف ملتان اور اس کے مضافاتی علاقوں میں اور شمال میں ہزارہ سے گجرات تک۔

ملتانی عوام کی انگریزوں کے خلاف جنگ ۴۹-۱۸۴۸ء

ملتان کے دولت گیٹ کے قریب "عام خاص باغ" کے نام کا ایک پرانا اجڑا ہوا باغیچہ آج بھی موجود ہے۔ اس کے ارد گرد مارکیٹیں بن گئی ہیں۔ ایک حصے پر واسا والوں نے پانی کی بہت بڑی ٹینکی بنا دی ہے باقی حصے میں برسوں کی عدم توجہ کی بنا پر کوڑا کرکٹ اور گندگی کے ڈھیر نظر آتے ہیں لیکن باغ کے تختے اور ایک کونے میں موجود ٹوٹی پھوٹی بارہ دری سے ظاہر ہوتا ہے کہ کسی زمانے میں یہاں ایک خوبصورت باغ ہو گا۔

Scanned with CamScanner

اس "عام خاص باغ" کا تعلق ملتان کے مقبول عام ناظم ساون مل کے ساتھ ہے جسے رنجیت سنگھ نے ۱۸۲۱ء میں صوبے کا حاکم مقرر کیا تھا- کچھ مورخوں کا کہنا ہے کہ یہ باغ ساون مل نے بنایا تھا' اور کچھ کا خیال ہے کہ باغ پہلے سے موجود تھا ساون مل نے اس کی مرمت کروا کے اس کے چاروں طرف خوبصورت محل تعمیر کروائے تھے - حقیقت کچھ بھی ہو دیوان کی لوگوں میں مقبولیت اور عوام سے وابستگی اور لگاؤ کا اس بات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یہ باغ امراء کی بجائے عوام کی تفریح کے لئے بنایا گیا تھا- دیوان ساون مل ۱۸۴۴ء میں اپنے ایک منظور نظر سپاہی صاحبداد خان کے ہاتھوں بد گمانی کی بنا پر مارا گیا- وہ دانا اور انصاف پسند حاکم تھا اور ملتان کے عوام اس کے دور حکومت میں امن اور خوشحالی کی زندگی گزار رہے تھے-

ساون مل کے بعد اس کا بیٹا مولراج دیوان مقرر ہوا - مولراج نے بھی باپ کی طرح عوام کے ساتھ قریبی تعلقات قائم رکھے -۱۸۲۱ء سے ۱۸۴۸ء ستائیس برس تک دونوں باپ بیٹا خوش اسلوبی سے حکومت کرتے رہے - عوام ان سے پہلے مقرر کئے گئے حاکموں کی لوٹ مار سے بہت بیزار اور متنفر تھے - اس ستائیس سالہ دور میں انہیں طویل مدت کے بعد امن و امان میسر ہوا - اس پورے عرصے میں ملتان اور اس کے گرد و نواح کا علاقہ عملاً خود مختار تھا' سوائے خراج ادا کرنے کے ان کا پنجاب حکومت سے دوسرا کوئی تعلق نہیں تھا- باپ کے مرنے کے بعد مولراج کو دیوانی کا پروانا سابقہ شرائط کی بنیاد پر عطا کیا گیا تھا- البتہ پنجاب دربار نے تیس لاکھ روپے کا نذرانہ طلب کیا تھا- دیوان کے کچھ مطالبات تھے - انگریز ریذیڈنٹ نے جب وہ پورے کرنے سے انکار کر دیا تو مولراج نے غصے میں دیوانی کے عہدے سے استعفیٰ دے دیا- مولراج سے دیوانی کا چارج لینے کے لئے جب پنجاب دربار کے افسر ملتان پہنچے تو لوگوں نے پنجاب دربار کے اس اقدام کو اپنی توہین سمجھا اور دو انگریز افسروں کو قتل کرنے کے بعد بغاوت کا اعلان کر دیا - انگریزوں کے خلاف ملتان کے عوام کی یہ جنگ بیرونی حملہ آوروں کے خلاف عوامی جنگ کی شکل اختیار کر گئی اور تقریباً دس ماہ تک جاری رہی -

یہ جنگ معاہدہ بھیروال کے دو سال بعد شروع ہوئی - ملتان پنجاب دربار کے

ماتحت تھا اور پنجاب پر قبضہ انگریز ریذیڈنٹ کا تھا- ۱۸۴۸ء میں دیوان مولراج نے لاہور پہنچ کر ریذیڈنٹ کو دو مطالبات پیش کئے تھے - ایک یہ کہ خراج کی رقم کم کی جائے دوسرے ملتان کے اندرونی معاملات میں ریذیڈنٹ مداخلت نہ کرے - جب سر ہنری لارنس نے یہ دونوں مطالبات ماننے سے انکار کر دیا تو ناراض ہو کر مولراج نے استعفیٰ دے دیا - انگریز اس وقت پنجاب کے معاملات میں اس قدر الجھے ہوئے تھے کہ ملتان کے تنازعے میں پھنسنا نہیں چاہتے تھے اس لئے ریذیڈنٹ نے مولراج کو اپنا استعفیٰ ایک سال موخر کرنے کے لئے کہا- دیوان مولراج نے اس تجویز سے اتفاق کرتے ہوئے ریذیڈنٹ سے درخواست کی کہ استعفیٰ کی بات باہر نہ نکلنے پائے کیونکہ اگر یہ بات پھیل گئی تو زمیندار مالیہ ادا کرنے سے انکار کر دیں گے - ریذیڈنٹ نے مولراج کے اس خدشے سے اتفاق کرتے ہوئے وعدہ کر لیا - لیکن کچھ عرصہ بعد پنجاب کے نئے ریذیڈنٹ فریڈرک کری نے مولراج کے استعفے کی خبر پھیلا دی - دیوان نے نئے ریذیڈنٹ کی اس حرکت کو اپنی توہین سمجھتے ہوئے نظامت سے علیحدہ ہونے کا فیصلہ کر لیا - نئے ریذیڈنٹ نے نہ تو وعدہ خلافی کی معذرت مانگی اور نہ ہی مولراج کی خفگی کو کم کرنے کی کوشش کی - کیونکہ وہ تو پنجاب میں بغاوت برپا کرانے کا مشن لے کر آیا تھا- اس نے بلا تاخیر مولراج کا استعفیٰ منظور کرنے کے بعد سردار کاہن سنگھ مان کو مولراج کی جگہ ملتان کا ناظم مقرر کیا اور اس کے ہمراہ دو انگریز مشیروں وانس اگینو اور لیفٹیننٹ اینڈرسن کو مولراج سے چارج لینے کے لئے ملتان روانہ کر دیا-

۱۴ اپریل ۱۸۴۸ء کو یہ افسر ملتان پہنچے - مولراج نے انہیں قلعے میں بلا کر خزانے کا چارج حوالے کر دیا - پرانی ریت پر عمل کرتے ہوئے قلعہ کی چابیاں بہاوالدین زکریا کے مزار پر رکھ دی گئیں - نئے ناظم نے چابیاں وہاں سے اٹھالیں - اس کام سے فارغ ہو کر مولراج لاہور دربار سے آئے ہوئے افسروں کے ہمراہ قلعہ سے باہر نکلا-

اس وقت تک مولراج کے استعفے کی خبر سارے شہر میں مشتہر ہو چکی تھی اور اس پر چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں - دیوان مولراج عوام میں بہت مقبول تھا- دلی طور پر استعفیٰ دینے پر وہ خود بھی خوش نہیں تھا- چاہیے تو یہ تھا کہ ریذیڈنٹ استعفیٰ منظور

Scanned with CamScanner

کرنے کی بجائے مولراج کی خفگی دور کرنے کی کوشش کرتا- اس نے جو طریقہ اختیار کیا اس کی وجہ سے مولراج بھی ناراض ہوا اور ملتان کے عوام بھی مشتعل ہو گئے- انگریز ریذیڈنٹ نے دو سفید چمڑی والے فرنگی بھی ملتان والوں کے گلے میں ڈال دئے تھے - سر ہنری ڈیورنڈ کے کہنے کے مطابق ایسے حالات میں اگینو اور اینڈرسن کو ملتان بھیجنا ایسا ہی تھا جیسے بارود کو آگ لگانا- جب یہ بات سارے شہر میں پھیلی کہ مولراج کو زبردستی معزول کر کے سکھ ناظم اور انگریز افسر بھیجے گئے ہیں تو چاروں طرف بغاوت کی آگ بھڑک اٹھی - دیسی سپاہیوں میں بھی خدشات پیدا ہو گئے کہ ان کی ملازمت جاتی رہے گی-

جب مولراج قلعے کا چارج دے کر کاہن سنگھ اور انگریز افسروں کے ساتھ قلعہ سے باہر آیا تو دروازے کے باہر پہلے سے موجود مشتعل ہجوم میں سے نکل کر امر سنگھ ڈوگرے نے اگینو پر حملہ کر دیا اور کوئی دوسرا شخص اینڈرسن پر ٹوٹ پڑا- دونوں انگریز افسر حملہ آوروں کے ہاتھوں شدید زخمی ہو گئے - کاہن سنگھ ان دونوں کو پالکی میں ڈال کر فوجی دستے کی حفاظت میں عید گاہ لے گیا جہاں دربار کی فوج پڑاؤ ڈالے بیٹھی تھی -

ملتان میں لوگوں نے بغاوت کا اعلان کر دیا- پہلے تو مولراج اس بغاوت میں شامل ہونے سے گریز کرتا رہا بلکہ اس کا ایک رشتہ دار رام رنگ باغیوں کو روکنے کی کوشش میں جان ہی سے ہاتھ دھو بیٹھا - رات کو باغیوں نے عید گاہ کیمپ پر حملہ کر کے دونوں انگریز افسروں کو قتل کر دیا اور کاہن سنگھ کو گرفتار کر لیا- مولراج بغاوت سے سراسیمہ تھا اور اس شورش سے الگ تھلگ رہنا چاہتا تھا لیکن نہ چاہنے کے باوجود اسے بھی آندھی پر سواری کرنی پڑی - باغیوں کو ہمیشہ لیڈر کی ضرورت ہوتی ہے- سو متاثیوں نے اسے قیادت فراہم کرنے پر مجبور کر دیا-

جب مولراج نے بغاوت کا فیصلہ کر ہی لیا تو پھر اس نے بہادری کا ثبوت دیتے ہوئے بے جگری کے ساتھ باغیوں کی راہبری کی - اس کے تمام اطراف پیغام بھیجے پر ہند' مسلمان اور سکھ مذہبی گروہ بندیوں سے آزاد ہو کر انگریزوں سے اپنی آزادی چھیننے کے لئے جنگ میں کود پڑے - جنگ مقامی لوگوں اور انگریزوں کے درمیان

آزادی کی جنگ میں تبدیل ہو گئی-

ملتان کی بغاوت کی اطلاع ملتے ہی ریذیڈنٹ نے گورنر جنرل اور کمانڈر انچیف سے ملتان پر چڑھائی کے لئے برطانوی افواج بھیجنے کا مطالبہ کیا- لیکن گورنر جنرل اس بغاوت کو مزید علاقوں تک پھیلنے کا انتظار کرتا رہا تا کہ اسے معاہدہ بھیروال سے منحرف ہونے کا بہانہ مل سکے اور سارے پنجاب پر قبضہ کرنے کا جواز پیدا ہو جائے- اس وقت لاہور' فیروز پور اور جالندھر میں برطانوی فوج کے تین متحرک فوجی بریگیڈ موجود تھے جن کی مدد سے ملتان پر فوراً کنٹرول کیا جا سکتا تھا- لیکن گورنر جنرل اور کمانڈر انچیف نے موسم کی خرابی کا عذر کر کے افواج روانہ کرنے سے انکار کر دیا- گورنر جنرل نے اپنے ایک خط میں لکھا تھا- "آپریشن کرنے سے پہلے پھوڑا پکنے کا انتظار کرنا چاہئے-"

کچھ نہ کچھ کاروائی کا مظاہرہ کرنے کے لئے فریڈرک کری نے ایک طرف ڈیرہ اسماعیل خان سے لیفٹیننٹ ایڈورڈز کو اور دوسری طرف جنرل کورٹ لینڈ اور نواب بہاولپور کو اپنی افواج سمیت ملتان پہنچنے کا حکم دیا-

لیفٹیننٹ ایڈورڈز اس وقت ڈیرہ اسماعیل خان میں تھا- اس نے مذہبی تضادات کا حربہ استعمال کرتے ہوئے ڈیرہ اسماعیل خان کے پٹھانوں کو ہندوؤں اور سکھوں کے خلاف بھڑکایا - پٹھان رنگروٹ بھرتی کئے اور مقامی غداروں کو لے کر ملتان کی طرف کوچ کر دیا- اس وطن دشمن کام میں جن لوگوں نے انگریزوں کا ساتھ دیا وہ تھے سردار نوجدار خان علی زئی (جسے ملتان پر قبضہ کرنے کے بعد خطاب' پنشن اور جاگیر ملی) غلام سردار خان خاکوانی اور ملتان کے افغان سردار غلام مصطفےٰ خان وغیرہ- نواب بہاول خان والئی بہاولپور نے بھی اس جنگ میں انگریزوں کے دوست کی حیثیت سے زیادہ سے زیادہ مدد کی- اس کا سپہ سالار فتح محمد غوری آٹھ ہزار سپاہی' گیارہ بڑی توپیں اور تین سو چھوٹی توپوں سمیت انگریزوں کی مدد کے لئے ملتان آیا- ملتان پر حملہ آور فوج انگریز افسروں کے سوا زیادہ تر دیسی سپاہیوں پر مشتمل تھی-

لیفٹیننٹ ایڈورڈز نے پہلے ڈیرہ غازی خان میں مقامی غداروں کو ساتھ ملا کر ملک کی آبرو کے محافظوں کو شکست دی اور دریائے سندھ کے پرلے علاقے پر قابض ہو گیا-

Scanned with CamScanner

ڈیرہ غازی خان کی شکست سے لڑائی کا پانسہ پلٹ گیا۔ اگر یہ علاقہ مولراج کے قبضے میں رہتا اور شمالی علاقے کے باغی دیوان مولراج سے آن ملتے تو ممکن تھا کہ دونوں مل کر لاہور کے دروازے تک فوجیں لے جانے میں کامیاب ہو جاتے۔

۱۸ جون ۱۸۴۹ء کو لیفٹیننٹ ایڈورڈز نے امیر بہاولپور کی افواج کی مدد سے مولراج کو کنیری کے مقام پر شکست دے کر قلعہ بند ہونے پر مجبور کر دیا۔ ۲۰ جون کو شجاع آباد کے قلعہ دار نے انگریز فوج کے آگے ہتھیار ڈال دیے۔ اب ملتان کو ایک طرف لیفٹیننٹ ایڈورڈز کی فوجوں نے اور دوسری طرف جنرل وہش اور راجہ شیر سنگھ کی فوجوں نے محاصرے میں لے لیا۔ ان کے پاس قلعہ کی دیواروں کو مسمار کرنے کے ذرائع نہیں تھے اس لئے محاصرے کا وقت طویل ہو گیا۔ ۷ ستمبر کو ملتان کا پہلا محاصرہ شروع ہوا تھا لیکن جب راجہ شیر سنگھ نے اپنے والد کی بغاوت کی خبر سن کر اپنی فوج انگریز کیمپ سے الگ کر لی تو یہ محاصرہ بھی اٹھالیا گیا۔

ملتان کا دوسرا محاصرہ ۲۱ دسمبر ۱۸۴۸ء کو بمبئی سے بریگیڈیئر ڈنڈاس کے فوج لے کر ملتان پہنچنے کے بعد ۲۷ دسمبر ۱۸۴۸ء کو شروع کیا گیا۔ اس محاصرے کے دوران ملتانیوں نے جنگ جیتنے کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا دی لیکن انگریز توپخانے کی شہر پر مسلسل گولہ باری سے ایک آفت برپا ہو گئی۔ ۳۰ دسمبر کو شہر کے اندر موجود بارود کے ذخیرے پر گولہ گرنے سے ۴۱ ہزار پاؤنڈ وزنی بارود زوردار دھماکے سے پھٹا۔ اس سے ارد گرد واقع مکانات بمعہ جامع مسجد اور نواب مظفر خان کی حویلیوں کے بنیادوں سمیت ہوا میں اڑ گئے۔ پانچ سو آدمی موقعہ پر ہلاک ہو گئے اور ہزاروں کی تعداد میں زخمی ہو گئے۔ اگلے روز ایک گولہ شاہی گودام پر گرنے سے ہزاروں من اناج جل کر خاک ہو گیا۔ ۳ جنوری کو انگریزی فوج خونی برج کے قریب دیوار توڑ کر شہر میں داخل ہو گئی اور ملتان کے گلی کوچوں میں دست بدست لڑائی شروع ہو گئی

مولراج پست ہمتی کا مظاہرہ کئے بغیر قلعہ بند ہو گیا۔ اس نے ایک مرتبہ انگریزوں سے گفت و شنید کی کوشش بھی کی لیکن جنرل وہش کا مطالبہ یہ تھا کہ وہ بغیر کسی شرط کے ہتھیار ڈال دے۔ مولراج اس پر رضامند نہ ہوا۔ قلعہ کی کڑی ناکہ بندی ہو

گئی

قلعہ کے محاصرے اور کڑی ناکہ بندی کی وجہ سے جب رسد کا سلسلہ منقطع ہو گیا اور قلعہ میں محصور باشندوں کا برا حال ہوا تو وہ ۱۹ دنوں کے بعد ۲۲ جنوری کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گئے۔ مولراج کو گرفتار کرنے کے بعد اس پر مقدمہ چلایا گیا۔ پہلے اسے سزائے موت کا فیصلہ سنایا گیا مگر پھر اسے عمر قید میں بدل کر رانی جنداں کی طرح بنارس منتقل کر دیا گیا۔ اس کا انتقال جیل ہی میں ہوا۔

اس طرح ملتان کے عوام کی حملہ آوروں کے خلاف سامراج دشمن جنگ کا خاتمہ ہوا۔ آزادی کی اس شمع کو بجھانے کے ذمہ دار مقامی غدار بھی تھے۔ مذہبی تفرقہ بندی بھی تھی اور تیاری کئے بنا جنگ بھی تھی۔

دوسری پنجابی جنگ کا شمالی مورچہ

دوسری پنجابی جنگ کا شمالی مورچہ ہزارے سے لے کر گجرات تک پھیلا ہوا تھا۔ اس جنگ کی بنیاد اس وقت قائم ہوئی جب انگریزوں نے ایک منصوبے اور سازش کے تحت وقت سے پہلے پنجاب کے عوام کو جنگ لڑنے پر مجبور کر دیا اور وہ بغیر کسی تیاری کے میدان جنگ میں کود پڑے وہ بہادری سے لڑے لیکن شکست کھا گئے۔ اس جنگ کو بہانہ بنا کر انگریزوں نے پنجاب پر قبضہ کر لیا۔

سردار چتر سنگھ اٹاری والا ایک نامور قائد اور ابھرتا ہوا پنجابی سردار تھا۔ تھا اس کی بیٹی مہاراجہ رنجیت سنگھ کے ساتھ بیاہی گئی تھی اور وہ ہزارے کا ناظم مقرر ہوا تھا۔ سردار چتر سنگھ کی پنجاب دربار میں بڑی عزت تھی اور پنجاب کے عوام اس سے واقف تھے۔

انگریزوں نے ایسے حالات پیدا کروائے کہ سردار چتر سنگھ وقت سے پہلے آزادی کا اعلان کر کے میدان میں آگیا۔ اس قسم کے حالات پیدا کرنے کے لئے کیپٹن جیمز ایبٹ کی خدمات حاصل کی گئیں۔ یہ افسر پہلے لاہور ریذیڈنسی میں ایک اعلے افسر

Scanned with CamScanner

تھا پھر اسے سردار چتر سنگھ کا مشیر بنا دیا گیا- یہ وہی جیمز ایبٹ ہے جس کے نام پر ایبٹ آباد شہر آباد ہوا-

جیمز ایبٹ کا قیاس تھا کہ سردار چتر سنگھ مہاراجہ رنجیت سنگھ کا سسر ہونے کے ناطے باغیانہ خیالات رکھتا ہو گا- وہ یہ سمجھتا تھا کہ پنجاب میں ہونے والی انگریز دشمن سرگرمیوں میں سردار چتر سنگھ کا ہاتھ ہو سکتا ہے- آگے چل کر ایبٹ نے "پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو" کی پالیسی کے تحت ہزارہ میں مذہبی تعصب پھیلانا شروع کر دیا- ہزارہ پنجابی فوج نے فتح کیا تھا اس کے بیشتر جرنیل اور سپاہی سکھ تھے- وہ قتل و غارت اور لوٹ مار کے مرتکب ہوئے تھے- جیمز ایبٹ نے اس سارے مسئلے کو مذہبی رنگ دے کر ہزارہ کے لوگوں کو چتر سنگھ کے خلاف کھڑا کر دیا- نتیجتاً" چتر سنگھ کے خلاف مسلح بغاوت شروع ہو گئی-

تنگ آ کر چتر سنگھ نے انگریزوں کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا- اس وقت اس کا بیٹا راجہ شیر سنگھ جو ریجنسی کونسل کا ممبر بھی تھا اپنی فوج کے ساتھ ملتان کا محاصرہ کئے ہوئے تھا- اسے انگریزوں کے خلاف ہتھیار اٹھانے کا پیغام بھیج دیا گیا- شیر سنگھ نے مولراج کے ساتھ مل کر انگریزوں کے خلاف لڑنے کے اپنے فیصلے کی اطلاع شہر میں پہنچائی اور ملتان کے قلعہ میں داخل ہونے کی اجازت چاہی- لیکن مولراج کی نظروں میں شیر سنگھ کی حیثیت ایسے شخص کی تھی جو ایک روز پہلے تک انگریزی فوج کے دوش بدوش ملتان قلعہ کا محاصرہ کئے ہوئے تھا- لہٰذا اس کی پیش کش کو سازش تصور کرتے ہوئے اس نے اسے قلعہ میں داخل ہونے کی اجازت نہ دی- اس طرف سے مایوس ہو کر شیر سنگھ نے انگریزوں کے خلاف میدان میں اترنے سے پہلے اپنے باپ کی افواج میں شامل ہونے کا فیصلہ کیا-

چتر سنگھ نے یہ جانتے ہوئے کہ انگریزوں نے اہل پنجاب پر ایسی جنگ ٹھونس دی ہے جس کے لئے وہ ابھی تیار نہیں ہے پٹھانوں کے ساتھ مل کر انگریز دشمن محاذ بنانے کا پروگرام بنایا- اس نے افغانستان کے بادشاہ امیر دوست محمد کو مراسلے بھیجے اور اسے پشاور لوٹا دینے کا وعدہ کر کے اس کے ساتھ معاہدہ کر لیا- اس کام سے فارغ ہو کر اس نے

ہزارہ سے نکل کر پنجاب کا رخ کیا- راستے میں انگریزوں کے قلعدار کو شکست دے کر اٹک فتح کر کے آگے کی طرف پیش قدمی جاری رکھی

دوسری طرف اس کے بیٹے شیر سنگھ نے انگریزوں کے خلاف اعلان جنگ کر دیا اور پنجاب کے عوام کو نیند سے بیدار ہو کر انگریزوں کو ملک سے بھگانے کا پیغام دیا- اس نے رانی جنداں کے ساتھ انگریزوں کی بد سلوکی' پنجابیوں کے مذاہب کی انگریزوں کے ہاتھوں بے حرمتی' پنجاب کی سلطنت پر ان کا غاصبانہ قبضہ اور دوسری زیادتیوں کے خلاف بھرپور پروپیگنڈہ کی مہم چلائی- اس اعلان جنگ کا پنجاب پر گہرا اثر ہوا- ہر طرف لوگ انگریزوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے- اب انگریزوں کا مقابلہ نوابوں اور راجواڑوں کے کرائے کے فوجیوں کی بجائے پنجاب کے بپھرے ہوئے عوام کے ساتھ تھا-

رام نگر کی لڑائی

شیر سنگھ ملتان سے دہاڑتا ہوا رام نگر پہنچ گیا- یہ ایسا قصبہ تھا کہ جب ہندوؤں کا زور ہوتا تو اس کا نام رام نگر پڑ جاتا اور مسلمانوں کے قبضے میں آتے ہی رسول نگر بن جاتا- اس قصبے کے قریب چناب کے دائیں کنارے یکم دسمبر ۱۸۴۸ء کو شیر سنگھ اور انگریزوں کا پہلا مقابلہ ہوا- اس وقت شیر سنگھ کی فوجی طاقت پندرہ ہزار سپاہیوں اور چند توپوں پر مشتمل تھی لیکن اس لڑائی میں اس نے انگریزوں کے چھکے چھڑا دئے- انگریز بریگیڈیئر کیمبل' کیورٹن اور کرنل ہیولاک مارے گئے- پنجاب کی فوج کا پلا بھاری رہا لیکن فتح و شکست کا فیصلہ نہ ہو سکا-

سعد اللہ پور کی لڑائی

شیر سنگھ کا بنیادی مقصد اپنی فوج کے ہمراہ باپ کی فوج کے ساتھ جا ملنا تھا جبکہ انگریز

افسروں کی کوشش تھی کہ یہ دونوں فوجیں اکٹھی نہ ہو سکیں - شیر سنگھ ایک اعلے جرنیل تھا - اس نے انگریزوں کے مقصد کو ناکام بنا دیا - اس کے خلاف جنگ کی کمان انگریز کمانڈر انچیف لارڈ گف خود کر رہا تھا - لارڈ گف اور میجر جرنیل تھیک ویل نے شیر سنگھ کی پیش قدمی روکنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا - شیر سنگھ نے سعد اللہ پور میں ایک چھوٹی سی جھڑپ کے بعد جہلم کے قریب پہنچ کر رسول نگر کے قصبے کے نزدیک پڑاو ڈال دیا - اس مقام پر اس کا باپ چتر سنگھ بھی اس سے آن ملا - اب ان کی مشترکہ فوجی طاقت ۶۲ توپوں اور چالیس ہزار سپاہیوں پر مشتمل تھی -

چیلیانوالہ - انگریزوں کا قبرستان

کھاریاں سے جلالپور کی طرف جانے والی سڑک پر تھوڑا فاصلہ طے کریں تو بائیں طرف چیلیانوالہ کا قصبہ واقع ہے - اس کے باہر ایک بڑی یادگار نصب ہے - جو انگریزوں نے چیلیانوالہ میں ۱۳ جنوری ۱۸۴۸ء میں شیر سنگھ کی فوج کے ہاتھوں مرنے والوں کی یاد میں تعمیر کی تھی - یہاں فریقین کے درمیان لڑی جانے والی جنگ میں انگریز فوج کے ۶ ہزار انتیس سپاہی لقمہ اجل بنے اور پونے دو ہزار کے لگ بھگ زخمی ہوئے مرنے والوں میں ۲۳ افسران کے علاوہ تھے - چیلیانوالہ کی لڑائی پنجابی عوام کی بیرونی حملہ آوروں کے خلاف صدیوں پر محیط جدوجہد کا ایک اہم سنگ میل ہے

یہ لڑائی شیر سنگھ نے نہایت قابلیت سے لڑی - اس نے انگریز فوج کے پہنچنے سے پہلے ہی ایسی جگہ کا انتخاب کیا تھا جس کے ایک طرف وسیع جنگل تھا اور دوسری طرف دریا بہہ رہا تھا - شیر سنگھ نے نہایت ہوشیاری سے مورچے اور خندقیں بنائیں اور توپوں کو جھاڑیوں میں اس طرح نصب کروایا کہ دشمن کے جاسوسوں کو ان کی پوزیشن کا اندازہ ہی نہ ہو سکا - انگریز کمانڈر انچیف کو پنجابی فوج کی پوزیشن کا اس وقت علم ہوا جب اس نے ایک ٹیلے پر اپنا مورچہ بنوایا -

پنجابی فوج کی گولہ باری سے برطانوی فوج میں کھلبلی مچ گئی - ایک گولہ لارڈ گف اور

دوسرے افسروں کے کیمپ میں گرا - صحیح نشانے پر گرنے والے گولوں کو دیکھ کر انگریزوں کو پنجابی توپچیوں کی مہارت پر بڑی حیرت ہوئی - اس خونی معرکہ میں انگریزوں کو شکست ہوئی - وہ چھ توپیں سینکڑوں لاشیں اور زخمیوں کو چھوڑ کر بھاگ گئے - رات کو اندھیرا ہو جانے کی وجہ سے لڑائی بند کرنا پڑی ورنہ انگریز فوج کا صفایا ہونے میں کوئی کسر باقی نہیں تھی - شیر سنگھ نے ۲۱ توپوں کی سلامی میں فتح کا اعلان کیا - جواب میں اٹک کی دوسری جانب سے بھی ۲۱ توپیں داغی گئیں -

اس شکست کی اطلاع ملتے ہی برطانیہ میں صف ماتم بچھ گئی اور ہر طرف لارڈ گف کو سخت تنقید کا نشانہ بنایا گیا - ملکہ وکٹوریہ نے کمانڈر انچیف کو واپس بلانے کا اعلان کر دیا اور سر چارلس نیپئر کو جو اس سے پہلے سندھ اور بلوچستان فتح کر چکا تھا لارڈ گف کی جگہ کمانڈر انچیف مقرر کر کے بھیجا - ملکہ کے اس فیصلے کو برطانوی پارلیمنٹ میں سراہا گیا -

یہ جنگ جیسا کہ بیان کیا گیا ہے پنجاب پر اس وقت ٹھونسی گئی تھی جب پنجاب ابھی اس کے لئے تیار نہیں تھا - شیر سنگھ نے لڑائی تو جیت لی تھی لیکن گولہ بارود ختم ہو گیا اور اسے کہیں سے حاصل کرنے کی امید بھی نہیں تھی - اس پر ستم یہ ہوا کہ تین روز مسلسل بارش کی وجہ سے پنجابی فوج پیش قدمی کر کے انگریزوں سے سامان جنگ نہ چھین سکی - گولہ بارود ختم ہو جانے کے نتیجے میں شیر سنگھ ایک مہینہ تک چیلیانوالہ سے آگے نہ بڑھ سکا - اس عرصہ کے دوران انگریز جرنیل وہش کی افواج بھاری توپ خانے سمیت لارڈ گف کی فوجوں سے آن ملیں -

گجرات کی شکست

۲۱ فروری ۱۸۴۸ء کا دن پنجاب کی تاریخ میں ایک افسوسناک دن ہے اس روز شیر سنگھ چناب کو عبور کر کے لاہور کی طرف روانہ ہوا - گجرات کے نزدیک لارڈ گف اور جنرل وہش کی کیل کانٹے سے لیس فوج نے اس کی راہ روک لی - شیر سنگھ کے پاس گولہ بارود نہ ہونے کے برابر تھا - جبکہ انگریز فوج کے پاس وافر مقدار میں گولہ بارود موجود تھا -

Scanned with CamScanner

سورج طلوع ہونے سے پہلے ہی انگریز فوج کی توپوں نے شیر سنگھ کی فوج پر آگ برسانا شروع کر دی- دشمن کی گولہ باری اس قدر شدید تھی کہ پنجابی توپیں تباہ ہو گئیں- شام ہونے تک لڑائی کا فیصلہ ہو گیا- حملہ آور جیت گئے اور پنجابی فوج کو شکست ہو گئی- اس لڑائی میں پہلی مرتبہ پنجابی اور افغان اپنے مشترکہ دشمن سے خلاف نبرد آزما ہوئے- امیر دوست محمد کا بیٹا اکرم خان ڈیڑھ ہزار گھوڑ سواروں سمیت شیر سنگھ کے دوش بدوش انگریزوں کے خلاف داد شجاعت دیتا رہا لیکن اس مشترکہ فوج کو انگریزوں کے مقابلے میں اس لئے شکست کا منہ دیکھنا پڑا کہ وہ اس جنگ کے لئے پہلے سے تیار نہیں تھے-

رنجیت سنگھ کی دوسری موت

دو ہفتوں تک شیر سنگھ پنجاب میں مارا مارا پھرتا رہا- نہ اس کے پاس ہتھیار تھے اور نہ ہی فوج' ماسوائے چند جانثاروں کے- آخر مایوسی کے عالم میں اس نے ۱۳ مارچ ۱۸۴۸ء کو ضلع راولپنڈی میں چلیانوالہ کے مقام پر انگریز جنرل گلبرٹ کے سامنے خود کو گرفتاری کے لئے پیش کر دیا- اور اپنی تلوار نیام سے نکال کر انگریز افسر کے حوالے کر دی- اس کے ساتھیوں نے بھی اس کی تقلید میں ہتھیار ڈال دئے- ایک بوڑھے سکھ سردار نے غمناک آنکھوں سے اپنی تلوار کو بوسہ دے کر گلبرٹ کے قدموں میں رکھتے ہوئے گلوگیر آواز میں کہا" رنجیت سنگھ اصل میں آج مرا ہے-"

حکومت پنجاب کا ڈراپ سین

اس دکھ بھرے ڈرامے کا آخری منظر لاہور کے شاہی قلعہ میں اس جگہ انجام دیا گیا جسے کنہیا لال "تخت گاہ" کے نام سے یاد کرتا ہے- گورنر جنرل کا نمائندہ اور حکومت ہند کا خارجہ سیکرٹری سر ہنری ایلیٹ برطانوی سامراج کے نمائندے کی حیثیت سے حکومت پنجاب کے خاتمے کا اعلان کرنے آیا- اسے اپنی اہمیت کا احساس تھا- وہ انگریز

افسروں کی معیت میں رعونت و تکبر کا مجسمہ بنا قلعہ میں داخل ہوا اور ایک اونچی کرسی پر بیٹھ گیا-

اس ڈرامے کا دوسرا کردار مہاراجہ دلیپ سنگھ تھا جس کی عمر اس وقت آٹھ برس تھی- اسے مہاراجہ والی پگڑی اور شاہی لباس پہنا کر باپ کے تخت پر آخری مرتبہ بیٹھنے کے لئے لایا گیا- نو عمر ہونے کے باوجود اس کے چہرے سے حزن و ملال نمایاں تھا

پنجاب دربار کے دیگر اراکین بھی یاس و حسرت کی تصویر بنے بیٹھے تھے- لیکن ان میں سے اس کے چہرے سے جو اس سارے المیے میں بنیادی کردار ادا کر رہا تھا بشاشت ٹپکی پڑ رہی تھی-

یہ ڈرامہ ۲۹ مارچ ۱۸۴۹ء کو سٹیج کیا گیا- آج سے ایک سو چالیس سال قبل- یہ دن پنجاب کی آزادی کے خاتمے اور انگریزوں کے اقتدار کا دن تھا- اس دن کے بعد پنجاب کو برطانوی سلطنت کا ایک حصہ اور پنجابیوں کو ان کا غلام بننا تھا-

سید رجب علی میر منشی ریذیڈنٹ نے مہاراجہ دلیپ سنگھ کی معزولی کا حکمنامہ اونچی آواز میں سنجیدگی سے پڑھ کر سنایا جس میں کہا گیا تھا کہ برطانوی حکومت نے پنجاب سرکار سے کئے گئے تمام معاہدوں پر عملدرآمد کیا لیکن پنجاب حکومت نے باغیانہ رویہ اختیار کیا اور برطانوی علاقوں پر فوج کشی کی اور شکست سے دوچار ہوئی- لیکن اس کے باوجود انگریز حکومت نے ازراہ مہربانی پنجاب حکومت کو صلح و آشتی کی راہ اختیار کرنے کا ایک اور موقعہ فراہم کیا- پنجاب سرکار نے اس سے فائدہ حاصل کرنے کی بجائے معاہدہ شکنی کرتے ہوئے لڑائی شروع کر دی اور برطانوی حکومت کو خراج کی ادائیگی بھی روک دی اور نہ ہی سابقہ قرضے لوٹائے- پنجاب کی فوج نے ریجنسی کونسل کے ایک رکن کی کمان میں انگریزوں کے خلاف جنگ شروع کر دی جس کا مقصد انگریز حکومت کا خاتمہ کرنا تھا- لہٰذا انگریز حکومت نے پنجاب سرکار کو شکست دینے کے بعد فیصلہ کیا ہے کہ

(۱) مہاراجہ دلیپ سنگھ کو تخت سے معزول کر کے پنجاب کی آزادی اور خود مختاری ختم کی جاتی ہے اور اسے برطانوی سلطنت کا حصہ بنایا جاتا ہے-

Scanned with CamScanner

(ب) وہ پنجابی سردار اور امراء جنہوں نے انگریزوں کی مدد کی ان کی املاک اور خطابات باقی رہنے دئے جائیں گے اور جنہوں نے برطانوی حکومت کے خلاف ہتھیار اٹھائے تھے ان کی املاک اور جاگیریں بحق سرکار ضبط کر لی جائیں گی۔

(ج) گورنر جنرل کی طرف سے حکم جاری کیا جاتا ہے کہ پنجاب کے عوام برطانوی حکومت کے انکلات پر عملدرآمد کریں۔ یہ حکم سرداروں اور عوام پر یکساں لاگو ہو گا۔ پر امن شہریوں کے ساتھ رحمدلی اور نرمی کا برتاؤ کیا جائے گا۔ اور جو کوئی نئی حکومت کے خلاف ہنگامہ آرائی کا مرتکب ہو گا' ہتھیار اٹھائے گا اور قتل و غارت کا ارتکاب کرے گا اسے تنبیہہ کی جاتی ہے کہ اسے سختی سے کچل دیا جائے گا۔

یہ حکم نامہ تین زبانوں یعنی انگریزی' فارسی اور ہندوستانی میں پڑھ کر سنایا گیا تو دربار پر ایک سناٹا طاری ہو گیا۔ تاریخ کے اس اہم اور دکھ بھرے لمحے میں تیج سنگھ نے نذرانے مہاراجہ کے آگے رکھ دئے اور نو عمر دلیپ سنگھ نے ان پر اپنے دستخط ثبت کر دئے۔ اور اسی کے ساتھ کاروائی اپنے انجام کو پہنچی۔ سب سے پہلے انگریز افسر دربار سے روانہ ہوئے اور عین اسی وقت لاہور کے قلعہ پر غیر ملکی جھنڈا "یونین جیک" لہرا دیا گیا۔ توپوں کی سلامی کی آواز سن کر لوگوں نے ایک دوسرے کو دکھ بھرے لہجے میں کہا یہ لاہور کی حکومت کے خاتمے کا اعلان ہے۔

برطانوی حکمران اور پنجابی مجاہدین آزادی

پنجاب نے ہندوستان کی جنگ آزادی میں بھرپور حصہ لیا ہے۔ ہندوستان کی جدوجہد آزادی پر کوئی ایسی تاریخ نہیں لکھی جا سکتی جس میں پنجاب کے ان سورماؤں کا سنہری حروف میں ذکر نہ کیا گیا ہو جنہوں نے ملک کی آزادی کی خاطر اپنے سروں کا نذرانہ پیش کیا۔ جان کی قربانیوں کی داستانیں اس قدر رنگین ہیں کہ اگر انہیں خارج کر دیا جائے تو تاریخ کا حسن ماند پڑ جائے گا۔

پنجاب کی انگریز دشمن جنگ و جدل ایک طویل داستان ہے۔ ایک کہانی سے دوسری کہانی جنم لیتی نظر آتی ہے' ایک دیے سے دوسرا دیا روشن ہوتا ہے۔ آج پنجاب کی نئی نسل کے لئے اس کی آگہی ضروری ہے کیونکہ بیرونی حملہ آوروں کے خلاف جنگ کی تاریخ کے یہ صفحات ہماری درسی کتب میں سے پھاڑ کر پھینک دئے گئے ہیں۔ اصلی ہیرو نکال کر جعلی ہیرو کتابوں میں ٹھونس دئے گئے ہیں۔ یہاں تک کہ آج پنجاب کے بچے بوڑھے احمد کھرل' کرتار سنگھ سرابھا' بھگت سنگھ اور سیف الدین کچلو کے ناموں تک سے نا آشنا ہیں۔ جو سلوک پنجابی زبان سے روا رکھا گیا وہی پنجاب کی تاریخ سے کیا گیا۔

تاریخ جدوجہد کرنے والی قوموں کے لئے مشعل راہ بھی ہوتی ہے اور ان کا سارا بھی بنتی ہے۔ کسی بھی قوم کی تاریخ میں سے وہ صفحات نکال دئے جائیں جن میں ان کے ظلم و جبر کے خلاف کارناموں اور فتوحات کا ذکر ہے تو ان کے حوصلے ٹوٹ جاتے ہیں۔ ان میں حالات سے پنجہ آزما ہونے کی جگہ مایوسی' بدلی اور حالات سے سمجھوتہ کرنے کی خواہش پیدا ہو جاتی ہے۔ جن لوگوں نے پنجاب کے عوام کی بیرونی حملہ آوروں کے خلاف جدوجہد کے سنہری اوراق پھاڑ کر ضائع کرنے کی کوشش کی ان کا مقصد پنجابی قوم سے ان کا سرمایہ فخر چھین کر اسے بزدل بنانا اور جابر قوتوں کے سامنے

Scanned with CamScanner

ہتھیار ڈالنے پر مجبور کرنا تھا- ان لوگوں نے یہ حقیقت چھپانے کی کوشش کی ہے کہ پنجابیوں کا اصل کردار آزادی کے محافظوں اور ہر آمر، ظالم اور لٹیرے کے خلاف جنگ لڑتے ہوئے جوانمردی سے جان قربان کرنے والوں کا رہا ہے-

انگریز سامراجی تمام ہندوستان فتح کرنے کے بعد پنجاب پر قابض ہوئے- اور ان کا اس صوبے پر اقتدار اٹھانوے سال تک قائم رہا- ان اٹھانوے برسوں میں پنجاب کے عوام نے انگریزوں کے خلاف کئی جنگیں لڑیں اور ان لڑائیوں نے کئی رنگ اختیار کئے- ان کی انگریز دشمن جدو جہد نے کبھی مذہبی رنگ، کبھی طبقاتی اور گروہی شکل اختیار کی اور کبھی وہ سارے ہندوستان کی جدو جہد آزادی کا بھرپور حصہ بنی- اس کے مذہبی روپ نامدھاری کوکا تحریک ۷۲-۱۸۷۱ء، پیر اکالی تحریک ۲۲-۱۹۲۱ء اور ہجرت تحریک تھے- ۹-۱۹۰۷ء کی دیہاتوں میں چلنے والی کالونائزیشن بل کے خلاف تحریک جس میں "پگڑی سنبھال جٹا" کے گیت کو مقبولیت حاصل ہوئی کسان طبقے کی تحریک تھی- رولٹ ایکٹ کے خلاف تحریک (۱۹۱۹ء) نیز نوجوان بھارت سبھا (۳۱-۱۹۲۶ء) کی سرگرمیاں اور آزاد ہند فوج کی بغاوت پورے ہندوستان میں جاری آزادی کی تحریک کا حصہ تھیں-

پنجاب کی بدیسی حکمرانوں کے خلاف تحریکوں نے پر امن جدو جہد کا راستہ بھی اختیار کیا اور مسلح جدو جہد کا بھی- یہ کبھی عام جمہوری تحریک بن کر بپھرے ہوئے دریا کی طرح آگے بڑھی- کبھی اس نے اندر ہی اندر کاٹ کرتی ہوئی لہر کی طرح زیر زمین تحریک کا روپ اختیار کیا-

ان تحریکوں کی قیادت درمیانے اور نچلے درمیانے طبقے کے ہاتھوں میں تھی- اور تحریکوں میں حصہ لینے والوں کی اکثریت کسانوں اور محنت و مشقت کرنے والوں کی تھی- یہی طبقے پنجاب میں اٹھانوے سال تک انگریزوں کے خلاف جنگ کرتے رہے- ان کی قیادت کرنے والے ہمارے لئے روشنی کا مینار اور ہمارے فخر میں اضافہ کرنے والے ہیرو ہیں-

ان تحریکوں کو ناکام بنانے کے لئے انگریزوں نے "پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو" کی

پالیسی استعمال کی- انہوں نے پنجابی عوام کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کے لئے جو سب سے بڑا ہتھیار استعمال کیا وہ تھا مذہبی جھگڑے اور فرقہ واریت کا ہتھیار- پنجابی عوام کو جو اس دور تک بابا فرید، گورو نانک، بلھے شاہ اور شاہ حسین کی انسان دوستی کی تعلیم کی روشنی میں پروان چڑھے تھی انگریزوں نے مذہبی جھگڑوں میں الجھا دیا- فرقہ واریت کی ذہنیت پنجابیوں کے لئے ایک نئی چیز تھی- اسے انگریزوں نے تخلیق بھی کیا اور اس میں تیزی بھی پیدا کی- مقصد یہ تھا کہ باہمی اتحاد نفاق میں تبدیل ہو جائے تاکہ عوام انگریزوں کے خلاف متحد نہ ہو سکیں- اکیلے انگریز اس پالیسی کے موجد نہیں تھے- انسانی تاریخ میں فرقہ واریت کا ہتھیار سامراجیوں، بیرونی حملہ آوروں اور لوٹ کھسوٹ کرنے والوں نے اپنا اقتدار قائم رکھنے کے لئے ہمیشہ استعمال کیا ہے اور آج بھی کر رہے ہیں- فرقہ واریت کا جو زہر انگریزوں نے پھیلایا تھا پنجاب میں آج بھی اس کے اثرات موجود ہیں جب تک غیر ملکی حکمرانوں کا پھیلایا ہوا فرقہ واریت کا یہ زہر پنجاب کے جسم سے خارج نہیں ہوتا ہر آنے والا آمر اپنا اقتدار قائم رکھنے کے لئے پنجاب کو استعمال کرتا رہے گا-

انگریزوں نے پنجاب کو کنٹرول کرنے کے لئے وہ جاگیردار بھی پیدا کئے جن کی اولاد پنجاب کی آج کی سیاست پر بھی سانپ کی طرح پھن پھیلائے بیٹھی ہے - ان جاگیرداروں نے جبری فوجی بھرتیاں کروائیں، آزادی کی تحریکوں کو توڑنے کے لئے انگریزوں کا ساتھ دیا، انگریزوں کی حمایتی سیاسی پارٹیاں بنائیں اور انعام واکرام حاصل کئے-

پنجاب کو فوجی بھرتیوں کا صوبہ بنانے کے لئے اس کے بارانی اضلاع میں تعلیمی ترقی اور صنعت کاری کو پالیسی کے تحت روکا گیا تاکہ لوگ غربت اور بھوک کے ہاتھوں مجبور ہو کر فوجی ملازمت اختیار کریں- اور انگریزوں کی خاطر دور دراز ملکوں میں جا کر گولی کا نشانہ بنیں- فوج میں بھرتی ہونے والوں کو ایسی ٹریننگ دی کہ وہ اور ان کے خاندان آزادی اور جمہوریت کے مخالف اور آمریت کے حامی و مددگار بن جائیں- کی تحریک میں حصہ لینے کی بجائے اسے کچلنے کی حمایت کریں-

Scanned with CamScanner

انگریزوں کی ان پالیسیوں کے پنجاب پر کچھ اثرات بھی مرتب ہوئے - مسلمانوں کے ایک حصے میں یہ خیال جڑ پکڑ گیا کہ انگریزوں سے نوکریاں اور دیگر فوائد حاصل کرنے چاہیں - حصول آزادی کے لئے لڑنا نہیں چاہئے - مسلمان کاروبار اور بیوپار میں پہلے ہی نہ ہونے کے برابر تھے تعلیمی استعداد بھی واجبی تھی - اس لئے نوکریوں کے حصول کی دوڑ لگوا دی گئی - یہ پروپیگنڈہ کیا گیا کہ سیاست جاگیرداروں اور بیکاروں کا مشغلہ ہے - بچوں کو تعلیم دلاؤ ' محنت سے پڑھنے کی تلقین کرو اور پھر ملازم کراو - ملازمت بھی سرکاری ہونی چاہئے - نوکری مل جانے کے بعد آنکھیں اور کان بند کر کے وقت گزارنا چاہئے اور باعزت طریقے سے پنشن لے کر ریٹائر ہونا چاہئے - اس پروپیگنڈے کے اثرات آج بھی پنجاب میں فراوانی سے موجود ہیں - تاہم اس پروپیگنڈے کے باوجود پنجابی مسلمانوں کا ایک حصہ آزادی کی جنگ میں غیر مسلم پنجابیوں کا دست بازو بنا-

پنجاب پر انگریزوں کے قابض ہونے کے بعد یہاں کے لوگوں نے مندرجہ ذیل دس بڑی تحریکیں چلائیں - چھوٹی تحریکیں ان کے علاوہ تھیں-

۱- ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے دوران پنجاب میں تحریک
۲- نڈھاری کوکا تحریک ۷۲-۱۸۷۱ء
۳- کالونائزیشن بل مخالف دیہی عوام کی تحریک ۸-۱۹۰۷ء
۴- غدر پارٹی تحریک
۵- لاہور سازش کیس
۶- ۱۹۱۹ء کی رولٹ ایکٹ کے خلاف تحریک
۷- ہجرت تحریک
۸- بیرا کلی مورچے
۹- نوجوان بھارت سبھا کی کاروائیاں ۳۰-۱۹۲۸ء
۱۰- آزاد ہند فوج کی بغاوت-

ذیل میں ہم ان تحریکوں کا سرسری جائزہ پیش کرتے ہیں-

پنجاب کا ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں حصہ

پنجاب کو طعنہ دیا جاتا ہے کہ اس نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں کوئی حصہ نہیں لیا - بلکہ اس جنگ کو شکست سے دوچار کرنے کے لئے انگریزوں کا ساتھ دیا - طعنہ دینے والوں میں یو - پی - سی - پی - سے تعلق رکھنے والے وہی دانشور ہیں جو یہ بھول جاتے ہیں کہ ۱۸۴۹ء میں ان کے اپنے صوبے کی پوربی اور ہندوستانی فوج کی مدد سے انگریزوں نے پنجاب پر قبضہ کر کے اس کی آزادی اور خود مختاری کو سلب کیا تھا - خود پنجاب کے بعض دانشور اس پراپیگنڈے کے زیر اثر یہ غلط تاثر پھیلاتے رہے ہیں کہ پنجاب ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے ساتھ مل کر جنگ آزادی کے متوالوں کی مزاحمت کرتا رہا-

اس سلسلے میں اس زمانے کے انگریز افسروں کی تحریریں پڑھنے سے حقیقت اس کے الٹ نظر آتی ہے - ۱۸۵۷ء میں امرتسر کا انگریز ڈپٹی کمشنر فریڈرک کوپر تھا (لاہور کی کوپر روڈ والا) اس نے جنگ آزادی کے اگلے سال ۱۸۵۸ء میں ایک کتاب لکھی تھی جس کا عنوان تھا - "پنجاب میں بحران - " اس کتاب میں وہ لکھتا ہے :

"ان لوگوں کا (پنجابیوں) کا ردعمل کیا ہوگا - بحران کس قسم کا اور کتنا گہرا ہوگا؟ کیا سارے ہندوستان کے عوام انگریزوں کو ہندوستان سے بیدخل کرنے کے لئے متحد ہو چکے ہیں ؟ ہندوستان کے ۴۳ راجے اندرون خانہ انگریزوں کے خلاف اکٹھے ہو گئے ہیں ؟ کیا ۱۸۵۷ء کی بغاوت برصغیر کو آزاد کرانے کے لئے برپا کی گئی تھی ؟ اور کیا یہ مظلوم اور محکوم عوام کی غلامی کی زنجیروں کو توڑنے کی تحریک تھی ؟"

چیف کمشنر کے بعد سب سے بڑا انگریز افسر فنانشل کمشنر رابرٹ منٹگمری تھا (جس کے نام سے منٹگمری شہر آباد کیا گیا) اس نے ۳-جون کو پنجاب کے تمام ڈپٹی کمشنروں کو جو مراسلہ ارسال کیا وہ پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے - وہ لکھتا ہے

"پنجاب میں ایک زبردست طوفان آنے والا ہے جو کسی وقت بھی برپا ہو سکتا ہے - پنجاب میں ویسے تو عام طور پر انگریزوں کے ساتھ وفاداری کے جذبات پائے جاتے ہیں

Scanned with CamScanner

لیکن پھر بھی ہر شہر اور گاؤں میں ایسے ان گنت لوگ موجود ہیں جو عوام کو بغاوت پر آمادہ کرنے کے لئے موقعہ کی تلاش میں ہیں اور جو عوام کو باور کرا رہے ہیں کہ ہندوستان میں انگریزوں کی حکومت ختم ہونے والی ہے - انہوں نے عوام کو اس طرح کی صورت حال سے عہدہ بر آ ہونے کے لئے ذہنی طور پر آمادہ کر رکھا ہے - ہو سکتا ہے ایسے لوگ جلد ہی بغاوت پر آمادہ ہو جائیں -"

انگریز افسروں کی ان تحریروں سے یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ۱۸۵۷ء میں پنجاب کے اندر انگریز مخالف خیالات کتنے گہرے تھے اور انگریزوں کو ہندوستان سے مار بھگانے کے لوگ کتنے خواہشمند تھے -

حقیقت یہ ہے کہ پنجاب کے عوام نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا - انہوں نے انگریزوں کو دیس سے نکال دینے کے لئے شہروں ' قصبوں اور دیہات میں بغاوتیں برپا کیں - پنجاب میں جو لوگ انگریزوں کے دست و بازو بنے وہ چند گنے چنے ٹوڈی اور پٹھو تھے جن کی اولاد آج بھی پنجاب کی سیاست پر قبضہ کئے ہوئے ہے اور ہر آمر اور ظالم حاکم کا ساتھ دیتی ہے - انہی لوگوں نے اپنے گھناؤنے ماضی پر پردہ ڈالنے کے لئے تاریخ کے وہ صفحات تلف کرنے کی کوشش کی جن میں پنجاب کے ۱۸۵۷ء کی جنگ میں خوبصورت کردار کا تذکرہ تھا - اس کی بجائے انہوں نے یہ مشہور کر دیا کہ جو کرتوت انہوں نے کی ' پنجاب کے عوام نے بھی ان کی تقلید میں وہی کچھ کیا - آیئے تاریخ کے پھٹے ہوئے اور ادھر ادھر بکھرے ہوئے مگر خون سے لکھے ہوئے اوراق اکٹھا کر کے اس دور کے اصل پنجاب کا مشاہدہ کریں - پنجاب میں انگریزوں کے خلاف ۱۸۵۷ء کی جنگ کی کہانی " پنجاب بغاوت رپورٹ " میں بھی ملتی ہے جو ۱۸۵۷ء سے کچھ عرصہ بعد انگریزوں نے مرتب کی تھی - پھر انہوں نے اپنے پٹھوؤں کا شجرہ نسب اور کارنامے " پنجاب چیفس " میں لکھ کر محفوظ کر دیئے ہیں - چنانچہ اس کہانی کا کچھ حصہ اس کتاب میں بھی درج ہے - چند انگریزوں نے ۱۸۵۷ء سے کچھ پہلے اور بعد کے واقعات ضبط تحریر کئے ہیں - یہ سارا مواد ۱۸۵۷ء کی جنگ کے دوران عام پنجابیوں کے انگریز دشمن کردار پر روشنی ڈالتا ہے مشہور مفکر کارل مارکس نے ۱۸۵۷ء کی جنگ

آزادی بارے میں دو سو صفحات لکھے - ان میں کئی جگہ اہل پنجاب کے کارناموں کا تذکرہ یا ان کے بارے اشارے ملتے ہیں - پھر پنجاب کے دیہی عوام کے حافظے میں آج بھی ۱۸۵۷ء کی جنگ کے وہ کارہائے نمایاں لوک شاعری کی شکل میں محفوظ ہیں جو احمد کھرل اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں ہے -

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی سے صرف اٹھارہ سال قبل انگریزوں نے پنجاب پر قبضہ کیا تھا - پنجاب ہنوز اپنی شکست کی تھکن دور نہ کر پایا تھا ہندوستان کے مختلف علاقوں سے جنگ آزادی کی خبریں آنی شروع ہوئیں تو پنجاب میں اس کے حق میں جذبات پیدا ہونے لگے اور اس میں حصہ لینے کی خواہش بتدریج جڑیں پکڑنے لگی - انگریزوں کے کانوں میں جب اس کی بھنک پڑی تو انہوں نے پنجابی عوام کو اس جنگ میں حصہ لینے سے روکنے کے لئے پنجاب کے پریس اور ذرائع ابلاغ پر پابندیاں عائد کر دیں -

پنجاب کے پریس پر سنسر شپ

جنگ آزادی کے چھڑتے ہی پنجاب کے پریس پر کڑی پابندیاں عائد کر دی گئیں - کوئی بھی خبر یا بیان شائع کرنے سے پیشتر سنسر کرانا ضروری قرار دیا گیا - اس کے باوجود پنجابی صحافیوں اور اہل قلم نے انگریزوں کے خلاف اور جنگ آزادی کی حمایت میں مضامین بھی لکھے اور خبریں بھی چھاپیں - جن اخبارات نے یہ کاروائی کی انہیں سخت سزائیں دی گئیں - خصوصاً " سیالکوٹ ' ملتان ' لاہور اور پشاور کے اخبارات و رسائل کو انتقامی کاروائیوں کا نشانہ بنایا گیا - (پشاور ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے زمانے میں پنجاب میں شامل تھا) سیالکوٹ سے چھپنے والے پرچے " چشمہ فیض " سے خدشہ تھا کہ یہ مجاہدین آزادی کا ساتھ دے گا ' اس کے ایڈیٹر کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنا اخبار سیالکوٹ سے لاہور منتقل کر کے وہاں سے شائع کرے - لاہور سے چھپنے والے دو پرچوں کی پہلے ہی نگرانی کی جا رہی تھی - ان کے ساتھ یہ تیسرا اخبار بھی زیر نگرانی آ گیا - ملتان سے شائع

Scanned with CamScanner

ہونے والا ایک پرچہ بند کر دیا گیا اور پشاور کے ایک ایڈیٹر کو "باغیانہ" مواد شائع کرنے کی پاداش میں جیل بھیج دیا گیا۔

خطوط پر سنسر۔

پریس پر پابندیاں ناکافی سمجھتے ہوئے محکمہ ڈاک پر بھی سنسر نافذ کر دیا گیا۔ یہ سنسر شپ بڑی سخت تھی۔ انگریز انتظامیہ کو پنجابی ملازمین پر بھروسہ نہیں تھا اس لئے خطوط سنسر کرنے کا کام انگریز افسروں کے سپرد کر دیا گیا۔ "بغاوت رپورٹ" کے مطابق اکثر متعلقات پر ضلع کے انگریز افسر بذات خود ڈاک کے تھیلے کھول کر خطوط کی جانچ پڑتال کرتے تھے۔ جس چٹھی پر شبہ ہوتا اسے روک لیا جاتا۔

چوکیدارا نظام میں تبدیلی۔

سنسر شپ لگانے کے بعد انگریزوں نے اس خدشے کے سدباب کے لئے کہ پنجاب کے لوگ رات کی تاریکی میں حکومت دشمن کاروائیاں نہ کریں یا مشکوک آدمی بھاگ دوڑ کر عوام کو بغاوت پر نہ اکسائیں رات کو چوکیدارے اور گشت کا نظام پورے پنجاب میں سخت کڑا کر دیا۔ پھر خوف پیدا ہوا کہ پنجابی چوکیدار باغیوں کے ساتھ مل کر انگریز سرکار کی سکیم ناکام نہ بنا دیں سو رات کا کام انگریز افسروں کے سپرد کر دیا گیا۔ پنجاب کے عوام پر انگریزوں کی بے اعتمادی کا یہ حال تھا کہ دریاؤں کے پلوں اور پتنوں کی نگرانی کا کام بھی انگریز سپاہیوں کو سونپا گیا

گولہ بارود بنانے پر پابندی

جنگ آزادی کے شروع ہوتے ہی گولہ بارود بنانے پر بھی پابندی لگادی گئی۔ اس کا

بنیادی محرک بھی یہ ڈر تھا کہ لوگ خانہ ساز بم اور کارتوس بنا کر انگریزوں کے خلاف استعمال نہ کر سکیں۔ جولائی ۱۸۵۷ میں ایسے خام مال پر پابندی لگادی گئی جو گولہ بارود تیار کرنے کے کام آسکتا تھا۔ سیسہ اور گندھک کی خرید و فروخت ممنوع قرار دیدی گئی۔

پابندیوں کے باوجود بغاوتیں

پنجاب میں اتنی پابندیوں اور رکاوٹوں کے باوجود عوام نے انگریزوں کے خلاف بغاوت کا راستہ اختیار کیا۔ اس بغاوت نے مندرجہ ذیل تین شکلیں اختیار کیں۔

۱۔ فوجی بغاوتیں۔
۲۔ شہروں اور قصبوں میں بغاوتیں۔
۳۔ دیہاتوں میں بغاوتیں۔

۱۸۵۷ء میں پنجاب میں تیرہ بڑی اور کئی چھوٹی ایسی فوجی بغاوتیں ریکارڈ کی گئی ہیں جن میں پنجابی فوج نے حصہ لیا' کئی شہروں اور قصبوں میں لوگوں نے بغاوت کا جھنڈا اٹھا کر انگریزوں کے گھروں کو نذر آتش کیا اور دست بدست لڑائی میں حصہ لیا' دیہاتوں میں جس بہادری کے ساتھ جنگ لڑی گئی اس کی باز گشت پنجابی لوگ گیتوں میں موجود ہے۔

ان بغاوتوں میں کسی ایک ہی مذہب یا فرقے سے تعلق رکھنے والوں نے حصہ نہیں لیا بلکہ مسلمان' ہندو سکھ سب نے پنجابی ہونے کے ناطے اپنا فرض ادا کیا اور انگریزوں کو ملک سے مار بھگانے کا جتن کیا۔ جیسے باقی ہندوستان میں جنگ آزادی میں مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والوں نے حصہ لیا ایسے ہی پنجاب میں بھی ہوا۔ کارل مارکس نے اس کے بارے میں "نیو یارک ڈیلی ٹریبون" میں لکھا تھا "یہ پہلی مرتبہ ہوا ہے کہ ہندوستانی سپاہیوں نے اپنے یورپی افسروں کی گردنیں کاٹی ہیں۔ آج مسلمان اور ہندو اپنے اختلافات اور جھگڑوں کو بھلا کر اپنے مشترکہ دشمن کے خلاف متحد ہو گئے ہیں۔ ہنگاموں کی ابتداء ہندوؤں نے کی لیکن ان کی انتہا یہ ہوئی ہے کہ دلی کے تخت پر

Scanned with CamScanner

مسلمان شہنشاہ بیٹھ گیا ہے۔" کارل مارکس نے اس اتحاد کی ایک مثال کا ذکر کرتے ہوئے لکھا۔ " بنارس میں ایک دیسی رجمنٹ سے ہتھیار رکھوانے کی مخالفت سکھ فوجیوں اور تیرہویں (۱۳) ریگولر گھڑ سوار دستے نے کی۔ یہ بات بہت اہم ہے کیونکہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سکھ بھی مسلمانوں کی طرح ہندوؤں کے ساتھ مل کر لڑ رہے ہیں اور مختلف قبیلوں (مذاہب ؟) کا اجتماع بڑی سرعت سے انگریزوں کے خلاف ہو رہا ہے۔"

پنجاب میں دیسی فوج کی بغاوتیں

۱۸۴۹ء میں انگریزوں نے پنجاب پر جس فوج کی مدد سے قبضہ کیا تھا وہ پوربی اور ہندوستانی باشندوں پر مشتمل فوج تھی۔ لیکن جلد ہی انہوں نے رنجیت سنگھ کی پنجابی فوج کا ایک حصہ بھرتی کر کے اس میں شامل کر دیا۔ اس طرح فوجی یونٹ مختلف قومیتوں کے ملے جلے یونٹ بن گئے۔ وہ صرف پوربی' ہندوستانی' یا پنجابی یونٹ نہ رہے۔ ۱۸۵۷ء میں جب آزادی کی جنگ شروع ہوئی پنجاب میں انگریزوں کی کل چالیس ہزار فوج موجود تھی۔ اس میں ۲۶ ہزار ہندوستانی ساڑھے تیرہ ہزار پنجابی اور باقی انگریز تھے۔ جب دیسی فوج نے بغاوت کی تو زیادہ تر پورے کے پورے یونٹ باغی ہو گئے۔ ہندوستانی اور پنجابی کا امتیاز نہ رہا۔

۱۸۵۷ء میں پنجاب میں موجود دیسی فوج نے تیرہ بڑی بغاوتیں برپا کیں۔ جن کی مختصر تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

۱۔ فیروز پور میں ۴۵ ویں اور ۵۷ ویں فوج نے بغاوت میں حصہ لیا۔ یونٹوں نے بغاوت کا اعلان کر کے گرجا گھر نذر آتش کر دیئے کیونکہ وہ غیر ملکی حکمرانوں کی نشانی سمجھے جاتے تھے۔ مشنری سکولوں کے اساتذہ اور انگریز افسروں کے گھر جلا دیئے گئے۔ اس کام سے نمٹ کر باغی سپاہی دلی کی طرف چل دیئے۔ لیکن انہیں انگریز فوجی دستوں نے روک لیا بہت سے سپاہیوں کو گرفتار کر کے فیروز پور واپس لے جایا گیا اور توپوں کے دھانوں سے باندھ کر ہلاک کر دیا گیا۔ جو گرفتار ہونے سے بچ گئے جنگلوں میں مارے گئے۔

۲۔ ہوتی مردان میں ۵۵ ویں پیادہ فوج نے بغاوت کی (مردان ۱۸۵۷ء میں پنجاب میں شامل تھا)

۳۔ جالندھر میں چھٹی اور ساتویں ہلکی گھڑ سوار فوج نے اور ۳۶ ویں اور ۶۱ ویں پیدل یونٹوں نے بغاوت کا اعلان کر دیا انہوں نے چھاؤنی کو آگ لگانے کے بعد کئی انگریز افسروں کو موقعہ پر قتل کر دیا

۴۔ پھلور میں متعین ۳۰ ویں پیدل فوج نے بغاوت کر دی

۵۔ جہلم میں متعین ۱۴ ویں پیدل فوج کے ایک حصہ نے بھی بغاوت میں حصہ لیا

۶۔ سیالکوٹ میں ۹ ویں ہلکی گھڑ سوار فوج اور ۴۶ ویں پیدل فوج نے بغاوت کی

۷۔ تھانیسر میں مقیم پیدل فوج کے ایک حصہ نے بغاوت کی

۸۔ لاہور میں ۲۸ ویں پیدل فوج نے بغاوت کر دی۔ انہوں نے اپنے کمانڈنگ افسر' ایک برطانوی نان کمیشنڈ افسر اور دو دیسی افسروں کو قتل کر دیا۔ اس فوج کے سپاہیوں کو بعد میں انگریزوں نے لاہور کے گول باغ کے پاس توپوں کے آگے کھڑے کر کے ہلاک کیا

۹۔ فیروز پور میں ۱۰ ویں ہلکی گھڑ سوار فوج نے بغاوت میں حصہ لیا

۱۰۔ پشاور میں جو اس وقت پنجاب میں شامل تھا ۵۱ ویں پیدل فوج باغی ہو گئی

۱۱۔ انبالہ میں ۵ ویں اور ۶۰ ویں پیدل فوج کے کچھ حصوں نے بغاوت کی

۱۲۔ میانوالی میں ۹ ویں غیر باقاعدہ فوج کے ۳۰ سپاہیوں نے بغاوت کی

۱۳۔ ملتان میں ۳۱ اگست کو دیسی فوج نے بغاوت کر کے اپنے انگریز افسروں کو موقع پر ہلاک کر دیا۔ اس کے بعد باغی فوج شہر سے بھاگ گئی۔ بارہ سو سپاہیوں نے بغاوت میں حصہ لیا ان میں سے تین سو چھاؤنی میں لڑتے ہوئے مارے گئے جو بچ گئے ان میں سے کچھ کو ملتان کے مقامی جاگیرداروں نے گرفتار کر کے انگریز سرکار کے سپرد کر دیا۔ اور باقیوں کو موت کے گھاٹ اتار کر انگریزوں سے انعامات حاصل کیے۔

دیسی سپاہیوں کی ان بغاوتوں میں لاہور کی بغاوت بڑی نتیجہ خیز ثابت ہوتی اگر

انگریزوں کو وقت سے پہلے اس کی مخبری نہ ہو جاتی - ان سپاہیوں سے ہتھیار لے کر انہیں نہتا کر دیا گیا فانشل کمشنر منٹگمری لکھتا ہے :

"خفیہ پولیس کے ذریعے اطلاع ملی تھی کہ چار دیسی رجمنٹیں بغاوت پر آمادہ ہیں اور کسی مناسب وقت کا انتظار کر رہی ہیں - اگر ٹیلیگرام کے ذریعے اس بغاوت کی بروقت اطلاع نہ ملتی تو اگلے چھتیس گھنٹوں میں جانے کیا سے کیا ہو جاتا-"

ان رجمنٹوں کو لاہور ائر پورٹ کے نزدیک واقعہ گرجا گھر کے میدان میں پریڈ کرانے کے بہانے لے جایا گیا جہاں توپیں پہلے سے گولے بھر کر تیار کر دی گئی تھیں - ان توپوں کے سامنے فوج کو کھڑا کر کے ان سے ہتھیار رکھوا لئے گئے - اس طرح پنجاب کی فوجی بغاوتوں کو کچل دیا گیا-

پنجاب کے شہریوں کی بغاوتیں

جب پنجاب سے انگریز فوج دلی کی تسخیر کے لئے روانہ ہوئی تو کارل مارکس نے لکھا تھا" سرجان لارنس (چیف کمشنر پنجاب) کے پنجاب سے اتنی بڑی تعداد میں فوج کو نکال لینے سے ہو سکتا ہے کہ پنجاب بھی بغاوت کے لئے اٹھ کھڑا ہو" اور ایسا ہی ہوا -

پنجاب میں آزادی کی جنگ ہندوستانی یعنی دیسی فوج کے یونٹوں تک محدود نہیں رہی بلکہ یہ پنجاب کے شہروں میں بھی پھیل گئی - اس میں خاص طور پر جالندھر' لدھیانہ' فیروز پور' سیالکوٹ اور مری کے عوام نے بھرپور حصہ لیا - جنگ ہارنے کے بعد انہیں کڑی سزاؤں کا سامنا کرنا پڑا - کئی پنجابیوں کو تشدد کا نشانہ بنایا گیا بہت سوں کی جائیدادیں ضبط کر لی گئیں یا قیدی بنا لیا گیا اور کئی تختہ دار پر لٹکا دئے گئے

شہری باغیوں نے انگریزوں کی رہائش گاہوں' دفتروں اور گرجا گھروں کو بھی جلا دیا- گرجا گھر اور مشنری ادارے لوگوں کی نظروں میں انگریزوں کے اقتدار کے نشان تھے -

جالندھر شہر میں برپا ہونے والی بغاوت پر جب قابو پانا ممکن نہ ہوا تو انگریزوں نے اپنے دوست رندھیر سنگھ سے جو کپور تھلہ کا مہاراجہ تھا مدد طلب کی - جالندھر کے باغی

شہر سے نکل کر لدھیانہ والوں کو بغاوت میں شامل کرنے کے لئے چل پڑے - لدھیانہ شہر میں دونوں باغی عناصر نے گرجا گھر جلا دیا اور مشنری ادارے لوٹ لئے اگلے روز انگریز فوج نے انہیں شکست دی اور گیارہ باغیوں کو پھانسی دیدی - قلعہ لدھیانہ کے گرد تمام مکانات کو مسمار کر کے میدان بنا دیا گیا- یہاں گوجر قوم آباد تھی' اسے بے گھر کرنے کے علاوہ ان سے ۵۵۲۹۴ روپے تاوان بھی وصول کیا گیا-

لدھیانہ کی بغاوت بھی انگریزوں کے لئے ایک بہت بڑی آفت ثابت ہوئی لیکن ابھی لدھیانہ کے لوگ گولہ بارود اکٹھا کرنے میں مصروف تھے کہ خفیہ پولیس کی مخبری پر گھروں پر چھاپے مار کر اسلحہ ضبط کر لیا گیا- فانشل کمشنر اس کے بارے میں لکھتا ہے :

"۲۰ جون کو علی الصبح لدھیانہ شہر کے ہر بازار اور گلی کوچہ کی ناکہ بندی کر دی گئی اور گھر سے نکلنے والوں کو ان کے گھروں کی طرف لوٹا دیا گیا انگریز افسروں کی نگرانی میں پولیس نے خانہ تلاشی کے ذریعہ اسلحہ برآمد کر لیا- جس سے بارہ چھکڑے بھر گئے -"

لدھیانہ کے لوگوں کے ساتھ انتہائی برا سلوک کیا گیا اور بعض بیگناہ افراد کو بھی قید و بند اور تشدد کا نشانہ بنایا گیا- جس کی گونج امریکی اخبار "نیویارک ڈیلی ٹریبون" میں بھی سنائی دی - جولائی میں کارل مارکس نے اس اخبار میں لکھا "لدھیانہ کے کھاتے پیتے گھرانوں کی سختی کے ساتھ تلاشی لی گئی - پولیس ان کا تمام مال و اسباب اٹھا کر لے گئی اور ایک عرصہ تک واپس نہ کیا کئی لوگوں کو ان کا جرم بتائے بنا جیلوں اور حوالاتوں میں بند رکھا گیا شریف اور پرامن شہریوں کو بھی نہ بخشا گیا- بلا امتیاز ہر ایک پر غنڈہ ایکٹ لاگو کر دیا گیا- شہر کا ڈپٹی کمشنر ایک ایک محلے اور گلی میں گیا اور خفیہ پولیس کی نشاندھی پر پکڑ دھکڑ کی گئی -"

لدھیانہ کے عوام کو اس قدر جسمانی تشدد کا نشانہ بنایا گیا کہ ہر طرف شور مچ گیا اس پر لارڈ ڈلہوزی لدھیانہ کے ڈپٹی کمشنر کو معطل کر کے اس کی تنزلی کرنے پر مجبور ہو گیا- پنجاب کے باغیوں کو ہر جگہ عوام نے پناہ دی - اس طرح کے واقعات کی مثالیں حکومت پنجاب کی جانب سے چھپنے والی -" پنجاب کی بغاوت کی رپورٹ" میں دیکھی جا سکتی ہیں ایسی ہی ایک مثال ضلع تھانیسر کی ہے یہاں کے لوگوں نے نہ صرف مجاہدین آزادی کو پناہ دی بلکہ حکومت کو مالیہ دینے سے بھی انکار کر دیا تھانیسر والوں کو

Scanned with CamScanner

سزا دینے کے لئے فوج بھیجی گئی اور اس نے بڑی سفاکی سے یہ فریضہ انجام دیا- رابرٹ منگمری لکھتا ہے-

"فوج نے سنارہ نامی گاؤں کو آگ لگادی کیونکہ انگریز دشمنی میں اسے بڑی شہرت حاصل ہوگئی تھی- اس کے علاوہ دو مزید دیہات پر بھاری تاوان عائد کیا گیا-"-

شواہد سے ایسا نظر آتا تھا جیسے سیالکوٹ شہر سمیت سارے کا سارا ضلع باغیوں کا حامی بن گیا تھا- شہری اور دیہاتی آبادی کا بیشتر حصہ باغی ہوگیا- سیالکوٹ شہر کے درمیانے اور نچلے درمیانے طبقات نے بغاوت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا- اس زمانے کے کمشنر لاہور ڈویژن اے- اے رابرٹ کے "بقول باغیانہ سرگرمیوں میں نجی ملازم کاریگر اور تاجر بھی ملوث ہوگئے اور سیالکوٹ کے سرکاری ملازمین نے دفاتر کا سامان توڑ پھوڑ دیا- بغاوت پر قابو پانے کے بعد لوگوں کو سخت سزائیں دینے کے علاوہ بھاری تاوان بھی وصول کیا گیا-"

مری کے قصبے میں انگریز حکومت نے ایک ہسپتال قائم کیا تھا جہاں بیمار اور زخمی فوجیوں کا علاج وغیرہ کیا جاتا تھا- اور انگریز سول افسران بھی چند دن کے لئے تھکان دور کرنے آیا کرتے تھے- مری کے چاروں طرف پھیلے ہوئے دیہات کے لوگوں نے اس ہسپتال پر قبضہ کرنے کے لئے کئی مرتبہ حملے کئے-

ہریانہ کی ہلکی پیدل فوج کو جس میں دیسی سپاہی تھے ایک پنشن یافتہ سکھ گوربچن سنگھ نے انگریزوں کے خلاف بغاوت پر اکسایا- وہ باغی تو ہوگئے مگر لڑائی میں انہیں شکست ہوئی- باغی سپاہیوں نے گوربچن سنگھ سمیت رانگھڑوں کے ایک گاؤں میں جس کا نام جتول تھا پناہ لے لی- انگریز افسروں نے بہت کوشش کی کہ بغیر لڑائی کے رانگھڑ باغیوں کو ان کے حوالے کر دیں لیکن رانگھڑ اس پر کسی طرح آمادہ نہ ہوئے- آخر ۲۸۰ گھڑ سوار اور پیادہ فوج نے ایک انگریز لیفٹیننٹ پیٹرسن کی کمان میں جتول کو چاروں طرف سے گھیرے میں لے لیا اور باغیوں کے ان کے حوالے کرنے کا مطالبہ کیا- لیکن رانگھڑ باغیوں کو پناہ دینے کا قول دے چکے تھے انہوں نے باغیوں کو گوربچن سنگھ سمیت واپس کرنے سے انکار کر دیا- انگریزی فوج نے جتول پر ہلہ بول دیا- دفاعی لڑائی میں گوربچن سنگھ کے علاوہ بہت سے دیہاتی بھی مارے گئے اور سزا کے طور پر

گاؤں کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی-

پنجاب کے دیہی عوام کی بغاوتیں

شہروں اور قصبوں کے عوام کے علاوہ دیہاتی لوگوں نے بھی ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں بھرپور حصہ لیا "پنجاب کی بغاوت کی رپورٹ" میں جن باغی برادریوں اور قبیلوں کا تذکرہ کیا گیا ہے- ان میں سے پیش پیش رانگھڑ 'گجر' ڈھنڈ' فتیانے' وٹو اور کھرل تھے ان سب نے پنجاب سے انگریزوں کا وجود ختم کرنے کی ہر ممکن کوشش کی- یہ سب قبائل دیہاتوں کے باسی تھے-

پنجاب کے دیہاتیوں نے اس قدر طوفان برپا کیا کہ انگریزوں کے لئے دہلی تک رسد اور فوجی کمک بھیجنا مشکل ہوگیا اب اس کام کے لئے بہت وقت لگنے لگا کارل مارکس نے اس صورت حال پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا- "انگریزوں کو رسد اور باربرداری کے لئے جانور حاصل کرنے میں جن دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا ہے وہ انگریزوں کی افواج کے ایک جگہ اکٹھا ہونے کی راہ میں بنیادی رکاوٹ کی حیثیت اختیار کر گئی ہیں- اس سے واضح ہوتا ہے کہ دیہات کے لوگ انگریزوں کے بارے اچھی رائے نہیں رکھتے-"

۱۸۵۷ء میں جنگ آزادی کے شروع ہوتے ہی پنجاب میں انگریزوں کے خلاف آگ بھڑک اٹھی- بظاہر اس کی وجہ مذہبی نظر آتی ہے' لیکن حقیقت یہ ہے کہ جاگیرداری سماج میں سیاست کا اظہار بھی مذہبی روپ ہی میں کیا جاتا ہے- چین میں انیسویں صدی کی انگریز مخالف عوامی جنگ "آسمانی بادشاہت" کے نام سے لڑی گئی تھی' سوڈان میں غیر ملکی لٹیروں کے خلاف جنگ میں قیادت کرنے والے نے "مہدی" ہونے کا اعلان کیا تھا- دلی کا شہنشاہ مسلمان تھا اور اس کے غیر ملکی دشمن عیسائی مذہب سے تعلق رکھنے والے تھے اس لئے پنجاب کے دیہاتی مسلمانوں میں دلی کے بادشاہ سے ہمدردی کے جذبات پیدا ہوئے- رابرٹ منگمری لکھتا ہے:

"سیدوں نے جو مسلمانوں کے مذہبی پیشوا ہیں لوگوں سے کہا کہ اگر وہ اپنی عاقبت

سنوارنا چاہتے ہیں تو کافروں کے خلاف جہاد شروع کر دیں - بہرحال ہم ان سے اچھی طرح نمٹنے میں کامیاب ہوئے اور ہمیں امید ہے کہ انہوں نے اس تجربے سے اچھا سبق سیکھا ہو گا -"

فریڈرک کوپر کا بھی کہنا تھا کہ پنجاب کے مسلمان ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں مذہب کی وجہ سے شامل ہوئے تھے - وہ کہتا ہے :

" اگر ہم (پنجاب میں) سارے مشتبہ لوگوں کے خلاف تادیبی کاروائی کرتے تو مسلمانوں کی تعداد انگریزوں کے لئے دردِ سر بن جاتی " -

تاہم ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں پنجابی مسلمانوں نے ہی حصہ نہیں لیا بلکہ سکھوں اور ہندوؤں نے بھی ان کا ساتھ دیا - غدار مسلمانوں میں بھی موجود تھے اور دوسرے مذاہب کے پیروکاروں میں بھی - یہ جنگ ان علاقوں میں بھی لڑی گئی جہاں مسلمانوں کی تعداد زیادہ تھی (گوگیرہ ' سید والہ ' چیچہ وطنی ' سیالکوٹ اور مری) اور ان علاقوں میں بھی جہاں ہندو اور سکھ آبادی اکثریت میں تھی (جالندھر ' لدھیانہ ' ہریانہ ' فیروز پور ' تھانیسر)

کال بلیندی

پنجاب کی رزمیہ داستانیں " کال بلیندی " کے نام سے شروع ہوتی ہیں - " کال " ایک ایسی دیومالائی عورت ہے جو خون میں لتھڑی زبان نکالے لاشوں کے ڈھیر پر بیٹھی مسرت کا اظہار کرتی ہے - اس کے اس مخصوص کردار کی وجہ سے پنجابی رزمیہ نظمیں " کال بلیندی " سے شروع ہوتی ہیں -

۱۸۵۷ء میں جو رزمیہ داستانیں زبان زدِ عام ہوئیں ان پنجابی باغیوں کے کارناموں پر مشتمل ہیں جو ضلع ساہیوال سے ملتان تک کے علاقے میں آباد تھے - ان میں سب سے نمایاں نام احمد خاں کھرل کا ہے - کیونکہ اس موضوع پر پنجابی زبان میں ایک کتاب شائع ہو چکی ہے - اس لئے تفصیل میں جانے کی بجائے یہاں ان واقعات کا اختصار سے ذکر کرنے پر اکتفا کیا جائے گا جو مصنف لکھنا بھول گیا ہے -

فنانشل کمشنر تھامسن کے بقول احمد خاں کھرل اور اس کے ساتھی ایک مہینہ تک کوٹ کمالیہ پر قابض رہے اور تین ماہ تک ساہیوال سے ملتان تک کا راستہ روکے رکھا - اس شاہراہ کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ امریکی اخبار " نیو یارک ڈیلی ٹریبون " میں چھپنے والے ایک مضمون میں کارل مارکس نے خصوصی طور پر اس پر اظہار خیال کیا تھا - یہ مضمون جب شائع ہوا اس وقت احمد کھرل اور اس کے ساتھیوں نے اس راستہ کی نئی نئی ناکہ بندی شروع کی تھی - اس پر کارل مارکس نے لکھا تھا -

" پنجاب میں (انگریزوں کے لئے) ایک اور خطرہ اٹھ کھڑا ہوا ہے - پچھلے آٹھ دنوں سے ملتان سے لاہور تک آمد و رفت کا راستہ بند ہو گیا ہے - "

احمد خاں کھرل اور اس کے ساتھی اس بہادری کے ساتھ لڑے کہ دشمن بھی داد دیئے بغیر نہ رہ سکے " پنجاب کی بغاوت کی رپورٹ " میں درج ہے - " یہ لوگ ڈھول پیٹتے ہوئے حملہ آور ہوتے ہیں اور بڑی بہادری کے ساتھ انگریزی کمک پہنچنے سے پہلے انگریز فوجوں سے ہتھیار چھین کر غائب ہو جاتے ہیں - "

ایک دوسرا انگریز افسر تھامسن انہیں " وحشی اور چالاک " گوریلا کاروائیاں کرنے والے کہتا ہے - وہ لکھتا ہے کہ یہ لوگ تیزی سے ایک جگہ سے نکل کر دوسری جگہ چلے جاتے ہیں -

پنجابی لوک شاعری میں کھرلوں کا قائد احمد خان ہے - لیکن یہ ایک غیر روایتی ہیرو ہے - وہ کسی نو عمر بڑبک باز لڑکے کی بجائے سوچ بچار کے بعد فیصلہ کرنے والا اسی سال سے زیادہ عمر کا بوڑھا ہے - لیکن اس کی آن بان ' لڑنے کا طریقہ اور انگریزوں کے خلاف رومانوی کاروائیاں اسے ہیرو بناتی ہیں - اس نے انگریزوں کے ساتھ کئی مقامات پر پنجہ آزمائی کی - ایک ایسی ہی جھڑپ کا ذکر کرتے ہوئے اس کا دشمن اور انگریز افسر رابرٹ منٹگمری لکھتا ہے -

" جب ہم دریا کے کنارے پر پہنچے تو باغی (احمد خاں کھرل) نے دوسری جانب کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ وہ انگریزوں کا وفادار نہیں صرف دلی کے بادشاہ کے تابع ہے - جب انگریزی فوج دریا سے گذر کر دوسری طرف پہنچی تو احمد کھرل گوریلا کمانڈر کی طرح غائب ہو چکا تھا - انگریز کمانڈنگ افسر نے سزا کے طور پر ارد گرد کے دیہات

Scanned with CamScanner

کو آگ لگادی- بارہ آدمی قیدی بنالئے اور تمام مویشی قبضے میں لے لئے-"

احمد خاں کھرل ۲۱ ستمبر کو انگریزوں کے خلاف لڑتا ہوا شہید ہوا- لوگوں میں خوف و ہراس پیدا کرنے کے لئے "تہذیب یافتہ اور مہذب" انگریزوں نے وہی کچھ کیا جو ان سے قبل منگول، تاتاری، ترک اور پٹھان لٹیرے اور ڈاکو پنجاب کے بغاوت کرنے والے باغیوں کے ساتھ کرتے آئے تھے- احمد خان کھرل کا سر شکستہ گھڑے کے پیندے میں رکھ کر گوگیرہ جیل کے دروازے پر آویزاں کر دیا گیا- لیکن لوک شاعر کے بقول احمد خاں کھرل کے ساتھی جلدی وہاں سے سر اٹھا کر لے گئے اور اسے دفن کر دیا- احمد کھرل کے بارے میں بہت سے گیت لکھے گئے ہیں- ان میں اس کی بغاوت پر پنجابی قوم کے فخر اور اس کی شہادت پر اظہار افسوس کا بڑے جوش اور جذبے کے ساتھ بیان کیا گیا ہے ایک وار (رزمیہ نظم) کا مصرعہ ہے-

ڈھوکاں یاد کریندیاں بہن، اک واری مڑ آویں ہاں
رائے تھو دیا احمد خاناں

ڈھنڈ قبیلے نے بھی جنگ آزادی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا- انہوں نے پہلے تحصیل بڑپہ پر قبضہ کیا، پھر چیچہ وطنی کے پاس میجر چیمبرلین اور اس کے فوجی یونٹ کو گھیرے میں لے کے قیدی بنا لیا- ان کے بعد دوسرے کئی ایک قبیلوں نے بھی بغاوت کا اعلان کر دیا--

پنجاب کے دیہی عوام کی مسلح جدو جہد کو دبانے کے لئے انگریزوں نے انتہا کے ظالمانہ طریقے استعمال کئے- باغیوں کے ساتھ جھڑپوں کے بعد انگریز کیا کرتے تھے اس کی ایک جھلک رابرٹ منٹگمری کے اپنے الفاظ میں دیکھی جا سکتی ہے-

"باغیوں کے دیہات کا صفایا کر دیا گیا، گھر جلا دئے گئے اور باشندوں کو قیدی بنا لیا گیا ان کے مال مویشی ضبط کر لئے گئے- جن گیارہ دیہات کو نذر آتش کیا گیا ان سے اٹھنے والا دھواں دور دور سے نظر آ رہا تھا-"

پنجاب کے لوک شاعروں نے ان لڑائیوں میں بہادری کے کارنامے انجام دینے والوں کے نام محفوظ کر لئے ہیں رائے احمد خاں کھرل، بیگے کے کھرلوں کا سارنگ، جس نے احمد خاں کے ساتھ ہی جام شہادت نوش کیا تھا اور اس کے سر کو بھی نمائش کے

لئے رکھا گیا تھا، ماد جسے گرفتار کر لیا گیا اور وہ جیل میں انتقال کر گیا، نتھو کاٹھیا جسے کالے پانی کی سزا دی گئی، لیکن وہ فرار ہو گیا- اس کی جگہ ایک دوسرے کاٹھیے کو کالے پانی بھیج دیا گیا- نادر شاہ جسے کالے پانی کی سزا دی گئی، امانت علی چشتی جس نے انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ جاری کیا تھا اور راٹھ مراد فتیانہ جس نے لڑائی کے دوران اسسٹنٹ کمشنر برکلے (گیت میں برکلی) کو زخمی کیا-

"اوہ سر برکلی تے ایویں لتھا جیویں طاے تے لندا اے بھکا باز شکاری"

پنجابی گیتوں میں مردانہ کا ذکر بھی کیا گیا ہے جسے کالے پانی کی سزا دی گئی تھی لیکن شاعر کے مطابق وہ بحری جہاز سے چھلانگ لگا کر سمندر میں کود پڑا اور فرار ہو گیا- اس کے علاوہ سوجھا بھدرو ہے جس جیسا سورما بہت کم مائیں جنم دیتی ہیں- جب برکلے مراد فتیانہ کے بھالے سے زخمی ہو کر گرا تو سوجھے بھدرو نے لاٹھی کے وار سے اسے کیفر کردار کو پہنچایا-

سوجھے دیاں ڈانگاں دا گھمار انج آوے، جیویں طاے تے لندی اے باہری

یہ ہے ایک مختصر روداد پنجاب کے دیہات میں انگریزوں کے خلاف لڑائیوں کی جو ۱۸۵۷ء میں لڑی گئیں- دیہی عوام کی یہ جدو جہد آزادی ہو یا پنجاب میں دیسی فوج کی بغاوتیں یا شہری اور قصبوں میں رہنے والے لوگوں کی لڑائیاں جو اس آزادی کی جنگ کے دوران لڑی گئیں سچی بات تو یہ ہے کہ پنجابیوں نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں بھر پور حصہ لیا- اور جو یہ کہتے ہیں کہ پنجاب انگریزوں کا دست و بازو بنا- حقائق کو جھٹلاتے ہیں اور تاریخ سے ناواقف ہیں-

پنجاب میں انگریز حکومت کے خلاف تحریری لٹریچر

جون ۱۸۵۷ء میں ذیل میں درج اعلان ایک مراسلہ کی صورت میں پنجاب کے شہر فیروز پور سے لاہور کے پتہ پر بذریعہ ڈاک بھیجا گیا تھا لیکن سخت سنسر شپ کی وجہ سے یہ مراسلہ پوسٹ ماسٹر نے پڑھ کر روک لیا تھا (ماخذ "بغاوت کی رپورٹیں پنجاب اور شمال مغربی سرحدی صوبہ" جلد اول صفحات ۵۸-۲۵۵)-

"ہندوستان کے تمام باشندوں کے نام چاہے وہ ہندو ہوں یا مسلمان یا کسی دوسرے

Scanned with CamScanner

مذہب کے پروکار ہوں' ہر ایک کو معلوم ہونا چاہیے کہ ہندوستانی افواج نے وفاداری کے ساتھ برطانیہ کے بادشاہ اور کمپنی بہادر کے لئے جنگ و جدل کے ذریعہ کلکتہ سے پشاور تک کا تمام علاقہ فتح کیا- ان خدمات کا انہیں برطانیہ کے بادشاہ اور انگریز حکمرانوں نے یہ صلہ دیا-

۱- ہندوستان میں جہاں پہلے دو سو روپے مالیہ وصول کیا جاتا تھا اب تین سو وصول کیا جا رہا ہے - جہاں چار سو ہوتا تھا اب پانچ سو طلب کئے جا رہے ہیں - سرکاری مطالبات میں مزید اضافہ کیا جا رہا ہے - اس کے نتیجے میں ہندوستانی عوام کے سامنے بھیک مانگنے کے سوا کوئی راستہ نہیں رہ جائے گا-

۲- سرکار نے چوکیدارہ ٹیکس دگنا سے چار گنا اور اب دس گنا کر کے لوگوں کو برباد کرنے کی ٹھان رکھی ہے-

۳- تمام معزز اور تعلیم یافتہ افراد کی ملازمتیں ختم کر دی گئی ہیں- لاکھوں آدمی بنیادی ضروریات زندگی پوری نہیں کر سکتے - ملازمت کی تلاش میں ایک ضلع سے دوسرے ضلعے کو جانے والے افراد سے چھ پائی ٹیکس وصول کیا جاتا ہے- ہر گاڑی پر (گھوڑا گاڑی یا گدھا گاڑی) ۴ سے ۸ آنے تک ٹیکس لیا جاتا ہے- ایک شہر سے دوسرے شہر کا سفر وہی لوگ کر سکتے ہیں جو ٹیکس ادا کرنے کی استعداد رکھتے ہوں-

'ظالموں کے کتنے مظالم کی تفصیل بیان کی جائے- اب تو یہ حال ہے کہ سرکار نے مذہب میں مداخلت شروع کر دی ہے - یہی وجہ کہ ہندوستان کی فوج نے جس میں ہندو اور مسلمان دونوں شامل ہیں کلکتہ سے پشاور تک بغاوت کا جھنڈا بلند کر دیا ہے - ان کا کہنا ہے کہ موت صرف ایک بار آتی ہے لیکن اپنے مذہب کو ترک کر کے مرنا دنیا اور آخرت دونوں جہانوں میں رسوائی کا سبب ہو گا- اپنے مذہب سے منحرف ہونے کی بجائے مذہب کے دشمنوں کو جان سے مار دینا قابل فخر ہے - شہادت کا راستہ جنت کا راستہ ہے-

فوج میں شامل تمام ہندو مسلمان دلی اور دوسرے مقامات پر اپنے مذہب کے تحفظ کے لئے اکٹھے ہو رہے ہیں - سب نے یہ متفقہ فیصلہ کیا ہے کہ بدیسی مذہب دشمن

جہاں نظر آئیں بلا دریغ قتل کر دیئے جائیں - تمام ہندوؤں اور مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ ایسے لوگوں کو موقعہ پاتے ہی مار دیں - اگر ایسا کرنا ممکن نہ ہو تو جتھوں اور گروہوں کی شکل میں دلی کی طرف چل پڑیں - کیونکہ یہ جنگ مذہب کے تحفظ کے لئے لڑی جا رہی ہے - اگر مذہب بچانے میں کامیاب ہو گئے تو ہمارے پاس سب کچھ ہو گا اگر نہ بچا سکے تو ایسے جینے سے مرجانا بہتر ہے-

'اگر ہمارے مذہب دشمن اس وقت لوگوں کو خوش کرنے' ان کے جذبات کو ٹھنڈا کرنے یا صلح صفائی کی کوشش کریں تو سمجھ لیا جائے کہ ان کے قول کا کوئی اعتبار نہیں - ان کے تمام وعدے جھوٹے ہیں - ان کے جال میں پھنس کر اپنی جان کی قربانی نہیں دینی چاہیے -

'پنجاب کے لوگوں کو بھی نیند سے بیدار ہو کر اٹھ کھڑا ہونا چاہیے - انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ ہندوستان کو بھاری مالیہ اور ان گنت ٹیکسوں کے ذریعہ برباد کرنے اور ان کے مذہب کو بیخ و بنیاد سے اکھیڑنے کے بعد یہ حکومت پنجاب کے ساتھ اس سے بھی بدتر سلوک کرے گی - اس وقت اکیلا پنجاب اپنا دفاع نہیں کر سکے گا- آج ظلم روا رکھنے والوں سے سودا چکانا آسان ہے - کلکتہ سے پشاور تک فوج میں بغاوت پھوٹ پڑی ہے - انگریزوں کی اپنی فوج میں چار یا پانچ ہزار گورے ہیں جن میں سے کچھ بیمار ہیں - زنانہ لباس اتار کر جوانوں کے کپڑے پہن کر ہمارے ساتھ متحد ہو جاؤ - حکومت کو ایک کوڑی تک ادا نہ کرو - نئی حکومت قائم ہونے سے پہلے جو ٹیکس ادا کرے گا اسے بعد میں پچھتانا پڑے گا - اور جو لوگوں کو لوٹے گا یا مسافروں سے ٹیکس وصول کرنے کا مرتکب پایا جائے گا اس کا گھر اور دیگر جائیداد ضبط کر لی جائیں گی اور سزا بھی دی جائے گی-

'کیونکہ یہ فیصلہ ہندوؤں اور مسلمانوں نے متفقہ طور پر کیا ہے اس لئے اس کی مخالفت کرنے والے سزا وار ہوں گے - جبکہ مذہب دشمنوں کو ٹھکانے لگانے کی باز پرس کرنے کی بجائے اسے قدر کی نگاہوں سے دیکھا جائے گا-

'ہر کسی کو معلوم ہونا چاہیے کہ ظالموں نے جو فوجیں لکھنؤ (اودھ) اور دوسرے

Scanned with CamScanner

مقامات پر مقرر کی تھیں انہوں نے بھی اپنے مذہب کی حفاظت کے لئے علم بغاوت بلند کر دیا ہے اور دلی میں اکٹھے ہو رہے ہیں اور فوج کے بچے کھچے حصے بھی ہم میں شامل ہونے کے لئے آ رہے ہیں - اگر خدا نے چاہا تو وہ جلدی ہم سے آ ملیں گے - انگریزوں کے پاس تھوڑی سی یورپی فوج ہے - اگر ہم میں سے ہر آدمی ان پر مٹھی بھر خاک ڈالے تو خدا کے فضل و کرم سے ان کا نام و نشان تک مٹ جائے گا - کسی بھی ہندو یا مسلمان کو خطرات سے ڈرے بغیر اپنے مذہب کے دشمنوں کا صفایا کر دینا چاہیے - خدا پر بھروسہ کرتے ہوئے بنا گھبرائے اس کی قدرت کاملہ پر یقین رکھتے ہوئے اسے ہر وقت یاد رکھنا چاہیے - اس کی مدد سے تمہیں کامیابی حاصل ہو گی -

'جو کوئی بھی ہندو ہو یا مسلمان اگر ہمارے مذہب کے دشمنوں سے مل کر ہمارے خلاف لڑے گا دنیا میں بھی اور اگلے جہان میں بھی اس کا منہ کالا ہو گا - اسے کوئی سکون حاصل نہیں ہو گا کیونکہ یہ جنگ مذہب کی خاطر لڑی جا رہی ہے -

'انگریزوں کے نام ہمارا پیغام ہے کہ وہ عوام کو یہ اعلان پڑھنے سے نہ روکیں - کیونکہ انہیں اس سے کوئی فائدہ نہیں ہو گا' انہیں تقدیر پر یقین رکھنا چاہیے - جس طرح تم نے اپنے مفادات کے لئے اعلان جاری کئے ہیں اسی طرح ہم بھی کر رہے ہیں - تم بھی جنگ کی تیاری کر رہے ہو اور خدا پر بھروسہ کرتے ہوئے ہم بھی کر رہے ہیں - اگر خدا کو منظور ہوا تو تمہاری حکومت کو آنچ نہیں آئے گی بصورت دیگر خدا کی منشا پوری ہو گی - تم نے جو ظلم و ستم ڈھائے ہیں اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا" -

سیالکوٹ کے باغ کے دروازے پر آویزاں پوسٹر کی عبارت اگست ۱۸۵۷ء کے اختتام پر (ماخذ - بغاوت کی رپورٹیں' جلد اول صفحات ۱۶-۲۵۹) -

"ہندوستان و پنجاب کے سردار اور سپہ سالار مہاراجہ شیر سنگھ کا فرمان -

آج یکم جیٹھ سمت ۱۹۱۴ کو پنجاب کے تمام ہندوؤں اور مسلمانوں کے لئے یہ فرمان جاری کرنا ضروری ہو گیا ہے کیونکہ بد معاش فرنگی حاکموں نے جنگ کی خبروں پر سنسر شپ عائد کر رکھی ہے - لہذا پہلی بات یہ ہے کہ گذشتہ دس برسوں سے ہم بد قسمتی کا

سامنا کر رہے تھے - آزادی کی کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی لیکن ست گورو کی بارگاہ میں کسی چیز کی کمی نہیں ہے - ایشور کا کرنا یہ ہوا کہ دولت کے پجاریوں (فرنگیوں) کی عقل شراب میں گم ہو گئی اور انہوں نے ہمارے مذہبی معاملات میں مداخلت کی کوشش شروع کر دی تاکہ ان کے سوا ہر کوئی تباہی کے گڑھے میں گر جائے - لیکن تدبیر پر تقدیر کے غالب آنے کے مصداق پادری نے دلی پہنچ کر حکم جاری کیا کہ تمام فوجی سپاہی کارتوس اپنے دانتوں سے کاٹیں - ساری رات سپاہی جاگتے رہے لیکن صبح مرغ کے اذان دینے کے وقت انسانی آوازیں بلند ہوئیں - صوبیدار بہادر جرا کل سنگھ نے اپنی فوج کی مدد سے تمام خبیث فرنگیوں کو ٹھکانے لگا کر شہنشاہ کو تخت شاہی پر بٹھا دیا - ہندوستان کی تمام فوج کو پیغام بھیجے گئے اور اس نے اپنی چھاؤنیوں میں موجود فرنگیوں کو قتل کر دیا - اور پادری کے ساتھ بھی برا ہوا - اس وقت جرا کل سنگھ کلکتہ کی طرف بڑھ رہا ہے اور راستے میں آنے والے ہر تھانے اور تحصیل میں اپنے آدمی مقرر کرتا جا رہا ہے - برما کا راجہ ایک لاکھ چالیس ہزار سپاہیوں سمیت کلکتہ پہنچ چکا ہے - کسی انگریز کو شہر میں داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے - حضرت مرزا صاحب ہزاروں سپاہیوں کے ساتھ دلی میں بیٹھے ہوئے ہیں - خدا سے امید ہے کہ وہ فرنگیوں کو ملک سے زندہ نہیں جانے دے گا - یہ لوگ کتے کی موت مریں گے - اس وقت وہ دلی سے لاہور کی طرف چالیس میل تک پیچھے ہٹ گئے ہیں - اگر خدا نے ہماری مدد کی تو ہم جلد ہی ان کی مستورات کو بھنگیوں کے حوالے کریں گے - جو ہندو یا مسلمان کسی فرنگی کو قتل کرے گا اسے انعام دیا جائے گا اور اس کی حفاظت بھی کی جائے گی' باقی سب خیریت ہے -"

سیالکوٹ شہر کے ایک دوسرے باغ کے دروازے پر آویزاں پوسٹر کی تحریر
(ماخذ - بغاوت کی رپورٹیں' جلد اول صفحات ۱۶-۲۵۹)

"یہ اعلان بد معاش انگریزوں کے نام مہاراجہ شیر سنگھ کی طرف سے جاری کیا گیا ہے -

"تمہیں آگاہ کیا جاتا ہے کہ جب میں افواج لے کر لاہور کی طرف بڑھا تو تمہیں

Scanned with CamScanner

بھاگنے کا راستہ نہیں ملے گا کیونکہ پنجاب کی تمام فوج میرا ساتھ دے گی - یاد رکھو تم پنجاب پر قابض نہیں رہ سکو گے - اس صوبے میں تمہاری ہڈیوں کا سرمہ بنا دیا جائے گا - تمہیں ہر طرح کے مصائب سے دوچار ہونا پڑے گا - اگر تم اپنی خیریت چاہتے ہو تو فوراً یورپ چلے جاؤ - صرف اسی طریقے سے تم بچ سکتے ہو - لیکن ہم جانتے ہیں کہ خدا نے تمہاری عقل پر پردے ڈال دیے ہیں اس لئے تمہارے دماغ میں کوئی اچھی بات داخل نہیں ہو سکتی -"

نام دھاری کوکا لہر

نام دھاری کوکا تنظیم کو انگریزی حکومت نے انیسویں صدی خلاف قانون قرار دے کر اس پر پابندی عائد کر دی اور یہ پابندی ۱۹۴۷ء میں کہیں جا کر اٹھائی گئی - اگر اس تنظیم کی سرگرمیاں محض مذہب کی تبلیغ اور عوامی بھلائی کے کاموں تک محدود ہوتیں اور اس کے سیاسی مقاصد نہ ہوتے تو اس پر کبھی پابندی عائد کرنے کی نوبت نہ آتی --

نام دھاری کوکا لہر کا بنیادی مقصد

نامدھاری کوکا تنظیم سکھوں کی مذہبی اصلاح کے لئے قائم کی گئی تھی - لیکن جلد ہی اپنا انگریز دشمن تنظیم کی شکل اختیار کی اور اس کا تصادم انگریز حکومت کے ساتھ پیدا ہو گیا - اصلاحات کا بنیادی مقصد سکھ مت پر ہندو مت کے بڑھتے ہوئے اثرات کا تدارک یا روک تھام کرنا اور سکھ سرداروں میں دولت کی ریل پیل سے پیدا ہونے والی برائیوں کا خاتمہ کرنا تھا - ہندو مذہب کے زیر اثر سکھوں میں بھی دیوی دیوتاؤں کی پرستش اور پنڈتوں پروہتوں کی تقلید جڑ پکڑ رہی تھی - سکھوں کے ایک دوسرے اصلاحی فرقے نرنکاریوں کی طرح نامدھاری بھی خدا یا واہگورو کا مادی وجود تسلیم نہیں

کرتے تھے - اس طرح ان کا مذہبی تشخص ہندوؤں سے مختلف تھا - یہ نامدھاری اس لئے کہلواتے تھے کہ وہ صرف گرو کی تعلیم کی پیروی کو ہی کافی سمجھتے تھے - کوکا نام سے اس لئے مشہور ہوئے کہ وہ مسلمان درویشوں کی طرح سر جوڑ کر گرو کا ذکر اس طرح کرتے تھے کہ مخصوص آواز نکلتی سنائی دیتی تھی - ایسی آواز کو پنجابی میں "کوک" کہتے ہیں -

نامدھاریوں کا بانی حضرو ضلع اٹک کا باشندہ بالک سنگھ (۱۸۶۳ - ۱۷۹۷) تھا - لیکن اس فرقے کی نشو و نما اور پھیلاؤ ایک دوسرے قائد بابا رام سنگھ کے زمانے میں (۱۸۸۵ - ۱۸۱۶) ہوئے - رام سنگھ مشرقی پنجاب کے ضلع لدھیانہ کے گاؤں بھینی ارائیاں (آج کا "بھینی صاحب") کا رہنے والا تھا -

بالک سنگھ اور رام سنگھ دونوں طبقاتی لحاظ سے بے زمین دہقانی تھے - جبکہ سکھوں کا بڑا حصہ جاٹوں یعنی زمین کے مالکوں پر مشتمل تھا - بالک سنگھ کا باپ سنار تھا اور رام سنگھ ترکھان تھا - ان کے پیروکاروں کی بڑی تعداد دستکاروں اور بے زمین کسانوں پر مشتمل تھی -

رام سنگھ ۱۸۳۶ء سے ۱۸۴۵ء تک مہاراجہ رنجیت سنگھ کی فوج میں شامل رہا تھا - فوجی ملازمت سے مدکی کی جنگ کے بعد سبکدوش ہو کر درویشی کا مسلک اپنایا - فوجی ملازمت کے دوران جب وہ حضرو میں متعین تھا اس کی ملاقات بالک سنگھ سے ہوئی - بالک سنگھ کے انتقال کے بعد اس نے نامدھاری فرقے کا ہیڈ کوارٹر حضرو سے بھینی صاحب منتقل کر دیا -

رام سنگھ کی تعلیم مندرجہ ذیل چار احکامات پر مشتمل تھی -

۱ - ذاتی اصلاحات کے ضمن میں گوشت خوری اور شراب نوشی پر پابندی تھی - دوسروں کی املاک پر قبضہ کرنے - کسی کی بہن بیٹی کو بری نظروں سے دیکھنا منع تھا - جھوٹ بولنے اور قرض پر سود لینے کی ممانعت کر دی گئی -

۲ - سماجی اصلاحات میں بیٹیوں کو فروخت کرنے اور قتل کرنے پر پابندی لگا دی گئی - بیوہ عورتوں کی دوبارہ شادی کا حق تسلیم کیا گیا - کیونکہ ہندو مذہب کے زیر اثر سکھوں میں

Scanned with CamScanner

بھی بیوہ کو عقد ثانی کی اجازت نہیں تھی - سولہ برس سے کم عمر بچوں کی شادی پر اور ونے سنے (یعنی بدلے) کی شادی پر پابندی تھی - بیاہ شادیوں پر زیادہ روپیہ خرچ کرنے کی ممانعت کر دی گئی -

۳ - مذہبی اصلاحات کے ضمن میں علی الصبح بیدار ہونے، غسل کرنے اور پھر سفید اون کی بنی ہوئی تسبیح پر ۱۰۸ مرتبہ جاپ کرنے کا حکم دیا گیا - عام سکھ پگڑی کے دونوں سرے ماتھے پر ترچھے انداز میں آتے ہیں جبکہ کوکا فرقے کے سکھوں کو گول پگڑی باندھنے اور سفید رنگ کا سادا لباس پہننے کا حکم دیا گیا - گائے اور دوسرے مویشیوں کی حفاظت کرنے کا بھی حکم دیا گیا -

۴ - سیاسی اصلاحات کے ضمن میں سرکاری محکموں کی ملازمت اختیار کرنے، ڈاک کے ذریعے خط بھیجنے اور بچوں کو سرکاری سکول میں داخل کرنے پر پابندی عائد کر دی گئی - قانونی فیصلوں کے لئے سرکاری عدالتوں کی بجائے پنچائتوں میں فیصلہ کرنے کا حکم دیا گیا - غیر ملکی اشیاء کے استعمال پر پابندی عائد کر دی گئی - خطوں کی ترسیل کے لئے محکمہ ڈاک کی بجائے اپنا نظام ترتیب دیا گیا - دور یا نزدیک کے علاقوں اور دیہات تک پیغام رسانی کے لئے تمام خطوط ایک گھڑ سوار ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں پہنچاتا اور دوسرا گھڑ سوار انہیں اگلے گاؤں لے جاتا - فوجی ٹریننگ لازمی قرار دی گئی اور صرف دیسی راجاؤں کی فوجی ملازمت کی اجازت دی گئی - سیاسی معاملات سے متعلق ایسے احکامات انگریزوں میں شکوک پیدا کرنے کے لئے کافی تھے -

چینی والا بادشاہ

کوکوں کی سیاسی اصلاحات کا مقصد انگریز حکومت کو پنجاب سے دیس نکالا دینا تھا - رام سنگھ کے گرد تیزی سے لوگ جمع ہونا شروع ہو گئے - گھڑ سوار کوکوں کا ایک دستہ اس کے ساتھ رہتا تھا - رام سنگھ کی اپنی گھوڑی چینے یعنی سرمئی رنگ کی تھی - رام سنگھ کے سیاسی مقاصد کو مد نظر رکھتے ہوئے کوکے اسے "چینی والا بادشاہ" کے نام سے پکارنے لگے - یہ نام کوکوں کے سیاسی عزائم کا آئینہ دار تھا -

رام سنگھ نے کوکا تحریک کے پروپیگنڈے کے لئے جو افراد مقرر کئے انہیں بھی جو نام دیا اس سے سیاست کی بو آتی تھی - یہ لوگ "صوبے" یعنی گورنر کہلاتے تھے - ان ساری باتوں نے انگریزوں کو چوکنا کر دیا اور وہ کوکوں سے بدکنے لگے -

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد انگریز ہر اس اجتماع سے چوکنے ہو جاتے تھے جس میں سیاسی جھلک نظر آتی ہو - انہوں نے جلد کوکا تحریک کا نوٹس لیا - سب سے پہلے حضرو میں نامدھاری آشرم کی تلاشی لی گئی - ۱۸۶۳ء میں بھینی صاحب میں پولیس چوکی قائم کر دی گئی - رام سنگھ اور اس کے "صوبوں" پر بھینی صاحب سے باہر جانے پر پابندی لگا دی جو تین برس تک لاگو رہی -

انگریزوں نے پنجاب پر قبضہ کرتے وقت سکھوں سے وعدہ کیا تھا کہ انکے مذہبی رسم و رواج کا احترام کیا جائے گا اور انکی دل شکنی نہیں کی جائے گی - لکڑی کی ایک تختی پر لکھا ہوا سر جان لارنس کا یہ عہد ۱۹۲۳ء تک دربار صاحب امرتسر کے باہر آویزاں رہا - لیکن قبضہ کے کچھ عرصہ بعد ہی اسے فراموش کر دیا گیا -

انگریزوں کے قبضے کے بعد امرتسر کے لاہوری دروازے کے باہر جو سیدھا دربار صاحب کو جاتا تھا بوچڑ خانہ (گائے بھینس ذبح کرنے والی جگہ) بنا دیا گیا - اسے تعمیر کرتے وقت سکھوں کے مذہبی جذبات کے مجروح ہونے کی قطعی پرواہ نہ کی گئی - نتیجہ یہ نکلا کہ مذہبی حوالے سے قائم غیر ملکی لٹیروں کے خلاف تحریک غلط راہ پر چل دی - کوکوں نے بوچڑ خانے کو اپنے مذہب کی بے حرمتی تصور کیا اور جھگڑے کی ابتدا کر دی - ۱۸۷۱ء میں کوکوں نے اس پر حملہ کر کے چار بوچڑوں (قصابوں) کو ہلاک اور بہت سوں کو زخمی کر دیا -

رائے کوٹ لدھیانہ میں بھی یہی المیہ دھرایا گیا - یہاں تین بوچڑ ہلاک اور تیرہ زخمی ہوئے - یہ تمام حملے رام سنگھ کی اجازت کے بغیر کئے گئے - رام سنگھ نے ان کی مذمت کی کیونکہ یہ کام اس کے سیاسی عزائم کے خلاف تھا - انگریزوں نے ان حملوں کو بہانہ بنا کر کوکوں کو گرفتار کر کے پھانسی پر لٹکانا شروع کر دیا - مالیر کوٹلے کے نواب کی فوج کے ساتھ کوکوں کا مقابلہ بھی بوچڑوں کی وجہ سے ہوا - اس لڑائی کے بعد پچاس کوکوں کو انگریزوں نے توپوں کے دھانے سے باندھ کر ان کے پرخچے اڑا دیے - سولہ کوکوں کو

Scanned with CamScanner

پھانسی کی سزا دی گئی - رام سنگھ کو گرفتار کر کے رنگون جلاوطن کر دیا گیا جہاں ۱۸۸۵ء میں اس کا انتقال ہو گیا اور اس طرح کوکوں کی بغاوت شروع ہوتے ہی کچل دی گئی -

"پگڑی سنبھال جٹا"

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کو ناکام بنانے کے بعد برطانیہ سرکار نے ایسٹ انڈیا کمپنی کا ہندوستان میں اقتدار ختم کر دیا اور ملک کا انتظام و انصرام براہ راست اپنے ہاتھ میں لے لیا - اقتدار کی گرفت مضبوط کرنے کے لئے کئی اصلاحات کیں -

پنجاب میں جو اہم سماجی تبدیلیاں وقوع پذیر ہوئیں وہ نہریں بنانے کا نتیجہ تھیں - انگریز جانتے تھے کہ اگر پنجاب کے میدانی علاقے میں نہروں کا جال بچھا دیا جائے تو یہاں اتنی گندم پیدا کی جا سکتی ہے کہ پورے ہندوستان کی خوراک کی ضرورت پوری کرنے کے بعد بچائی بھی جا سکے گی - اتنی کپاس بھی حاصل ہو سکے گی جس سے برطانیہ کی کپڑے کی ملوں کو سستا خام مال وافر مقدار میں ملے گا - لہٰذا ۱۸۴۷ء سے ۱۸۸۵ء تک پنجاب کی غیر آباد زرعی زمین (جسے پنجابی میں بار کہتے ہیں) کے ایک کروڑ دس لاکھ ایکڑ رقبے کو قابل کاشت بنایا گیا - اس سے پہلے کل ۷۳ لاکھ ایکڑ رقبہ اراضی پر کاشتکاری کی جاتی تھی - پنجاب کی ان نئی زمینوں پر ان مقامات سے کسان لا کے بسائے گئے جہاں آبادی زیادہ اور زمین کم ہو گئی تھی - خاص طور پر جالندھر، لدھیانہ، ہوشیار پور اور امرتسر سے کسان لا کر ان علاقوں میں آباد کئے گئے - ان نئی کالونیوں کے پنجاب کی سیاست پر کیا اثرات مرتب ہوئے اس کا علیحدہ تجزیہ کیا جائے گا - یہاں صرف ۱۹۰۷ء کی انگریز مخالف کسان جدوجہد کا جائزہ لینا مد نظر ہے -

بار کے ان علاقوں میں جو زمین نیلامی کے ذریعے فروخت کی گئی وہاں مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والے خوشحال کسان بھی آباد ہوئے - ان میں سیاستدان اور وکلاء بھی تھے - بیوپاری اور ٹھیکیدار بھی - غرض یہ کہ جو بھی قیمتاً زمین خریدنے کی استعداد رکھتا تھا وہ یہاں آباد ہو گیا - کچھ اراضی سرکاری گرانٹ یا عطیات کی شکل میں

دی گئی - یہاں معمولی رقم کے عوض زمینیں حاصل کرنے والوں میں سرکار دربار سے تعلق رکھنے والے سول اور فوج کے اہلکار، انگریزوں کے حمایتی سردار، جاگیردار، ڈاکٹر، انجینئر اور جج وغیرہ شامل تھے - اور اس طرح بار کا علاقہ ایک طرح سے "چھوٹا پنجاب" بن گیا جہاں بڑے زمیندار، متوسط کسان اور مزارع چاروں طرف سے آ کے آباد ہو گئے -

بار کے ان آبادکاروں میں سیاسی شعور سے آراستہ وہ لوگ بھی شامل تھے جو وطن کی آزادی کے متوالے تھے - ان میں سے کچھ خود کاشت کرتے تھے کچھ ایسے غیر حاضر زمیندار بھی تھے جو رہتے تو شہروں میں تھے لیکن کبھی کبھار زمین کا چکر لگانے چلے آتے تھے -

چونکہ نئے آبادکار پنجاب کے مختلف علاقوں سے نقل مکانی کر کے آئے تھے اس لئے ان کا دور دراز علاقوں میں رہنے والے دوستوں اور رشتہ داروں کے ساتھ خط و کتابت کے ذریعے رابطہ رہتا تھا - چنانچہ بار میں ہونے والے کسی بھی واقعہ کی خبر بہت جلد سارے پنجاب میں پھیل جاتی تھی - بار کے علاقے میں طویل عرصہ تک سیاسی سناٹا طاری رہا لیکن ۱۹۰۷ء میں یہاں جو ہنگامہ برپا ہوا - اس کی بازگشت برطانیہ تک سنی گئی -

بیسویں صدی کے آغاز ہی میں ہندوستان میں آزادی کی جو نئی لہر پیدا ہوئی تھی اس کے وجود میں آنے کا ایک سبب تو بیرون ہند عالمی سیاسی تبدیلیاں تھیں اور دوسرا داخلی حالات و واقعات - باہر ایک ایسا سیاسی بھونچال آیا ہوا تھا جس سے یورپ کی سرزمین لرزنے لگی تھی - انیسویں صدی کے آخری عشرہ میں بلقان کی ریاستوں نے ترک نو آبادکاروں سے نجات حاصل کی - اس کے بعد یہ ہوا کہ اٹلی جیسے طاقتور اور صنعتی طور پر ترقی یافتہ ملک کو ابی سینیا جیسے چھوٹے سے پسماندہ ملک نے شکست دے دی - ۱۹۰۵ء میں ایشیاء کے ایک چھوٹے سے ملک جاپان نے زار شاہی روس کی جو ایک مضبوط سامراجی یورپی طاقت تھا میدان جنگ میں ٹکا بوٹی کر دی - ۱۹۰۵ء ہی میں روس میں لینن کی قیادت میں فیکٹریوں کے مزدوروں نے ہتھیار بند انقلاب برپا کرنے کی کوشش کی - یہ تمام واقعات ہندوستان کی سیاست پر اثر انداز ہوئے - ہندوستانی عوام

Scanned with CamScanner

کو ان سے حوصلہ ملا۔

اندرونی طور پر سارے ملک میں اور خاص طور پر پنجاب میں عوام بہت مشکلات سے دوچار ہو رہے تھے، بیسویں صدی کے شروع ہوتے ہی پنجاب کا علاقہ ہریانہ قحط سالی کی لپیٹ میں آگیا۔ لوگ ابھی فاقہ کشی سے نجات حاصل نہ کر پائے تھے کہ طاعون کی وباء پھیل گئی اور دو ہفتوں کے دوران ایک لاکھ افراد لقمہ اجل بن گئے۔

یہ تمام حالات انگریزوں کے خلاف تحریک پیدا کرنے میں مددگار ثابت ہوئے۔ آل انڈیا کانگریس نے جو ابھی تک صرف قرار دادیں منظور کرنے کے عمل سے آگے نہیں بڑھ رہی تھی۔ اب سوراج یعنی آزادی کے حصول کو اپنا مقصد قرار دینے کا اعلان کر دیا اور غیر ملکی مال کا بائیکاٹ کر کے سودیشی یعنی اپنے ملک میں بنا ہوا مال استعمال کرنے کی عوام سے اپیل کی۔ ۱۹۰۵ء کے بعد بنگال میں تشدد، قتل و غارت، توڑ پھوڑ اور اقراتفری روز مرہ کا معمول بن گئے۔ دہشت گردوں کے ہاتھ جو انگریز لگتا اسے قتل کر دیتے۔

۱۹۰۶ء تک پنجاب برف کی سل بنا رہا۔ لیکن ۱۹۰۷ء میں انگریز سرکار نے "پنجاب کالونائزیشن بل" اسمبلی میں منظوری کے لئے پیش کیا جس کے خلاف ہر طرف غم و غصے کی فضا پیدا ہو گئی۔ اس بل میں بار کی زمینوں کے آباد کاروں پر مندرجہ ذیل پابندیاں لگانے کی تجویز پیش کی گئی تھی۔

۱۔ زمین کی تقسیم در تقسیم پر پابندی عائد کرنے کے لئے وراثت کے قانون میں ردوبدل کیا جائے۔ مالک زمین کے انتقال کے بعد ساری زمین بڑے بیٹے کو منتقل ہو جائے۔

۲۔ زمین کے بیچنے پر پابندی لگائی جائے۔

۳۔ زمین پر اگے ہوئے درخت حکومت کی اجازت کے بغیر کاٹنے کو غیر قانونی قرار دے دیا جائے۔

۴۔ امرتسر، گورداسپور اور لاہور میں کئی مقامات پر آبیانہ کی شرح میں ۵۰ فی صد اضافہ کر دیا جائے۔

اس بل کے اسمبلی میں پیش کئے جانے کے وقت پنجاب کے لوگوں کی معاشی

حالت فصلیں خراب ہونے کے باعث بہت خستہ ہو چکی تھی۔ اسمبلی کے ممبروں نے اس بل کی سخت مخالفت کی لیکن حکومت اسے منظور کروانے میں کامیاب ہو گئی۔ لیکن یہ تو بعد کی بات ہے۔

اس بل کے اسمبلی میں پیش کئے جانے سے پہلے ہی سارے پنجاب میں اس پر نکتہ چینی کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سارے پنجاب میں کسانوں کے احتجاجی جلوس نکلنے شروع ہو گئے۔ خاص طور پر رچنا باری دوآب میں اور عمومی طور پر تمام پنجاب میں جو زوردار احتجاج ہوئے وہ یہ تھے۔

۲۱ جنوری ۱۹۰۷ء کو سانگلہ ہل شہر میں تین ہزار کسانوں کا اجتماع ہوا۔ سیاسی لیڈروں اور کارکنوں نے حکومت کے خلاف تقریریں کیں۔ ۳ فروری اور پھر ۲۷ مارچ کو لائلپور (فیصل آباد) میں کسانوں کا اجتماع ہوا اور پھر بڑے بڑے جلوس نکالے گئے۔ ان اجتماعات میں لالہ جپت رائے اور سردار اجیت سنگھ نے جو بھگت سنگھ کا چچا تھا تقریریں کیں اور جلوسوں کی قیادت کی۔

پنجاب کے ان احتجاجی مظاہروں میں ایسے لوگوں نے بھی قیادت کی جنہیں ان دنوں لوگ بہت کم جانتے تھے، لیکن بعد میں وہ نامور لیڈر بنے۔ ایک وکیل جس کا نام شہاب الدین تھا اسے بھی تحریک میں شہرت ملی۔ اس نے بعد میں سر کا خطاب حاصل کیا اور پنجاب کی سیاست میں جوڑ توڑ کا ماہر بنا۔ مولوی سراج الدین پہلے محکمہ ڈاکخانہ میں ملازم تھا بعد میں اس نے لاہور سے "زمیندار" اخبار جاری کیا۔ یہ شخص مشہور صحافی اور سیاستدان مولانا ظفر علی خان نیز مولانا حامد علی خان اور پروفیسر حمید احمد خان کا والد تھا۔

کالونائزیشن بل کے پاس ہوتے ہی پنجاب میں ہر طرف شور محشر برپا ہو گیا۔ اس نے جلد ہی سیاسی تحریک کی شکل اختیار کر لی۔ اس تحریک میں ایک پنجابی نظم بڑی مشہور ہوئی جس کا پہلا مصرعہ تھا "پگڑی سنبھال جٹا، پگڑی سنبھال اوئے"۔ یہ نظم اس قدر مقبول ہوئی کہ حکومت کو اسے جلسوں میں پڑھنے اور شائع کرنے پر پابندی لگانا پڑی۔ یہ نظم اس پوری تحریک کا نام اور تشخص بن گئی۔

Scanned with CamScanner

یہ تحریک جو کالونائزیشن بل کے خلاف شروع ہوئی تھی جلد ہی انگریزوں کے خلاف آزادی کی تحریک بن گئی - ہر طرف غیر ملکی حاکموں کے خلاف عوامی نفرت کا اظہار ہونے لگا - سی آئی ڈی کی ایک رپورٹ کے مطابق کالونائزیشن ایکٹ کے خلاف تو صرف آٹھ دس جلسوں میں تقریر کی گئی لیکن باقی جلسوں اور جلوسوں میں حکومت دشمن تقریریں ہوتی رہیں - اس تحریک کا دائرہ کسانوں تک ہی محدود نہیں رہا بلکہ انکے علاوہ وکیلوں، کلرکوں، محنت کشوں اور طلباء تک پھیل گیا - جب مارچ ۱۹۰۷ء میں پنجاب کا لفٹننٹ گورنر سرچارلس ریواز ریٹائر ہونے سے پہلے امرتسر اپنے آخری دورے پر آیا تو اس کا استقبال کرنے کی بجائے خالصہ کالج کے طلباء نے اس کے خلاف مظاہرہ کیا اور حکومت کے خلاف نعرے لگائے -

لاہور میں تحریک

۲۱ اپریل ۱۹۰۷ء کو لاہور میں اس سیاسی سیلاب کا پہلا ریلا داخل ہوا - اس روز ایک ہفت روزہ رسالہ "پنجابی" کے ایڈیٹر کے اتھوالے کی چیف کورٹ لاہور (آج کے ہائی کورٹ) میں پیشی تھی - ایڈیٹر کا قصور یہ تھا کہ اس میں چھپنے والے دو مضامین میں انگریز حکومت کی مذمت کی گئی تھی - ایک مضمون کا عنوان تھا "ایک نازک مسئلہ" جس میں ڈپٹی کمشنر راولپنڈی کے سرکاری دورے کے دوران ان قلیوں کی موت پر تبصرہ تھا جن کے ذمے اس کا سامان اٹھانا تھا - ان پر اتنا بوجھ لاد دیا گیا تھا کہ وہ اس کے نیچے دب کر مر گئے تھے - دوسرا مضمون پنڈی کے ایک ضلعی افسر کے ہاتھوں شکار کے دوران بے احتیاطی سے ایک پنجابی کے ہلاک ہوجانے کے بارے میں لکھا گیا تھا - اس مضمون کا عنوان تھا "غلط فہمیاں کیسے پیدا ہوتی ہیں" -

۲۱ اپریل ۱۹۰۷ء کو جب چیف کورٹ میں یہ مقدمہ پیش ہوا تو مقدمے کی کاروائی سننے کیلئے لاہور کے بہت سے شہری اکٹھے ہو گئے - ان لوگوں کی ہمدردیاں ایڈیٹر کے ساتھ تھیں - انگریز جج نے جب ایڈیٹر کو قید کی سزا سنائی اور پولیس کے کے اتھوالے کو

جیل لے جانے کے لئے روانہ ہوئی تو مشتعل ہجوم نے ڈنڈے اٹھا کر پولیس پر حملہ کر دیا - انہوں نے ایڈیٹر اتھوالے کے گلے میں ہار ڈالے - لاہور میں ہونے والے اس واقعہ کا سارے ہندوستان میں چرچا ہوا - پنجاب سرکار کو یہ بات بہت ناگوار گذری -

راولپنڈی کا ہنگامہ

راولپنڈی میں ۲۱ اپریل ۱۹۰۷ء کو کالونائزیشن بل کے خلاف ایک احتجاجی مظاہرہ ہوا جس میں اجیت سنگھ نے حکومت پنجاب کے خلاف ایک جوشیلی تقریر کی - حکومت نے اس تقریر کو باغیانہ قرار دے کر جلسے کا اہتمام کرنے والوں کو عدالت میں طلب کرنے کے لئے سمن جاری کر دیے - مزمان کے عدالت میں پیش ہونے سے پہلے ہی ایک بہت بڑا جلوس عدالت کے باہر جمع ہو چکا تھا - اتنے بڑے ہجوم کو دیکھ کر ڈپٹی کمشنر نے سماعت ملتوی کر دی - لیکن مشتعل ہجوم نے حکومت کے خلاف نعرے لگانے کے علاوہ ڈی سی کے گھر پر حملہ کر دیا اور سرکاری املاک کی توڑ پھوڑ کی -

راولپنڈی کے دوسرے احتجاجی اجتماع میں لالہ لاجپت رائے نے خطاب کرنا تھا - لالہ لاجپت رائے کانگریس اور آریہ سماج دونوں تنظیموں کے لیڈر تھے - حکومت پہلے ہی بدکی ہوئی تھی اس نے اجتماع کو غیر قانونی قرار دے دیا اور اس طرح لاجپت رائے کو تقریر کرنے کا موقعہ نہ ملا -

پنجاب کے دیگر شہروں میں تحریک

حکومت پنجاب کے خلاف تحریک پنجاب کے تمام بڑے شہروں میں پھیل گئی - انہی دنوں گوجرانوالہ سے نکلنے والے ہفت روزہ "انڈیا" کے ایڈیٹر لالہ پنڈی داس نے ہندوستانی فوجیوں کے نام کسی کا خط شائع کر دیا - اس خط میں ہندوستانی فوجیوں کو بغاوت پر اکسایا گیا تھا - خط میں ہندوستانی سپاہیوں کو ملنے والی تنخواہوں اور دیگر سہولتوں کا انگریز

Scanned with CamScanner

فوجیوں کو ملنے والی تنخواہوں اور سہولتوں سے موازنہ کرتے ہوئے بتایا گیا تھا کہ ایک ہندوستانی سپاہی کو صرف نو روپے ماہوار تنخواہ ملتی ہے جبکہ انگریز سپاہی کو مفت یونیفارم اور کھانے کے علاوہ پندرہ روپے تنخواہ دی جاتی ہے - اس ہفت روزہ میں شائع ہونے والے خط کی نقلیں مروان میں متعین فوجیوں سے برآمد ہوئیں - لالہ پنڈی داس کو گرفتار کر لیا گیا - اسے بغاوت کے جرم میں پانچ سال کی سزا دی گئی' رسالہ کا ڈیکلریشن منسوخ اور پریس ضبط کر لیا گیا -

انگریزی حکومت کے خلاف یہ تحریک پنجاب کے تمام بڑے شہروں میں چل نکلی' یکم مارچ سے یکم مئی تک راولپنڈی' لاہور' لائلپور' فیروزپور' امرتسر' بٹالہ اور دوسرے بڑے شہروں میں تقریباً ۲۸ اجتماع ہوئے - ان میں لالہ لاجپت رائے اور اجیت سنگھ نے ایک ساتھ یا علیحدہ علیحدہ مقررین کے طور پر عوام سے خطاب کیا -

اس تحریک سے حکومت پنجاب خوفزدہ ہو گئی' انگریزی اخبار "سول اینڈ ملٹری گزٹ لاہور" نے بھی ایک مضمون میں لکھا کہ ۱۰ مئی کو لالہ لاجپت رائے ایک لاکھ جوانوں کے ساتھ لاہور قلعہ پر حملہ کرنا چاہتا ہے - "ڈیلی میل" نے الزام لگایا کہ لالہ لاجپت رائے بغاوت کے بعد پنجاب کا راجہ بننا چاہتا ہے - "ایوننگ سٹینڈرڈ" نے یہ افواہ پھیلائی کہ مال روڈ پر نصب ملکہ وکٹوریہ کے بت کا تاج لوگوں نے اتار کر غائب کر دیا ہے اور مشنری ادارے سے تعلق رکھنے والی عورتوں کو بے عزت کیا ہے - "لندن ٹائمز" نے تشویش کا اظہار کرتے ہوئے حکومت سے یہ سوال کیا کہ ہند سرکار اس بحران سے عہدہ برآ ہونے کے لئے تیار ہے بھی یا نہیں؟ ہر ایک کو یہ فکر کھائے جا رہی تھی کہ ۱۹۰۷ء میں چونکہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے پچاس سال پورے ہو رہے تھے اس لئے اس موقع پر یقیناً کچھ نہ کچھ ہونے والا ہے -

پنجاب حکومت کی ایک خفیہ رپورٹ کے مطابق پنجاب میں ہر واقعہ کو حکومت کے خلاف نفرت میں اضافہ کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے - خاص طور پر سکھ جاٹوں کو حکومت کے خلاف اکسایا جا رہا ہے - جو پولیس ملازم اس تحریک کو روکنے کی کوشش کرتے ہیں انہیں عوام دشمن اور غدار قرار دیا جاتا ہے - یہ طعنے اس لئے دیے

جاتے ہیں کہ وہ تنگ آ کر ملازمت چھوڑ دیں - ہندوستانی فوجیوں کو بھی وردی اتار پھینکنے کا مشورہ دیا جا رہا ہے - اس تحریک کی قیادت کرنے والے بعض لیڈر انگریزوں کو ملک سے نکال باہر کرنے کی آس لگائے بیٹھے ہیں اور کچھ انگریزوں سے حکومت چھین لینا چاہتے ہیں - چاہے یہ مقصد طاقت کے زور پر حاصل کیا جائے یا پرامن طریقے سے حکومت کو ناکام بنانے کے لئے جھوٹ اور نفرت پھیلائے جا رہے ہیں" -

جب پنجاب میں عوامی تحریک کے اثرات فوجی بیرکوں تک پہنچنا شروع ہو گئے تو کمانڈر انچیف لارڈ کچنر نے حکومت سے کالونائزیشن ایکٹ ختم کرنے کی سفارش کی -

اس تحریک کے نتیجے میں محکمہ مال کے چھوٹے افسروں نے سٹرائیک کا اعلان کیا' عوام نے پولیس کی تذلیل شروع کر دی اور کسانوں نے مالیہ ادا کرنے سے انکار کر دیا - اس موقعہ پر گورنر ابٹسن نے وائسرائے ہند کو لکھا "پنجاب میں ہر طرف لوگوں کو ایک تبدیلی محسوس ہو رہی ہے' ایک نئی ہوا چلنے لگی ہے اور لوگوں کے ذہن متاثر ہو رہے ہیں" - ابٹسن نے وائسرائے لارڈ منٹو کو لکھا کہ "پنجاب کی صورت حال بہت گھمبیر ہو گئی ہے - یہاں باغیانہ سرگرمیوں کا ہیڈ کوارٹر وجود میں آ گیا ہے" - اس نے لائل پور' ملتان اور دوسرے شہروں میں لاجپت رائے' اجیت سنگھ اور دیگر لیڈروں کی تقاریر کی سی آئی ڈی رپورٹیں وائسرائے کو بھیجیں اور تجویز کیا کہ دونوں لیڈروں کو گرفتار کر کے ملک بدر کر دیا جائے - وائسرائے نے ابٹسن کی تجویز سے اتفاق کرتے ہوئے لالہ لاجپت رائے اور اجیت سنگھ کو ایک پرانے کالے قانون ایکٹ ۱۸۱۵ء کے سیکشن ۲ کے ریگولیشن ۳ کے مطابق گرفتار کر کے برما کے شہر مانڈلے جلاوطن کر دیا - اس کالے قانون کو عدالت میں چیلنج نہیں کیا جا سکتا تھا -

ان دو لیڈروں کو مانڈلے بھیجنے کے بعد کئی چھوٹے لیڈر اور ہزاروں کی تعداد میں سیاسی کارکن گرفتار کر کے جیلوں میں ٹھونس دیے گئے - ان میں وکیل' کسان' تاجر اور کئی طالب علم بھی شامل تھے -

لالہ لاجپت رائے کے ملک بدر کر دیے جانے کی لوگوں نے شدید مذمت کی -

Scanned with CamScanner

کیونکہ پنجاب کے اس فرزند سے سارا ہندوستان متعارف تھا- کانگریس کے ایک لیڈر تلک نے اپنے ایک مضمون میں جو رسالہ "کیسری" میں چھپا تھا لکھا "انگریز حکومت ہندوستانیوں کے ساتھ ویسا ہی سلوک کر رہی جو زار روس اپنی رعایا سے کرتا ہے- اب ہندوستانیوں کو بھی انگریزوں سے ایسے ہی نمٹنا پڑے گا جیسے زار کی رعایا اس سے نمٹ رہی ہے"- یاد رہے کہ ۱۹۰۵ء کے بعد سے روس میں زار حکومت کے خلاف مسلح جدوجہد جاری تھی اور فیکٹریوں کے مزدوروں نے بغاوت کی راہ اختیار کر رکھی تھی برطانیہ کے ہاؤس آف کامنز میں حکومت مخالف ممبروں نے خاص طور پر آئرلینڈ کے ممبروں نے اس بات پر بڑا شور مچایا کہ لیبر حکومت کے دور میں ہندوستان کے سیاسی لیڈروں کو ملک بدر کیا گیا ہے- آخر کار چھ ماہ کے بعد حکومت کو لالہ لاجپت رائے اور اجیت سنگھ کی سزا واپس لینا پڑی- لالہ لاجپت رائے تو مانڈلے سے وطن لوٹ آئے مگر اجیت سنگھ نے انگریزوں کے خلاف لڑائی جاری رکھنے کے لئے ملک سے باہر رہنے کا فیصلہ کیا- وہ پہلی جنگ عظیم کے دوران اٹلی کے ریڈیو اسٹیشن سے برطانوی حکومت کے خلاف پروپیگنڈہ کرتا رہا- راولپنڈی کے جو وکلاء گرفتار کئے گئے تھے انہیں پانچ ماہ بعد رہا کر دیا گیا کیونکہ جج مسٹر مارٹینو کے فیصلے کے بموجب انکے خلاف عداوت پر مبنی جھوٹے گواہ پیش کئے گئے تھے-

پنجاب میں "پگڑی سنبھال جٹا" تحریک کے نتیجے میں انگریز حکومت کو کالونائزیشن ایکٹ کالعدم قرار دینا پڑا - انگریز حکومت کے خلاف اس تحریک میں پنجاب کے مسلمانوں، سکھوں اور ہندوؤں نے مل کر حصہ لیا تھا- سو اب انگریزوں نے "پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو" کی پالیسی اختیار کرنے کا فیصلہ کر لیا-

پنجاب میں بغاوت کا پرچار ۰۹-۱۹۰۷ء

۱۹۰۷ء میں کسان تحریک ختم ہونے کے بعد پنجاب کے شہروں میں انگریزوں کے خلاف بغاوت کا پرچار زور و شور سے شروع ہو گیا- مہم چلانے والے کسی بڑی سیاسی

تنظیم کے ممبر نہیں تھے - وہ صرف انگریز دشمن اور اپنے وطن کی سرزمین سے پیار کرنے والے تھے - ۰۹ - ۱۹۰۷ء کے درمیان رسالوں، پمفلٹوں اور کتابوں کے ذریعے انگریزوں کو ملک سے نکالنے کے حق میں مواد کی اشاعت عام ہو گئی - پنجاب سے شائع ہونے والے ان رسالوں میں گوجرانوالہ کے " انڈیا " اور "ہندوستان" کے علاوہ لاہور سے چھپنے والا " پنجابی " پیش پیش تھے - ان کے علاوہ لاہور سے نکلنے والا اخبار روزنامہ " زمیندار " انگریز دشمنی میں اہم کردار ادا کر رہا تھا - ان رسائل و اخبار کے مدیر جرآت مند نوجوان تھے اور انہوں نے اپنے مقصد کے حصول کے لئے بڑی قربانیاں دیں - کئی مرتبہ گرفتار ہوئے، کئی بار اخبارات و رسائل کی ضمانتیں ضبط ہوئیں اور متعدد بار ان کی اشاعت پر پابندی لگائی گئی - لالہ پنڈی داس، لالہ دینا ناتھ، لالہ لاجپت رائے اور مولانا ظفر علی خان نے اس دور میں تاریخ ساز کردار ادا کیا-

ان اخبارات و رسائل نے انگریزوں کی عوام دشمن کارروائیوں کی مذمت کی انگریز افسروں کی دیسی لوگوں کے ساتھ زیادتیوں کو بلا خوف و خطر بے نقاب کیا - ان کے ایڈیٹوریل اور دوسرے مضامین ہندوستان کے عوام کی حمایت میں وقف تھے -

پنجاب کے انقلابیوں نے انگریزوں کے خلاف عوام کو متحرک کرنے کے لئے جو پمفلٹ اور کتابچے شائع کئے وہ ان رسائل کے علاوہ تھے - انہوں نے ایسے ادارے بھی قائم کئے جن کا کام انگریزوں کے خلاف مواد شائع کر کے عوام میں تقسیم کرنا تھا- اس دور کی تاریخ پر جن مصنفین نے تحقیق کی ہے وہ نئی دلی کے نیشنل آرکائیوز میں موجود " ہوم پولیٹیکل فائلز " کا حوالہ دیتے ہوئے ان کتابچوں اور پمفلٹوں کی تفصیل بھی دیتے ہیں - کچھ کتابوں اور پمفلٹوں کے ناموں سے بھی ان کی سرکار دشمنی اور قوم پرستی ظاہر ہوتی ہے - مثال کے طور پر نند لال کی "قومی اصلاح" سوارن سنگھ کی "غدر" "سوارن سنگھ اور کشن سنگھ کی "دیسی فوج ظفر موج" "صوفی انبا پرشاد کی" باغی مسیح" "سوارن سنگھ کی "امانت میں خیانت" "اجیت سنگھ کے پمفلٹ "ہندوستان میں انگریز سرکار نے انگلی پکڑتے ہی کلائی پکڑ لی" اور "پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو" "لال سنگھ اور کشن سنگھ کی " سرکاری نوکری " "سوارن سنگھ اور کشن سنگھ کی کتاب

"قومیں کیسے زندہ رہتی ہیں؟" ان کتابوں اور پمفلٹوں کی فہرست سی آئی ڈی نے مرتب کی تھی تاکہ ان پر پابندی لگائی جا سکے - یہ پمفلٹ آج بھی نئی دلی کے نیشنل آرکائیوز میں موجود ہیں -

پنجاب کے انقلابیوں نے انقلابی موضوعات پر تقریروں اور لیکچروں کا انتظام بھی کیا تھا - ان لیکچروں میں سے چند کے عنوان یہ تھے "تلک مہاراج بارے" "ٹیپو سلطان" "میر قاسم" "جاپان کی ترقی" "روس کے آج کے حالات" "زار شاہی کا خاتمہ" وغیرہ - یہ عنوان بھی ان لیکچروں کی سامراج دشمنی کی عکاسی کرتے ہیں -

پنجاب کے انقلابی صرف کتابی ہی نہیں تھے - انہوں نے انگریزوں کے خلاف بغاوت کے لئے لوگوں کو تیار کرنے کا عہد کر رکھا تھا - ان کی سرگرمیوں کی اطلاع جب انگریزوں کو ہوئی تو انہیں گرفتار کرنے کے لئے چھاپہ مار مہم شروع کر دی گئی - ہوشیار پور بھی ان انقلابیوں کا ایک ٹھکانہ تھا - یہاں سے چھاپے کے دوران پولیس کو بہت سا انقلابی لٹریچر ہاتھ لگا - ایک ایسے منصوبے کا سراغ بھی ملا جس میں انقلاب کے مختلف مراحل سے عہدہ برآ ہونے کی ترکیبیں درج تھیں - اس کے مطابق حکومت دشمن انقلابی جد و جہد کے پہلے مرحلے میں ہندوؤں کو تیار کیا جانا تھا' دوسرے مرحلے میں مسلمانوں کو جد و جہد کی حمایت کے لئے آمادہ کرنا تھا' تیسرے مرحلے میں خزانہ اور ڈاکخانہ لوٹ کر افراتفری پھیلانا تھا -

اس منصوبہ میں مندرجہ ذیل تین طرح کے نوجوانوں کے لڑاکا گروپ تیار کرنے کا منصوبہ بھی بنایا گیا تھا - (۱) انتظامی گروپ (۲) دشمن کی مخبری کرنے والے نوجوانوں کا گروپ (۳) مسلح کاروائیاں کرنے والے نوجوانوں کا گروپ - تینوں گروپوں کا انتخاب قرعہ اندازی سے کیا جاتا تھا - مسلح کاروائیوں کا مقصد غداروں' حکومت کے جاسوسوں اور اعلٰے سرکاری افسروں میں سراسیمگی پیدا کرنا تھا -

۱۹۰۹ء میں انگریز سرکار نے چاروں طرف چھاپہ مار مہم شروع کر دی - ان چھاپوں کا سب سے پہلا نشانہ خبر رساں ایجنسیوں اور پریس کو بنایا گیا - لاہور میں چھاپوں کے دوران جن جگہوں سے برآمدگی ہوئی وہ یہ تھیں "قومی بک ایجنسی" "سیاتیک پریس"

"سوراجیہ پریس" "بندے ماترم بک ایجنسی" "بھارت ماتا بک ایجنسی" "ہندوستان پریس" اور "اردو بانس بک ایجنسی" -

جن مشتبہ افراد کی خانہ تلاشی لی گئی ان میں قصور کے وکیل دھنپت رائے اور لائل پور (فیصل آباد) کے ارجن سنگھ شامل ہیں - یاد رہے کہ دھنپت رائے' اجیت سنگھ کا سسر تھا اور ارجن سنگھ اجیت سنگھ کا والد تھا - یہ وہی اجیت سنگھ ہے جو شہید بھگت سنگھ کا چچا تھا -

سطور بالا میں جن کتابوں اور پمفلٹوں کے نام لکھے گئے ہیں ان کے مصنف شائع کرنے والے اور تقسیم کار گرفتار کر لئے گئے - کشن سنگھ' نند لال' ایشوری پرشاد' اور منشی رام کو طویل سزائیں دی گئیں اور کچھ ملک بدر کر دیئے گئے -

اس صدی کے شروع میں آزادی ہند تحریک میں ہندو' مسلمان اور سکھ سبھی شامل تھے لیکن ہندوؤں کی تعداد اس لئے زیادہ تھی کہ ان میں پڑھے لکھے درمیانہ طبقے سے تعلق رکھنے والے وافر تھے - انگریز ہندو مسلم سکھ اتحاد کو اچھی نظروں سے نہیں دیکھتے تھے - انہوں نے اسے پارہ پارہ کرنے کے لئے نئے ہتھکنڈے بروئے کار لانے کا فیصلہ کیا - ۱۹۰۶ء میں سرکار کے اشارے پر مسلمانوں کے لئے جداگانہ انتخابات کا مطالبہ ان لوگوں نے کیا جو سرکار دربار کے بہت نزدیک تھے - جداگانہ انتخابات ہندو مسلمان سکھ اتحاد کے لئے زہر قاتل ثابت ہوئے -

پنجاب کے انقلابیوں کی بیرون ملک جد و جہد

۱۹۰۵ء کے بعد انگریزوں نے پورے ہندوستان میں آزادی کی جد و جہد کو سختی سے کچلنے کا فیصلہ کیا جس میں ۱۹۰۹ء تک بہت زیادہ اضافہ ہوگیا- جب انقلابیوں کے لئے ملک میں آزادی کی جد و جہد جاری رکھنا ممکن نہ رہا تو انہوں نے ہندوستان سے باہر جا کر یہ شمع روشن رکھنے کا فیصلہ کیا تاکہ گھٹا ٹوپ اندھیرے میں کوئی نہ کوئی کرن نظر آتی رہے- ان انقلابیوں نے برطانیہ، فرانس، کینیڈا اور امریکہ میں انقلابی سرگرمیاں جاری رکھیں-

برطانیہ میں "انڈیا ہاؤس" کو انقلابی سرگرمیوں کا مرکز بنایا گیا جسے شیام جی کرشنا ورما نے قائم کیا تھا- شیام جی نے ہندوستانی نوجوانوں کو تعلیم حاصل کرنے کے لئے وظیفے دینے کا اہتمام کیا تھا تاکہ وہ برطانیہ میں تعلیم کے ساتھ انقلابی شعور بھی حاصل کر سکیں- انہوں نے "انڈین سوشیالوجسٹ" نام کا ایک رسالہ بھی نکالنا شروع کیا-

پیرس میں ایک اور ہندوستانی انقلابی مادام کلانے "بندے ماترم" کے نام سے رسالہ نکالنا شروع کیا اور اس طرح پیرس میں بھی پنجابی انقلابیوں کے اجتماع کے لئے ایک ٹھکانہ وجود میں آگیا- امریکہ منتقل ہونے سے پہلے ہردیال اور پرمانند دونوں مادام کلا سے مل کر انقلاب کی منصوبہ بندی کیا کرتے تھے-

۱۹۰۹ء میں ہندوستان اور پنجاب میں انقلابیوں کی پکڑ دھکڑ میں اضافہ ہوگیا اور سیاسی کارکنوں کو کڑی سزائیں دی جانے لگیں- ہندوستان سے باہر مقیم ہندوستانی اور پنجابی انقلابیوں کے علاوہ دیگر قوموں کے سیاسی کارکنوں نے برطانوی حکومت کی ان سختیوں کو تنقید کا نشانہ بنایا اور ان کے خلاف پروپیگنڈہ مہم شروع کی- انہی میں سے ایک انقلابی مدن لال ڈھینگرا تھا- مدن لال امرتسر سے انجینئرنگ کی تعلیم حاصل کرنے برطانیہ آیا ہوا تھا- اس نے ۱۹۰۹ء میں انجینئرنگ کی سند حاصل کر لی تھی- ہندوستانی انقلابیوں پر انگریز حکومت کے ظلم و تشدد کی خبریں پڑھ کر اس پر شدید ردعمل

ہوا اور اس نے برطانیہ کی حکومت سے بدلہ لینے کا فیصلہ کیا- اس کا نشانہ سر ولیم کرزن وائلی بنا جو حکومت برطانیہ کا ایک اہم افسر اور انڈیا آفس کا وابستہ سمجھا جاتا تھا- وائلی طلباء کی سیاسی سرگرمیوں کی مخبری کرنے والے ادارے کا سربراہ بھی تھا- مدن لال نے اسے اس وقت پستول کی گولی سے ہلاک کر دیا جب وہ ایک جلسے میں شرکت کر رہا تھا- مدن لال پر مقدمہ چلا اور اسے سزائے موت کا حکم سنایا گیا- لیکن مرنے سے پہلے اس نے عدالت میں جو بیان دیا تھا وہ پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے- اس کے الفاظ یہ تھے-

"میں اقرار کرتا ہوں کہ میں نے ہندوستان کے وطن پرستوں کو پھانسی دینے اور ملک بدر کرنے کا تھوڑا سا بدلہ چکانے کے لئے کچھ دن پہلے ایک انگریز کا لہو بہایا ہے- اس اقدام کے لئے میں نے اپنے ضمیر کے سوا کسی سے مشورہ نہیں کیا- میں نے سازش نہیں کی بلکہ اپنا فرض پورا کیا ہے-

"میرا یہ عقیدہ ہے کہ جو قوم غیر ملکیوں کی سنگینوں کی زد میں ہو وہ مستقل جنگ کی حالت میں ہوتی ہے- مجھے یہ اچانک حملہ اس لئے کرنا پڑا کہ ان قوموں کے لئے جن سے ہتھیار چھین لئے جائیں آزادانہ طور پر کھلے بندوں لڑائی جاری رکھنا ناممکن بنا دیا جاتا ہے- بندوق رکھنے کی اجازت نہیں تھی- اس لئے پستول نکالا اور گولی مار دی-

"آج ہندوستان کے لوگوں کو صرف ایک سبق یاد کرانے کی ضرورت ہے وہ یہ کہ لڑنا کیسے چاہئے اور سکھانے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے خود موت کو گلے لگانے کی ریت پیدا کی جائے- اسی لئے میں نے آج شہادت کی موت کو سینہ سے لگانا پسند کیا ہے-

"میری خواہش ہے کہ اس دھرتی پر دوبارہ جنم لوں اور پھر اس سچے آدرش کے لئے جان کا نذرانہ پیش کروں یہاں تک کہ آزادی کے حصول کی تمنا پوری ہو جائے- اور میری مادر وطن آزاد ہونے کے بعد انسانیت کی بہتری کے لئے اور خدا کی عظمت کے لئے کام سرانجام دے سکے- بندے ماترم-"

غدر پارٹی کا قیام

Scanned with CamScanner

اس صدی کے شروع میں پنجابی لوگ مشرقی پنجاب میں زرعی اراضی کی کمی اور آبادی میں اضافے کی بنا پر روزگار کی تلاش میں ملک سے باہر جانا شروع ہوئے - چین، آسٹریلیا، کینیڈا، امریکہ ہر سو بے روزگار پنجابی در بدر خاک چھانتے پھرے - وہ زیادہ تر کینیڈا اور امریکہ جاتے تھے - ۱۹۰۹ء میں کینیڈا میں اڑھائی ہزار کے قریب اور امریکہ میں قریباً ساڑھے چھ ہزار پنجابی آباد ہو گئے - ان کی تعداد میں سال بہ سال اضافہ ہوتا چلا گیا - پنجابیوں کے علاوہ ایشیا کے دوسرے غریب ملکوں بالخصوص چین اور جاپان کے باشندے بھی کینیڈا اور امریکہ نقل مکانی کر کے بسنے لگے -

امریکہ اور کینیڈا میں جانے سے پنجابی مزدوروں کے سیاسی شعور میں اضافہ ہوا - انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ آزاد ملکوں کے باشندوں اور غلام ملکوں میں رہنے والے لوگوں کے حقوق میں کتنا فرق ہوتا ہے - یہاں آ کر انہیں آزادی نظر آئی - جلسے جلوس دیکھے، یہاں نہ پریس پر کوئی پابندی تھی اور نہ ہی سیاسی اجتماع کی ممانعت - انہوں نے دیکھا کہ یہاں کے عوام کو حکومت بنانے اور ختم کرنے کا اختیار حاصل تھا -

یہاں وہ چینی اور جاپانی محنت کشوں سے مکمل مل گئے جو پنجابی محنت کشوں سے بہتر حالت میں تھے - کیونکہ ان کے حقوق کی حفاظت ان کے سفارت خانے کرتے تھے - غلام پنجابیوں کے حقوق کا تحفظ کرنے والا یہاں کوئی نہیں تھا - کینیڈا اور امریکہ میں بسنے والے پنجابی محنت کشوں سے آزاد قوموں کے لوگ جس طرح کے سوالات پوچھتے تھے ان سے بھی انہیں بڑی تکلیف ہوتی تھی -

"ہندوستان کی آبادی کتنی ہے" -

"تیس کروڑ" (۱۹۰۹ء کے قریب اتنی ہی تھی)

"تم انسان ہو یا حیوان، تعداد میں اتنے ہونے کے باوجود غلامی کی زندگی کیسے گوارا کئے ہوئے ہو" -

۱۹۰۹ء میں کینیڈا اور امریکہ میں بھی معاشی بحران پیدا ہو رہا تھا، بے روزگاروں میں اضافہ ہو رہا تھا، چینی، جاپانی اور پنجابی مزدوروں کو سرمایہ دار کم تنخواہوں پر نوکر رکھ لیتے تھے جس کی وجہ سے مقامی مزدور کے ساتھ ان کا تضاد پیدا ہو جاتا تھا اور مقامی مزدور

انہیں تضحیک کا نشانہ بناتے - کبھی کبھار انہیں تشدد کا نشانہ بھی بنایا جاتا -

ایک طرف سیاسی شعور میں اضافہ اور دوسری طرف نت نئے مسائل اور تکالیف - ان سب باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ کینیڈا اور امریکہ میں مقیم پنجابی مزدوروں نے سیاسی تنظیم بنانے کا فیصلہ کیا -

تنظیم سازی میں سکھ، ہندو اور مسلمان سبھی شامل تھے لیکن گنتی کے اعتبار سے سکھ سب سے زیادہ تھے اس لئے ان تنظیموں کے دفاتر گوردواروں میں قائم کئے گئے - اس تنظیم کا نام "ہندوستانی ایسوسی ایشن آف دی پیسیفک کوسٹ" تھا - اور اس کے پہلے صدر کا نام بھائی سوہن سنگھ تھا - جی ڈی کمار اور پنڈت کاشی رام جنرل سیکریٹری اور خزانچی تھے - یہ پورٹ لینڈ کے شہر میں قائم کی گئی تھی -

اس تنظیم کی دوسری شاخ شہر اسٹوریا میں قائم کی گئی - اس کا صدر بھائی کیسر سنگھ تھا - سیکریٹری جنرل کا نام منشی کریم بخش تھا -

اس وقت تک ہر دیال پنجاب یونیورسٹی لاہور سے ایم ایس سی کرنے کے بعد کیلیفورنیا پہنچ چکا تھا - وہ نرا طالب علم ہی نہیں تھا بلکہ عملی آدمی بھی تھا - سب نے اسے نئی تنظیم کی قیادت سنبھالنے کی درخواست کی - ہر دیال نے قائد مقرر ہونے کے بعد سان فرانسسکو سے ہفت روزہ "غدر" جاری کیا - اسی مناسبت سے اس پارٹی کا نام "غدر پارٹی" بن گیا -

۲۱ اپریل کو اسٹوریا شہر میں غدر پارٹی نے جو ریزولیشن منظور کئے ان میں سے چند ایک مندرجہ ذیل ہیں -

۱ - تنظیم کا مقصد انگریزوں کی غلامی سے ہندوستان کو مسلح جدوجہد کے ذریعہ آزاد کرانا ہے - آزادی کے بعد برابری کے اصولوں کی بنیاد پر جمہوری ریپبلک قائم کی جائے گی -

۲ - تنظیم کا ہیڈ کوارٹر سان فرانسسکو میں ہوگا جو دنیا بھر کے انقلابیوں کا مرکز ہے -

۳ - تنظیم ہفت روزہ "غدر" اردو، پنجابی، ہندی اور دوسری زبانوں میں چھاپے گی -

۴ - ہر فیکٹری یا ریلوے کے مزدوروں کے یونٹ کا تعلق مرکزی کمیٹی سے ہوگا -

۵ - مرکزی کمیٹی کا انتخاب مقامی کمیٹیاں کریں گی -

Scanned with CamScanner

۶- تنظیم تین افراد پر مشتمل کمیشن منتخب کرے گا جو سیاسی اور خفیہ کام کا انچارج ہو گا۔
۷- ہر ممبر ایک ڈالر ماہوار چندہ ادا کرے گا۔
۸- تنظیم میں مذہبی بحث مباحثہ کی اجازت نہیں ہو گی - مذہب ذاتی مسئلہ تصور کیا جائے گا۔

رسالہ "غدر" جلد ہی مقبول ہو گیا - پہلا پرچہ اردو میں چھپا لیکن جب یہ پنجابی زبان میں شائع کیا گیا تو اس کی مانگ میں بہت زیادہ اضافہ ہوا - رسالے کے گیارہ ایڈیٹروں میں تین مسلمان تھے -

رسالے میں شائع ایک مضمون میں اس کا مقصد یوں بیان کیا گیا تھا-

"ہماری اس تحریک کا مقصد ہندوستان بھر کے لوگوں کو بغاوت کے لئے تیار کرنا ہے تاکہ انگریز حکومت کو جڑ سے اکھاڑا جا سکے - یہ حکومت ایک دیمک خوردہ درخت کی مانند ہے - ہم ہندوستان میں قومی حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں-

۱۸۵۷ء کے غدر کو ۵۳ سال بیت چکے ہیں - آج ایک نئے غدر کی ضرورت ہے - آج ہم انگریز حکومت کے خلاف جنگ کا اعلان کرتے ہیں - ہمارا مقصد کیا ہے ؟ بغاوت - بغاوت کہاں سے شروع ہو گی ؟ - ہندوستان سے - وہ دن قریب آ رہا ہے جب قلم اور سیاہی کی جگہ بندوق اور ہتھیار لے لیں گے" غدر پارٹی کے کچھ نعرے یہ تھے -

۱- اتحاد کی برکت - طاقت اور آزادی
۲- ناانصافی کا انجام - کمزوری اور غلامی -
۳- اتحاد کی بنیاد - سوشلزم
۴- ناانصافی کی بنیاد - سامراج

تنظیم کے بیان کردہ ڈھانچے اور پارٹی نعروں سے معلوم ہوتا ہے کہ غدر پارٹی کی قیادت کرنے والے دنیا میں پھیلنے والے جدید انقلابی نظریات اور انقلابی تنظیموں سے آگاہ تھے - روس کے اکتوبر انقلاب سے آٹھ برس قبل وہ بالشویک پارٹی کی طرح کی باتیں کر رہے تھے -

غدر پارٹی ہندوستان میں گوریلا جنگ کے ذریعے انگریزوں کو ملک سے نکالنا چاہتی

تھی - یہ جنگ وہ کشمیر اور شمال مغربی سرحدی صوبے سے شروع کرنی چاہتے تھے - کیونکہ یہ علاقے پہاڑی ہونے کی وجہ سے گوریلا جدوجہد کے لئے مفید ثابت ہو سکتے تھے - فیصلہ یہ کیا گیا تھا کہ ۱۹۲۵ء تک کشمیر میں آزاد حکومت قائم کر دی جائے - پھر سرحد میں - اس کے بعد باقی ہندوستان میں عام ابھار پیدا کی جائے - اس کام کے لئے پہلے طالب علموں کو متحرک کیا جائے - لیکن غدر پارٹی کے رہنماؤں کی توقع سے پہلی ہی جنگ عظیم شروع ہو گئی اور کاماگاٹا مارو والا واقعہ بھی وقوع پذیر ہو گیا - اس لئے طویل المدت منصوبے ترک کر کے فوری کاروائی کا فیصلہ کیا گیا-

غدر پارٹی اور کاماگاٹا مارو

کاماگاٹا مارو ایک جاپانی سمندری جہاز کا نام تھا جو ہندوستان سے کینیڈا تک مسافر لے جانے کے لئے ایک پنجابی ٹھیکیدار نے خرید لیا - لیکن اس جہاز کا نام آزادی کی تحریک کا حصہ بن گیا-

ہوا یہ کہ کینیڈا کی حکومت نے ہندوستانیوں کے داخلے پر پابندی عائد کرنے کے لئے اسی طرح کے قانون بنانا شروع کر دئے تھے جیسے آجکل برطانوی حکومت نے بنائے ہیں - ایک ایسا ہی قانون ۱۹۱۰ء میں بنایا گیا جس کی رو سے باہر کے ملکوں سے آنے والوں پر دو نئی شرطیں لاگو کر دی گئیں - ایک یہ کہ کینیڈا میں آنے کے لئے ہر تیر ملکی کے پاس دو سو ڈالر ہونے چاہیں' دوسری یہ کہ ہندوستان سے برطانیہ آنے والے راستہ میں رکے بغیر کینیڈا پہنچیں - یاد رہے اس زمانہ میں ہندوستان سے سیدھا کینیڈا پہنچنے کے لئے کوئی سمندری جہاز نہیں چلتا تھا - راستے میں جہاز بدلنا پڑتا تھا-

اس رکاوٹ کو دور کرنے کے لئے ضروری تھا کہ ہندوستان سے سیدھا کینیڈا جانے کے لئے جہاز چلایا جائے - جب اس کام کے لئے کوئی دوسرا شخص آمادہ نہ ہوا تو پنجابیوں نے خود اس سے عہدہ برآ ہونے کا بیڑا اٹھایا - جنوب مشرقی ایشیاء میں کئی پنجابی تاجر کاروبار کرتے تھے اور بہت مالدار تھے - ان میں سے ایک کا نام سردار گورودت سنگھ

Scanned with CamScanner

تھا - جس کا ٹھیکیداری کا کام سنگا پور سے ملایا تک پھیلا ہوا تھا - گوردت سنگھ نے "گورونانک نیوی گیشن کمپنی" کے نام سے بحری سفر کی ایک فرم کی بنیاد رکھی - اس کمپنی نے چار جہاز خریدنے کا فیصلہ کیا - دو کلکتہ سے کینیڈا اور دو بمبئی سے برازیل کے درمیان سفر کرنے کے لئے - پہلے جہاز کا نام جو ایک جاپانی فرم سے چارٹر کیا گیا کاما گاٹا مارو تھا یہ چار اپریل ۱۹۱۴ء کو ۳۷۶ ہندوستانی مسافر لے کر کینیڈا روانہ ہوا - سبھی مسافر پنجابی تھے - ۲۳ مئی کو جب یہ جہاز کینیڈا کی بندرگاہ وینکور پہنچا تو کینیڈا کی حکومت نے مسافروں کو جہاز سے اترنے کی اجازت نہ دی سوائے ان ۲۰ مسافروں کے جو کینیڈا واپس آرہے تھے - کینیڈا کی حکومت کا یہ اقدام نسل پرستی کے سوا کچھ نہیں تھا - کیونکہ مسافر تمام قانونی شرائط پوری کرنے کے بعد آئے تھے - یہ جہاز دو ماہ تک مسافروں سمیت بندرگاہ میں لنگر انداز رہا - اس عرصہ میں جہاز میں خوراک اور پانی ختم ہو گئے اور مسافروں کی حالت خراب ہو گئی - ساری دنیا کے اخبارات میں جہاز اور اس کے بدنصیب مسافروں کی حالت زار پر تبصرے شائع ہونے لگے -

یہ مسافر بھاری اخراجات کا بوجھ برداشت کر کے آئے تھے - ان میں کئی ایسے تھے جن کے پاس واپسی کا کرایہ بھی نہیں تھا - ان کی حالت دیکھتے ہوئے کینیڈا میں مقیم پنجابیوں نے "کاما گاٹا مارو بچاؤ" نام کی کمیٹی قائم کی - کینیڈا سرکار سے اپیلیں کی گئیں کہ وہ مسافروں کو جہاز سے اترنے کی اجازت دے - عدالت سے بھی رجوع کیا گیا لیکن کوئی شنوائی نہ ہوئی - کمیٹی کے دو قائد حسن رحیم اور بھائی بھاگ سنگھ نے جہازیوں کے لئے ساٹھ ہزار ڈالر چندہ اکٹھا کیا -

۱۹ جولائی کو کینیڈا سرکار نے بھوکے پیاسے مسافروں کو حکم دیا کہ جہاز بندرگاہ سے باہر لے جائیں - وہ پانی اور خوراک لئے بغیر کیسے جا سکتے تھے - جہازیوں نے جب بندرگاہ چھوڑنے سے انکار کیا تو کینیڈا حکومت نے طاقت کے ذریعہ اسے بندرگاہ سے نکالنے کے لئے جنگی جہاز بھیج دیے - اس اطلاع کا وینکور میں مقیم پنجابیوں پر اتنا گہرا اثر ہوا کہ انہوں نے اعلان کیا کہ اگر جنگی جہازوں نے مسافر بردار جہاز پر فائرنگ کی تو وہ سارے شہر کو جلا کر راکھ بنا دیں گے - اس دھمکی سے کینیڈا کی حکومت نرم رویہ اختیار کرنے پر

مجبور ہو گئی اور مسافروں کو راشن اور پانی مہیا کیا گیا - "کاما گاٹا مارو بچاؤ" کمیٹی سے اجازت ملنے کے بعد جہاز واپس چلا گیا -

جہاز کے مسافروں کی مشکلات ابھی ختم نہیں ہوئیں اس کا ذکر بعد میں کریں گے غدر پارٹی نے کاما گاٹا مارو کے ساتھ ناروا سلوک کے خلاف بھرپور سیاسی پراپیگنڈہ کیا - رسالہ "غدر" میں شائع ہونے والے مضامین اور نظموں کے ذریعے پارٹی نے پنجابی آباد کاروں کو بتایا کہ یہ سلوک ہماری غلامی کا نتیجہ ہے - جب تک ہندوستان آزاد نہیں ہوتا ناانصافی اور ظلم ہوتا رہے گا - اس کا علاج آزادی ہے - یہی پروپیگنڈہ کاما گاٹا مارو جہاز کے مسافروں میں کیا گیا - ان دو مہینوں کے دوران جب جہاز وینکوور کی بندرگاہ میں لنگر انداز رہا غدر پارٹی کے مولوی برکت اللہ اور بھائی بھگوان سنگھ نے مسافروں میں برطانوی حکومت کے خلاف بھرپور پروپیگنڈہ مہم جاری رکھی - جہاز چلتے وقت غدر پارٹی کا لٹریچر آٹے کی بوریوں میں چھپا کر اندر بھیجا گیا - یوکوہاما کی بندرگاہ پر غدر پارٹی کے قائد بھائی سوہن سنگھ بھکنہ مسافر کے بھیس میں ڈھیر سارے اسلحہ سمیت سوار ہو گئے - تاکہ انگریزوں کے خلاف مسلح بغاوت میں اسے استعمال کیا جا سکے -

واپس ہندوستان آنے والے مسافروں کو کسی بھی بندرگاہ پر قدم رکھنے کی اجازت نہ دی گئی - نہ ہانگ کانگ میں اور نہ سنگاپور میں - حالانکہ یہاں کینیڈا جیسا کوئی قانون لاگو نہیں تھا - ہر بندرگاہ سے میلوں دور جہاز کو ٹھہرایا گیا - آخر ۲۷ ستمبر ۱۹۱۴ء کو جہاز کلکتہ پہنچا - ابھی وہ بندرگاہ سے سترہ میل دور تھا کہ ایک انگریز افسر پنجاب پولیس کے اہلکار ہمراہ لے کر جہاز پر چڑھ آیا - مقصد تلاشی لینا تھا لیکن ان کے آنے سے پہلے ہی مسافروں کو خبر مل گئی تھی اور انہوں نے اسلحہ سمندر میں پھینک دیا تھا - انگریز افسروں کی نگرانی میں مسافروں کو کلکتہ بندرگاہ پر اتارا گیا اور اسٹیشن پر پہلے سے تیار سپیشل ٹرین میں سوار ہونے کا حکم دیا گیا - صرف ساٹھ مسافر جن میں زیادہ تعداد بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کی تھی سوار ہونے پر آمادہ ہوئے - باقی مسافروں نے جو پچھلے چھ ماہ سے سمندری سفر کی صعوبتوں اور سفید چمڑی والوں کے برتاؤ سے بیزار بیٹھے تھے اس ٹرین میں سوار ہونے سے قطعی انکار کر دیا - انہوں نے اعلان کیا کہ وہ کلکتہ شہر میں داخل

ہوں گے - پولیس اور مسافروں کے درمیان تلخ کلامی نے لڑائی کی شکل اختیار کر لی جس میں اٹھارہ آدمی ہلاک ہو گئے ان میں تین انگریز افسر بھی شامل تھے - اس ہنگامے کے دوران مسافر شہر کی طرف بھاگنے میں کامیاب ہو گئے - اگلے دو چار دنوں کے دوران بہت سے گرفتار کر لئے گئے اور مقدموں میں سزا یاب ہو کر جیل بھیج دئے گئے لیکن تین کے قریب پولیس کے ہاتھ نہ آئے -

ان دنوں جنگ عظیم اول شروع ہو چکی تھی غدر پارٹی نے امن کے زمانے میں انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنے کے لئے جو منصوبے بنائے تھے انہیں اب ترک کر دیا گیا - نیا پروگرام یہ تھا کہ امریکہ میں آباد پنجابیوں کو وطن لوٹ آنے کا کہا جائے تاکہ انگریزوں کے خلاف جنگ شروع کی جا سکے - پارٹی کا خیال تھا کہ انگریز بیرونی جنگ میں الجھے ہوئے ہیں اندرونی جنگ کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے اور ہندوستان آزاد کرا لیا جائے گا -

غدر پارٹی نے نومبر ۱۹۱۴ء تک تمام ہندوستانیوں کو امریکہ سے وطن لوٹ آنے کا پیغام بھیجا اور واپس آنے والوں کی آبادکاری کے لئے چندہ جمع کرنا شروع کر دیا - وطن لوٹنے والوں کا پہلا گروہ سان فرانسسکو سے سمندری جہاز پر سوار ہوا - غدر پارٹی کے ایک قائد نے انہیں الوداعی تقریر میں کہا -

"تمہارا فرض ہے کہ وطن پہنچ کر ملک کے گوشے گوشے میں بغاوت کا ابھار پیدا کرو - امیروں کو لوٹو اور غریبوں کے ساتھی بنو اور اس طرح عوام کی ہمدردیاں حاصل کرو - تمہیں ہندوستان پہنچنے کے بعد ہتھیار مہیا کئے جائیں گے اور اگر کسی وجہ سے اسلحہ کی ترسیل میں رکاوٹ آ جائے تو پولیس تھانوں پر حملہ کر کے رائفلیں چھین لینا"

پنجاب میں غدر پارٹی کی کارروائیاں

غدر پارٹی کی قیادت کرنے والوں کو مختلف راستوں سے ہندوستان پہنچنے کا حکم دیا گیا تھا اور کہا گیا تھا کہ جہاں جہاں ہندوستان کے لوگ آباد ہیں وہاں غدر کا پروپیگنڈہ کرتے جائیں - سوہن سنگھ بھکنہ کو جاپان کے راستے ہندوستان پہنچنے کا حکم دیا گیا - وہ یوکوہاما

سے ہندوستان روانہ ہونے کے لئے جہاز میں سوار ہوئے' بھائی بھگوان سنگھ کو فلپائن اور ٹھکھائی کے راستے سے جانے کے لئے کہا گیا' پنڈت سوہن لال پاٹھک کو براستہ سیام اور برما (آج کا ویتنام' لاؤس' کمبوچیا) جانے کا حکم دیا گیا اور بھائی سنتو سنگھ کو ملایا اور سنگاپور کے راستے سے -

۱۹۱۴ء میں پنجاب کا گورنر سر مائیکل اڈوائر تھا - وہ ظالم اور سخت گیر حاکم تھا - اسے جب غدر پارٹی کے انقلابیوں کے وطن آنے کی اطلاع ملی تو اس نے انہیں ختم کرنے کا تہیہ کر لیا - اس مقصد کی تکمیل کے لئے جہازوں سے اترنے والوں کی نگرانی کی جانے لگی - لدھیانہ سٹی میں سی آئی ڈی کا "سنٹرل انکوائری آفس" قائم کیا گیا - اور بیرون ملک سے آنے والے ہر پنجابی مسافر کو یہاں پیش ہونے کا پابند بنا دیا گیا - یہاں باہر سے آنے والے کے کوائف کی پوری چھان بین کی جاتی' اس کے والدین' عزیز و اقارب اور قوم قبیلے کا پتہ لگایا جاتا اور وعدہ معاف مخبروں سے حاصل ہونے والی معلومات کی روشنی میں ان کے تین گروپ بنائے جاتے -

۱- کچھ کو سیدھا جیل بھیج دیا جاتا -

۲- کچھ کو ضمانتوں پر ان کے گاؤں میں نظر بند کر دیا جاتا -

۳- کچھ کو چھوڑ دیا جاتا لیکن ان کی نگرانی کے لئے پولیس مقرر کی جاتی -

تاسو مارو جہاز اور غدر پارٹی کے قائد

۲۸ اکتوبر ۱۹۱۴ء کو ایک اور جاپانی جہاز "تاسو مارو" کلکتے پہنچا اس میں ایک سو تہتر ہندوستانی مسافر بھی تھے - غدر پارٹی کے کئی ممبر جنہیں بعد میں شہرت حاصل ہوئی اسی جہاز سے آئے تھے - ان کی آمد سے پہلے ہی مخبری ہو گئی تھی اس جہاز کے مسافروں کی خصوصی تفتیش کی گئی تاہم غدر پارٹی کے بہت سے قائد پولیس سے بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے - سو مسافر تو اسی جگہ گرفتار کر لئے گئے - ۳۷ کم خطرناک سمجھتے ہوئے چھوڑ دیئے گئے لیکن جنہیں چھوڑا گیا ان میں سے کئی لوگوں نے آگے

Scanned with CamScanner

چل کر بڑے کارنامے انجام دیئے - انہی میں سے بعد میں بارہ گرفتار کر لئے گئے - چھ کو تختہ دار پر لٹکایا گیا اور باقی چھ کو کالے پانی بھیجا گیا -

غدر پارٹی کا پنجاب میں کام

غدر پارٹی نے پنجاب میں دو طرح کے لوگوں میں کام کرنے کا فیصلہ کیا

۱- پنجاب کے دیہاتی عوام میں

۲- پنجابی فوج کے یونٹوں میں

پنجاب کے دیہات میں کام کرنے کے لئے خفیہ میٹنگز کی گئیں دیہات میں انقلابی کام کرنے والوں میں پیش پیش کرتار سنگھ سرابھا تھا اس نے بھائی ندھان سنگھ سے مل کر ضلع فیروزپور ' امرتسر اور لدھیانہ کے دیہات میں بڑی محنت سے عوام کو اکٹھا کرنا شروع کیا اور تقریروں کے ذریعے لوگوں کو انگریزوں کے خلاف بغاوت کے لئے تیار کیا - کرتار سنگھ سرابھا انقلابی نشے میں سرشار ہو کر اپنی زندگی سے بے نیاز شب و روز ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں میں پروپیگنڈا کرتا رہا کچھ عرصے کے بعد اسے گرفتار کر لیا گیا - اور سزائے موت دی گئی - جب اس کی گردن میں پھانسی کا پھندا ڈالا گیا اس وقت اس کی عمر صرف انیس سال تھی - وہ شاعر بھی تھا - مرنے کے بعد اس کے یہ شعر بہت مشہور ہوئے

سیدا دیس دی جنڑیئے بڑی اوکھی
گلاں کرنیاں ڈھیر سوکھلیاں نیں
جنہاں دیس سیدا وچ پیر پایا
اونہاں لکھ مصیبتاں جھلیاں نیں

کرتار سنگھ سرابھا کے علاوہ کئی اور انقلابی بھی تھے جنہیں ۱۹۱۵ میں سزائے موت دی گئی -

فوج میں بغاوت کی کوشش

غدر پارٹی کے قائدین نے پنجابی فوج میں پروپیگنڈہ کرنے کا فیصلہ کیا تھا - اس مقصد کے لئے انہوں نے بہت سے کارکن فوج میں بھرتی کروائے - طے یہ کیا گیا تھا کہ ہندوستان میں متعین پنجابی فوج اور جنوب مشرقی ایشیا میں متعین پنجابی فوج ایک ہی وقت بغاوت میں شامل ہو (جنگ عظیم کی وجہ سے ہندوستانی فوج ملک سے باہر بھی گئی ہوئی تھی)

غدر پارٹی کے اعلان کی وجہ سے سنگاپور میں پنجابی فوج میں ایک مشہور بغاوت برپا ہوئی - یہاں مسلمان لائٹ انفنٹری کے ایک یونٹ نے بغاوت کا اعلان کر کے انگریز فوج کو گھیرے میں لے لیا - باغی فوجی تین حصوں میں بٹ گئے - ایک حصے نے گرفتار جرمن فوجیوں کو بغاوت میں شامل کرنے کے ارادے سے جیل توڑ کر رہا کرا لیا - لیکن فوجی ڈسپلن کے پابند جرمن فوجیوں نے باغیوں کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا - دوسرا باغی یونٹ شہری آبادی کو بغاوت پر آمادہ کرنے گیا - اس نے دو دن تک سنگاپور شہر پر قبضہ کیے رکھا - لیکن جرمن فوجیوں کی طرح سنگاپور کے شہریوں نے بھی باغیوں کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا - دونوں کے بعد انگریز فوج کو کمک پہنچ گئی اور بغاوت کچل دی گئی - اڑتالیس گھنٹوں کی لڑائی میں بیالیس آدمی مارے گئے جن میں آٹھ سنیئر انگریز افسر بھی شامل تھے

سنگاپور کے باغیوں کا کورٹ مارشل ہوا سنتیس کو سزائے موت سنائی گئی اکتالیس کو کالے پانی بھیج دیا گیا اور اڑتالیس کو جیل بھیج دیا گیا -

پنجاب میں فوجی بغاوت کا پروگرام پہلے ۲۱ فروری کو برپا کرنے کا فیصلہ کیا گیا - لیکن مخبری ہو جانے کے نتیجے میں دو دن قبل بغاوت کرنے کا فیصلہ کر لیا گیا - طے یہ پایا کہ پہلے لاہور کے پنجابی یونٹ بغاوت کی ابتداء کریں گے اس کے بعد ساری چھاؤنیوں

Scanned with CamScanner

کے یونٹ اس میں شامل ہو گئے اور قلعہ لاہور پر بغاوت کا جھنڈا لہرا کر انقلابی حکومت کا اعلان کر دیا جائے گا۔

تین رنگ کا جھنڈا بنایا گیا۔ سبز' پیلا اور سرخ۔ سبز رنگ مسلمانوں کی نمائندگی کرتا تھا پیلا رنگ سکھوں کی اور سرخ رنگ ہندوؤں کی نمائندگی کا اظہار تھے۔ لیکن ان تین رنگوں والے جھنڈے کا مطلب آزادی' اخوت اور برابری بھی تھا۔

یہ بغاوت مخبری کی وجہ سے ناکام ہو گئی۔ لاہور کے فوجی یونٹوں نے اس لئے بغاوت نہ کی کہ مخبری کے بعد انہیں نہتا کر دیا گیا۔ دوسرے فوجی یونٹ جن میں انقلابی پروپیگنڈہ کیا گیا تھا راتوں رات جنگی محاذ پر روانہ کر دئے گئے۔۔

اساں لٹنے کھوجے تے کھتری تے ورل ورل گھر سنیار دا

غدر پارٹی کے کارکنوں کو انقلابی سرگرمیاں شروع کرنے کے لئے فنڈ کی ضرورت تھی اس مقصد کے حصول کے لئے ڈاکے مارے گئے۔ ساہو کاروں اور سنیاروں کی دکانیں اور گھر لوٹے گئے ایک آدھ سرکاری افسر کو بھی انہوں نے لوٹا۔ یہ ڈاکے جالندھر' لدھیانہ' فیروز پور' گورداسپور' ہوشیار پور اور منٹگمری کے اضلاع کے علاوہ کپور تھلہ اور مالیر کوٹلہ کی ریاستوں میں ڈالے گئے۔

غدر پارٹی کے ارکان نے بنگالی انقلابیوں سے بھی رابطے قائم کئے جو راش بہاری بوس کی قیادت میں انقلابی کاروائیوں میں مصروف تھے۔ امرتسر میں مشترکہ ہیڈ کوارٹر قائم کیا گیا۔ یہاں راش بہاری بوس کے ہمراہ مرہٹہ انقلابی رہنما وشنو گنیش پنگلے بھی آکر شامل ہو گیا۔ انہوں نے مقامی لوگوں کو بم بنانے کی ٹریننگ دینے کا آغاز کیا۔ اسی عرصہ کے دوران پنجاب کے علاوہ باقی ہندوستان میں بھی ساہوکاروں کو لوٹنے' ریلوں کو پٹڑی سے اتارنے' انگریز حکومت کے حمائتیوں کو قتل کرنے اور اسلحہ خانے لوٹنے کی کاروائیاں ہوئیں۔

غدر پارٹی کی یہ جدوجہد مخبری کی وجہ سے ختم ہوئی۔ مخبر پارٹی کی صفوں میں گھس آئے تھے۔ ان کی نشاندہی پر باغیوں کے اڈوں پر چھاپے مارے گئے۔ لاہور کے ایک اڈے سے تیرہ باغی ثبوت سمیت پکڑے گئے۔ اس میں بم اور بم بنانے کا سامان انقلابی لٹریچر اور پارٹی کے چار جھنڈے بھی شامل تھے۔

باغیوں کی قسمت کا فوری فیصلہ کرنے کے لئے سر مائیکل اڈوائر نے وہ مقدمہ قائم کیا جسے "لاہور کا پہلا سازش کیس" کہا جاتا ہے۔ اس مقدمے کی سماعت کے لئے سپیشل ٹریبونل مقرر کئے گئے۔ ایک سو چھہتر ملزم پیش کئے گئے ایک سو چھتیس کو سزا سنائی گئی۔ اڑتیس کو سزائے موت' اٹھاون کو کالے پانی کی سزا' اور اٹھاون کو قید' انہی میں سے ایک سو پندرہ ملزموں کی جائیدادیں ضبط کی گئیں۔'

اس طرح غدر پارٹی کی جدوجہد ختم ہو گئی۔ ہندوستان میں غدر پارٹی کے لیڈر اور کارکن جب کالے پانی اور جیلوں سے رہا ہو کر آئے تو بائیں بازو کی تنظیموں میں شامل ہو گئے۔ واپس آنے پر ان کے بال سفید ہو چکے تھے اس لئے انہیں "بابا" کہا جاتا تھا۔ یہ بابے "کیرتی کسان نوجوان سبھا اور پھر کیمونسٹ پارٹی کے ممبر بنے۔

امریکہ میں غدر پارٹی کے لیڈروں پر مقدمے قائم ہوئے اور انہیں سزائیں سنا دی گئیں اس کے باوجود انہوں نے پارٹی قائم رکھی۔ وہ ہفتہ وار پرچہ "ہندوستانی غدر" اور دو ماہنامے یعنی انگریزی زبان میں "انڈیپینڈنٹ ہندوستان" اور پنجابی میں "یگنتو" چھاپتے رہے۔ ان کی ۲۵ ہزار کاپیاں بلا قیمت ہندوستان اور دوسرے ملکوں کے قارئین کو بھیجی جاتی تھیں۔ غدر پارٹی کا سان فرانسسکو کا دفتر ۱۹۴۳ء میں کہیں جا کر بند کیا گیا۔

غدر پارٹی کی ناکامی کے بارے سہنہ ایم رائے نے تبصرہ کرتے ہوئے جو اسباب بیان کئے ہیں وہ یہ ہیں۔ ناتجربہ کاری' پنجاب کے حالات کا علم نہ ہونا، یہ سمجھ لینا کہ جیسے کینیڈا اور امریکہ میں سیاسی ہلچل پائی جاتی ہے ایسی ہی پنجاب میں ہو گی' خفیہ کام میں ناکامی' تنظیمی نابالغی اور ہندوستانی افواج سے غیر ضروری توقعات وابستہ کرنا تھا۔ اپنی

کتاب " پنجابی ہیروئک ٹرا ڈیشن " میں انہوں نے کانگریس اور سکھوں کی جماعت چیف خالصہ دیوان کو انگریزوں کے حامی اور غدر پارٹی کے مخالف قرار دیا ہے - غدر پارٹی کی ناکامی کے باوجود سنہ ایم رائے کا کہنا ہے کہ

"غدر پارٹی کوئی بڑی کامیابی حاصل نہیں کر سکی لیکن پنجاب کی سیاست میں ایک نئی روایت قائم کی - انہوں نے آزادی کی جدوجہد کے بین الاقوامی کردار پر زور دیا - غدر کے سربراہوں نے ہر اس تنظیم اور فرد کے ساتھ مل کر کام کیا جو ان کے آدرش سے ہمدردی رکھتا تھا - انہوں نے افغانستان ' چین ' ترکی ' سوئٹزرلینڈ ' انگلستان ' سویڈن ' میکسیکو ' آسٹریلیا اور کینیڈا کی تنظیموں اور لوگوں سے مدد حاصل کی - غدر پارٹیوں نے ایک اہم بات یہ بھی کی کہ انقلابی جدوجہد کا مرکز باہر کے ملکوں سے اٹھا کر ہندوستان لے آئے - یہ کام انقلابی جدوجہد کو موثر بنانے کے لئے بہت ضروری تھا ' بیرون ملک آبادکاروں کے واپس آنے سے پنجاب کے عوام میں سیاسی شعور کا اضافہ ہوا "

غدر کے انقلابیوں کی قربانیوں اور ان کی بہادری کے کارناموں کی پنجاب تو کیا سارے ہندوستان میں دھوم مچ گئی - انہوں نے پنجابیوں کی گردن کو فخر سے بلند کیا - غدر کے انقلابی جس جرات کے ساتھ پھانسی کی رسی پر جھول گئے ' جیلوں میں جس طرح ہڑتالیں کیں اور ظالموں کو للکارا ' جیلیں توڑیں چلتی ٹرینوں سے چھلانگیں لگائیں ان سب کارناموں سے وہ پرانے قصے کہانیوں کے ہیرو معلوم ہونے لگے - دلوں سے پھانسی کا خوف جاتا رہا - شاہی قلعے کی دہشت ختم ہوگئی - مستقبل کی انقلابی تحریکوں کو بھی اور کانگرس کی سول نافرمانی اور بائیکاٹ کی تحریک کو بھی حوصلہ ملا -

یہ سارے کارنامے غدر پارٹی نے ایک سال کے اندر کر دکھائے یعنی مارچ ۱۹۱۳ سے ۱۹۱۴ تک کے عرصہ کے دوران -

طالب علم کی ہجرت ' بنائی کمیونسٹ پارٹی

پانچ فروری ۱۹۱۵ کو لاہور کے پندرہ مسلمان طالب علموں نے اپنا ملک چھوڑ کے ترکوں کی مدد کے لئے ترکی جانے کا فیصلہ کیا کہ یہ ملک اس وقت انگریزوں کے خلاف جنگ میں مصروف تھا - یہ نوجوان جہاد کے شوق سے سرشار ہو کر لاہور سے کابل پہنچے جہاں چار سال تک نظر بند رہے - ان میں سے کچھ ترکی جاتے ہوئے راستے میں تاشقند رک گئے - یہاں انہوں نے ۱۹۲۰ء میں ہندوستان کی پہلی کمیونسٹ پارٹی کی بنیاد رکھی - ایک طالب علم دوران سفر بیمار ہوگیا اور افغانستان میں مناسب علاج معالجہ نہ ہونے کی وجہ سے فوت ہوگیا - ایک آزاد علاقے میں مولویوں کے ہاتھوں قتل ہوا ' تیسرا وطن واپس آنے کے بعد انگریز کی جیل میں راہی ملک عدم ہوگیا - ان میں سے ایک نے جو بہت سی مشکلات اور تکالیف کا سامنا کرتا ہوا ترکی پہنچا ترک توپ خانے کی ملازمت اختیار کی اور کپتان کے عہدے پر پہنچ کر ریٹائر ہوا - اس نے جس طرح ساری جوانی ترکی میں گزار دی تھی بڑھاپا بھی وہیں گزارنے کا فیصلہ کیا -

لاہور کے ان طالب علموں کی قربانی کو ملک گیر شہرت حاصل ہوئی - ۱۹۲۰ء میں جب علماء نے ہجرت کا اعلان کیا تو اور بھی بہت سے ہندوستانی اور پنجابی لڑکے کابل کے راستے ترکی جانے کی خواہش لئے چل دیئے - ان میں سے بھی کچھ تاشقند رہ گئے ' چند ایک ترکی پہنچے اور کچھ مایوس ہو کر ہندوستان لوٹ آئے اور قید کر دیئے گئے ' کچھ راستے میں مر کھپ گئے -

پنجاب کے مسلمانوں میں ترکی سے محبت انیسویں صدی سے چلی آرہی تھی - ترکی کو ایک بہادر ملک سمجھا جاتا تھا اور پنجابی ہمیشہ بہادری کی قدر کرتے ہیں - جب ترکی کی سلطنت کے حصے بخرے ہوئے تو پنجابی مسلمانوں کو بہت صدمہ ہوا - بیسویں صدی کی ابتدا میں طرابلس کی جنگ شروع ہوئی تو ترکی کی حمایت میں پنجاب میں جلسے

Scanned with CamScanner

شروع ہو گئے - ۱۹۱۲ء میں بلقان کی جنگ کے دوران زخمیوں کی مدد کے لئے پنجاب کے عوام نے بہت سا چندہ اکٹھا کیا اور ترکی بھیجا-

بیسویں صدی کے شروع میں یورپی ملکوں نے جب ترکی کے خلاف محاذ قائم کیا تو مسلمانوں میں ترکوں کی محبت اور سامراج کی مخالفت ایک ساتھ پیدا ہو گئے - مولانا ابوالکلام آزاد کے رسالے "الہلال" اور "البلاغ" اور مولانا محمد علی جوہر کے "کامریڈ" نے ترکوں کی حمایت میں بھرپور پروپیگنڈہ کیا - اس نے پنجاب کے طالب علموں پر گہرے اثرات مرتب کئے - کئی مسلمانوں میں یہ خیال پیدا ہوا کہ افغانستان کے تعاون سے ترکوں کی حمایت میں جنگ لڑی جائے - یہ محض جذباتی منصوبے تھے جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں تھا - افغانستان غریب اور پسماندہ ملک تھا خزانہ خالی ' فوج خود سر اور جنگ کی جدید ٹریننگ سے بلد اقف تھی - اسلحہ اور دیگر جنگی سازو سامان پرانا اور ناقابل استعمال تھا افغان وفاقی جنگ تو لڑ سکتے تھے پر ان میں انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنے کی طاقت نہیں تھی - افغانستان کی ان کمزوریوں کا جذباتی پنجابیوں اور اک نہیں تھا-

۱۹۱۴ء میں ترکی کے سلطان نے جب انگریزوں کے خلاف جہاد کا اعلان کیا تو پنجاب میں چاروں طرف اور خاص طور پر پنجابی طالب علموں میں بڑا جوش پیدا ہوا - مگر اس میں جذباتی پن کے سوا کچھ نہیں تھا - اس کا ایک اظہار اس طرح ہوا کہ کچھ طالب علموں نے گورنمنٹ کالج لاہور کو چھپ کر آگ لگانے کی کوشش کی جو ناکام ہو گئی -

صوبہ سرحد کے قبائلی علاقے چمرکنڈ میں ابھی پچھلی صدی میں آباد ہونے والے مجاہدین رہائش پذیر تھے - مگ بھگ ایک سو آدمیوں کا یہ جتھہ حقیقی دنیا سے کٹ کر خوابوں کی دنیا میں بستا تھا وہ علی الصبح بیدار ہو کر تلوار سے جنگ لڑنے کی مشق کیا کرتے تھے - ان کا ایک نمائندہ مولوی فضل الٰہی وزیر آباد کا باشندہ تھا - اس نے بھی ہندوستان کو دارالحرب قرار دے کر دارلسلام یعنی مسلمان ملکوں کو ہجرت کرنے کا اعلان کر دیا - اور پنجاب کے مسلمان طلباء کے ساتھ اس مقصد کے لئے رابطہ قائم کیا-

"اساں گرم رضائیاں چھڈ کے ملی ساندل باد"

لاہور کے پندرہ طالب علم اس پروپیگنڈہ سے بہت متاثر ہوئے - ان میں سے کچھ ۶ جنوری ۱۹۱۵ کو کشتی میں بیٹھ کر دریائے راوی کے درمیان پہنچے - وہاں جا کر قرآن پر ہاتھ رکھا اور رازداری کا عہد کیا - ان طالب علموں کا تعلق لاہور کے چار کالجوں سے تھا - آٹھ طالب علم گورنمنٹ کالج کے تھے ' ایک ایف سی کالج کا اور دوسرا اسلامیہ کالج چار کا تعلق کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج سے تھا - ان میں سے ایک کسی کا بھائی تھا - یہ کالج اس زمانے میں اعلیٰ تعلیمی ادارے تصور کئے جاتے تھے خاص طور پر گورنمنٹ کالج ' ایف سی کالج ' اور میڈیکل کالج میں بہت کم مسلمان داخلہ لیتے تھے - انہوں نے برطانیہ کے خلاف جہاد کے نام پر اپنی تعلیم اور سنہرا مستقبل داؤ پر لگا دئے ' خاندان سے پیٹھ موڑی اور گھر کا آرام چھوڑ کر قربانی کی دشوار راہ پر چلنے کا فیصلہ کیا - روانگی کے وقت دو آدمی ساتھ چھوڑ گئے اور ان کی جگہ تین شامل ہو گئے -

ان کے ناموں کی فہرست ظفر حسن ایبک کی کتاب "آپ بیتی" میں درج ہے = گورنمنٹ کالج میں ایم اے کا طالب علم عبدالباری جو بعد میں مسلم لیگ کا لیڈر بنا اور شیخ عبدالقادر - گورنمنٹ کالج ہی میں بی اے کے طالب علم عبدالمجید خان ' اللہ نواز خان ' شیخ عبداللہ ' شیخ عبدالرشید ' غلام حسین (بعد میں اسلامیہ کالج لاہور میں اکنامکس کے پروفیسر) اور ظفر حسن ایبک ' ایف سی کالج کا عبدالخالق ' اسلامیہ کالج کا محمد حسن ' میڈیکل کالج میں سال دوم کے طالب علم خوشی محمد ' عبدالمجید ' رحمت علی اور شجاع اللہ -

یہ پانچ فروری کو ٹرین کے ذریعہ لاہور سے ہری پور ہزارہ پہنچے وہاں سے ریاست امب پھر امس علاقہ غیر سے ہوتے ہوئے بنیر سوات ' پانجوڑ کے راستے جلال آباد پہنچے انہوں نے یہ سارا سفر پیدل طے کیا - جب تھکے ہارے جلال آباد میں داخل ہوئے تو پولیس نے یہ کہہ کر کہ "تم شاہی مہمان ہو" ان کے گھر سے باہر نکلنے پر پابندی

Scanned with CamScanner

لگا دی   - سودا سلف کے لئے جانا ہوتا تو پولیس کا سپاہی ساتھ جاتا تھا - پھر وہاں سے گدھوں اور خچروں پر ان کا سامان لادا گیا اور انہیں کابل روانہ کر دیا گیا - کابل پولیس نے بھی ان کی نگرانی شروع کر دی - مولانا عبیداللہ سندھی کو شیخ الہند مولانا محمود الحسن نے افغانستان بھیجا تھا - مقصد ان کا بھی افغانستان کی مدد سے انگریزوں کے خلاف سرحد میں محاذ جنگ قائم کرنا اور پھر سارے ہندوستان میں بغاوت کرانا تھا - یہ منصوبہ بھی جذباتی سوچ کا نتیجہ ہی تھا اور سوچے سمجھے بغیر بنایا گیا تھا ہر ایک اس خوش فہمی میں مبتلا تھا کہ افغان حکومت انقلاب برپا کرنے میں بنیادی کردار ادا کرے گی - جبکہ حقیقت یہ تھی کہ امیر حبیب اللہ کے درباری انگریزوں کے زیر اثر تھے اور وہ خود جہاد کے بارے میں منصوبہ بنانے کی بجائے عورتوں کے ساتھ عیش و عشرت میں مگن تھا -

۱۹۱۵ء میں پہلی جنگ عظیم شروع ہو چکی تھی اور جرمن انگریزوں کے خلاف صف آرا تھے - جنگ کا اصل میدان یورپ تھا لیکن جرمن انگریزوں کی توجہ کسی دوسری جانب مبذول کرانا چاہتے تھے - یہ مقصد حاصل کرنے کے لئے انہوں نے ایک ہندوستانی جرمن مشن کابل میں قائم کیا اسکی نگرانی میں " ہندوستان کی عبوری حکومت " کے قیام کا اعلان کر دیا - بنارس کے راجہ مہندر پرتاپ کو اس کاغذی حکومت کا سربراہ بنا دیا گیا وزراء میں سے ایک امریکہ کی غدر پارٹی کا رہنما مولوی برکت اللہ بھوپالی تھا اور دوسرا مولانا عبیداللہ سندھی سیالکوٹی - اس عبوری حکومت میں باہر سے آئے ہوئے طالب علموں کو بھی عہدے دئے گئے اور کچھ لوگوں کو مختلف ملکوں میں سفیر بنا کر بھیجا گیا - گورنمنٹ کالج لاہور کا طالب علم شیخ عبدالقادر جب سفارت سے واپس کابل آرہا تھا تو اسے راستے میں گرفتار کر لیا گیا - انگریز اسے ہندوستان لے گئے - اور اس کا انتقال جیل میں ہوا -

افغانستان میں کرنے کے لئے کچھ بھی نہیں تھا گھبرائے ہوئے طالب علموں میں سے دو نے واپس اسمس   آنے کا فیصلہ کیا جو تلواروں سے لڑنے والے مجاہدین کا اڈہ تھا - ان میں سے ایک طالب علم عبدالرشید کے ہاتھوں کوئی مجاہد قتل ہو گیا - مجاہدوں نے پہلے عبدالرشید پر حملہ کر کے اسے زخمی کر دیا پھر ابھی وہ زندہ ہی تھا کہ

اسے تنور میں پھینک کر ہلاک کر دیا -

۱۹۲۰ میں امیر حبیب اللہ قتل کر دیا گیا اور امان اللہ خان کابل کے تخت پر بیٹھا - جب ہندوستان کے علماء نے مسلمانوں کو ہجرت کر کے افغانستان جانے کی ہدایت کی تو امان اللہ خان نے مہاجرین کا استقبال کرنے کا اعلان کیا - یہ اعلان بھی بغیر کسی منصوبہ بندی کے جذباتی انداز میں کیا گیا تھا - کوئی نہیں جانتا تھا کہ اس کا انجام کیا ہو گا - ہندوستان رولٹ ایکٹ اور جلیانوالہ باغ کی فائرنگ کے نتیجے میں انگریز دشمنی کی آگ میں سلگ رہا تھا - ہجرت کا اعلان ہوتے ہی لوگوں کا سیلاب افغانستان کو چل دیا - انہوں نے اپنی املاک اونے پونے داموں فروخت کر دیں - کاروبار چھوڑ چھاڑ کر مولویوں کا کہنا مان کر افغانستان کی طرف منہ اٹھا کے روانہ ہو گئے - پچاس ہزار سے ایک لاکھ کے قریب لوگ جن میں پنجاب ، سرحد اور سندھ کے لوگوں کی تعداد زیادہ تھی افغانستان میں داخل ہو گئے -

افغانستان میں ان کے قیام وطعام کا کوئی خاطر خواہ انتظام نہیں تھا وہ بہت ذلیل و خوار ہوئے ، جمع پونجی ختم ہو گئی - کچھ لوگ تو دو ماہ کے بعد مایوس ہو کر واپس وطن پلٹ آئے اور کچھ وہیں مر کھپ گئے - ان میں سے کچھ ایسے پختہ عزم بھی تھے کہ انگریزوں کے خلاف جہاد میں حصہ لینے کے لئے آگے روانہ ہو گئے -

ان کی تعداد دو سو کے قریب تھی ان سب کو روسی ترکستان سے گزر کر جانا تھا ان دنوں روس میں انقلاب آیا ہوا تھا اور سامراج کے اشارے پر ترکستانی مولویوں نے ایک طوفان برپا کر رکھا تھا - نئے نظام کی راہ روکنے کے لئے باسمچی باغی سوشلسٹ حکومت کے خلاف لڑ رہے تھے - ترکی جانے والے ہندوستانی قافلے پر انقلاب دشمن ترکمانوں نے حملہ کر کے درجن بھر آدمی قتل کر دئے باقی ماندہ کو لوٹ کر غلام بنا لیا اور بیڑیاں پہنا کے مشقت پر لگا دیا -

ان بے چاروں کو سوویت فوج نے قید و بند سے نجات دلائی - ان میں سے بعض پھر بھی ترکی جانے کے شوق میں آگے چلے گئے - چھبیس تیس کے قریب نوجوان تاشقند میں ٹھہر گئے - یہاں ان کی تعلیم اور فوجی تربیت کے لئے ہندوستان انقلابی

Scanned with CamScanner

رہنما ایم این رائے نے سوویت یونین کی امداد سے تاشقند ملٹری اسکول قائم کیا ہوا تھا۔ چھ ماہ بعد انہوں نے ماسکو کی "یونیورسٹی آف دی پیپلز آف دی ایسٹ" میں داخلہ لے لیا۔ ۱۹۲۰ میں تاشقند میں ہندوستان کی پہلی کمیونسٹ پارٹی وجود میں آئی۔ کئی پنجابی طالب علموں نے اسے قائم کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ ان میں سے جن ممبروں کو مستقبل میں شہرت ملی وہ یہ تھے =

۱۔ خوشی محمد عرف احمد علی۔ یہ جالندھر کا رہنے والا تھا اور ۱۹۱۵ میں لاہور کے طالب علموں کے ساتھ میڈیکل کالج لاہور سے تعلیم چھوڑ کر کابل آیا تھا اسے کابل میں انقلابی مرکز کا انچارج بنایا گیا۔ وہ ہندوستان اور پنجاب کے انقلابیوں کے ساتھ رابطے کا ذمہ دار مقرر کیا گیا۔

۲۔ فیروزالدین منصور۔ دادا فیروز الدین منصور، شیخوپورہ کا رہنے والا تھا بعد میں مغربی پاکستان کی کمیونسٹ پارٹی کا سیکرٹری جنرل بھی رہا۔ اس کی ایک کتاب "مولانا مودودی کے تصورات" کو شہرت حاصل ہوئی۔

۳۔ فضل الٰہی قربان۔ اندرون لاہور کا رہنے والا تھا بعد میں لیبر لیڈر کے طور پر مشہور ہوا۔

۴۔ پروفیسر غلام حسین۔ لاہور کے طالب علموں کے ساتھ اس نے بھی ہجرت کا عہد کیا تھا لیکن بیمار ہو جانے کی وجہ سے پیچھے رہ گیا تھا۔ بعد میں کابل جا کر پارٹی کا ممبر بنا۔ پھر لاہور سے اخبار "انقلاب" نکالا۔ جو ہندوستان کے اولیں کمیونسٹ اخباروں میں سے تھا۔ آخری ایام میں اسلامیہ کالج لاہور میں اکنامکس کا پروفیسر بنا۔

۵۔ اقبال شیدائی۔ یہ شخص بھی پنجابی طالب علم تھا کابل ہجرت کر جانے کے بعد ترکی کے سفارت خانے میں اخبار اور رسائل کے تراجم کے محکمے کا انچارج مقرر ہوا۔

پنجابی طالب علموں میں کئی ایسے بھی تھے جنہوں نے کمیونسٹ پارٹی کی ممبر شپ قبول نہ کی لیکن شہرت حاصل کی فقیر حسن ایک کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔ وہ بہت ذہین طالب علم تھا۔ کابل سے ۱۹۲۱ء میں ترکی چلا گیا اور ترکی کے توپخانے کی ملازمت اختیار کی۔ ریٹائر ہو کر بقیہ زندگی ترکی میں ہی گزار دی۔ ایک اور طالب علم بعد میں مغربی

پاکستان ہائی کورٹ کا جج بنا۔ یہ تھا جسٹس چنگیز محمود علی قصوری کا بھائی محمد علی قصوری کیمبرج یونیورسٹی سے ایم اے کی سند حاصل کرنے کے بعد کابل میں مہاجروں سے جا ملا اور وہاں حبیبہ سکول میں پڑھاتا رہا۔ پھر ہندوستان لوٹ آیا اور پاکستان میں وفات پائی۔ غلام محمد عرف عزیز ہندی ۱۹۲۰ء میں امرتسر سے ہجرت کر کے کابل گیا۔ افغان فوج میں کرنل کے عہدے تک ترقی کی ۱۹۳۰ء میں واپس آ گیا۔ اس نے اپنی آپ بیتی میں ہجرت تحریک پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ لیل آباد کا میاں عبدالباری بھی محمد علی قصوری کے ہمراہ ہندوستان لوٹ آیا تھا وہ مسلم لیگ کا راہبر بنا اور پاکستان وجود میں آنے کے بعد پنجاب اسمبلی کا ممبر منتخب ہوا۔

ہجرت تحریک مذہب کے بھیس میں انگریز دشمن تحریک تھی۔ جن مولویوں نے اسے شروع کیا انہوں نے اس کے مستقبل کے بارے میں کوئی سوچ بچار یا حقیقت پسندانہ منصوبہ بندی نہ کی تھی اور نہ کوئی تیاری۔ انہوں نے لوگوں کے جذبات کو استعمال کرتے ہوئے ایک غیر حقیقت پسندانہ طریقے سے انگریز دشمن جدوجہد کا اعلان کر دیا۔ ہجرت تحریک صرف ایک جذباتی تحریک تھی اور ناکامی اس کا مقدر تھی۔

لیکن اس تحریک میں جن لوگوں نے حصہ لیا خاص کر طلباء نے ان کے جذبے سچے تھے۔ ان کے اس تحریک میں حصہ لینے سے ثابت ہوتا ہے کہ پنجاب میں جہاں ایک طرف ترقی کرنے، سرکاری نوکری کرنے اور عزت کے ساتھ ریٹائر ہونے اور غیر سیاسی زندگی بسر کرنے کی ریت خاص طور سے پڑھے لکھے لوگوں میں موجود ہے وہاں ایک ایسی باغیانہ ریت بھی ہے جو لوگوں کو اعلیٰ آدرشوں اور قدروں کے لئے گھر بار، عزیز و اقارب اور قوم قبیلہ چھوڑنے، ہماری عمر کی آسائش اور زندگی قربان کر دینے کی طرف لے جاتی ہے ہجرت تحریک پنجابی عوام میں موجود ایک اور جذبے کا اظہار بھی ہے۔ یعنی دوسری قوموں کے دوش بدوش جدوجہد کرنے کا جذبہ، صرف اپنے مسائل کے لئے جدوجہد کی بجائے دوسروں کے دکھوں اور تکلیفوں کے تدارک، ان سے کی جانے والی ناانصافیوں کو ختم کرنے، ان کے ساتھ قدم سے قدم ملا

Scanned with CamScanner

کر جدوجہد کرنے کا جذبہ جسے بین الاقوامیت کی سوچ کہا جاتا ہے یہی وہ جذبہ ہے جو غدر کے انقلابیوں میں بھی ہمیں ٹھاٹھیں مارتا نظر آتا ہے۔

جلیانوالہ باغ ۱۳۔اپریل ۱۹۱۹ء

امرتسر کے جلیانوالہ باغ کا واقعہ انسانی تاریخ میں نہتے افراد کے قتل عام کی بدترین مثالوں میں سے ایک ہے سرکاری تخمینے کے مطابق جو اس واقعہ کے چار ماہ بعد لگایا گیا۔ جنرل ڈائر کے فوجی دستے کی فائرنگ کے نتیجے میں ۳۳۷ آدمی ہلاک ہوئے جن میں ۴۱ بچے بھی شامل تھے۔ ان میں ایک ایسا معصوم بچہ بھی تھا جس کی عمر ڈیڑھ دو ماہ سے زیادہ نہیں تھی۔ اسے کوئی گود میں اٹھائے جلسہ سننے آیا تھا۔ ڈیڑھ ہزار کے قریب آدمی زخمی ہوئے۔ لیکن غیر سرکاری اندازے کے مطابق پانچ سو سے ایک ہزار تک آدمی شہید ہوئے۔ یہ سب آدمی جلیانوالہ باغ میں پرامن انداز سے آئے تھے۔ وہ بالکل نہتے تھے۔ اور منتشر ہونے کا حکم دئے بغیر ان پر فائرنگ کی گئی۔

اس قتل عام کی خبر ساری دنیا میں پھیل گئی۔ لینن نے ایک خط میں جو اس نے ہندوستانی اخبار "امرتابازار پتریکا" کو لکھا تھا اس واقعے کی شدید مذمت کی تھی۔ مشہور سوویت شاعر تخونوف نے اس وقوعے پر ایک نظم لکھی جس کا عنوان تھا "ہندوستانی خواب" اس نظم میں اس نے امرتسر کے واقعہ کا مقابلہ ۱۹۰۵ کو سینٹ پیٹرزبرگ میں ہونے والی اس فائرنگ سے کیا جو زار شاہی فوجوں نے انصاف مانگنے والے نہتے مردوں اور عورتوں کے جلوس پر کی تھی۔

ہندوستان کے گوشے گوشے میں اس کے خلاف احتجاج کیا گیا۔ اقبال نے بھی اس پر ایک نظم لکھی

ہر ذرہ چمن سے یہ کہتی ہے خاک باغ   غافل نہ رہ جہان میں گردوں کی چال سے
سینچا گیا ہے خون شہیداں سے اس کا تخم   تو آنسوؤں کا بخل نہ کر اس نہال سے

سروجنی نائڈو نے اس اندوہناک واقعہ کی یاد میں ایک انگریزی نظم لکھی جس کا

عنوان تھا "پنجاب ۱۹۱۹ء" یہ نظم اس واقعہ کے بارے میں گہرے دکھ کے اظہار سے شروع ہو کر اس یقین پر ختم ہوئی تھی کہ ایک دن ہندوستان غیر ملکی حکمرانوں سے آزادی حاصل کر لے گا۔

مولانا ظفر علی خان نے اخبار زمیندار میں جلیانوالہ باغ کے قتل عام پر کئی نظمیں لکھیں۔ ایک کے شعر یہ ہیں=

وطن کا خون ناحق جب بہایا مارشل لاء نے   تو سرخی اس لہو کی بن گئی عنوان امرتسر
پکڑ کر لے گئے زنداں میں سیف الدین کچلو کو   فرنگستان کی مٹھی میں آئی جان امرتسر
مسلمانوں کے کس بل میں نہ فرق آیا نہ آئے گا   سلامت حشر تک یارب رہے ایمان امرتسر

اس واقعہ کی مذمت کرتے ہوئے عالمی شہرت کے حامل بنگالی ادیب رابندر ناتھ ٹیگور نے "سر" کا وہ خطاب واپس کر دیا جو انگریز سرکار نے اسے عطا کیا تھا

رولٹ ایکٹ اور جلیانوالہ باغ کا واقعہ

جلیانوالہ باغ کا قتل عام رولٹ ایکٹ کے خلاف ایجی ٹیشن کا نتیجہ تھا۔ ہوا ایسے کہ ۱۹۱۷ میں انگریز حکومت نے ملک میں چلنے والی تحریک آزادی کو کالے قانون بنا کر دبانا چاہا۔ اس وقت ۱۹۱۵ کا ڈیفنس آف انڈیا ایکٹ تو موجود تھا مگر اس کے باوجود عوام کنٹرول سے باہر ہو رہے تھے۔ سو ایک انگریز جج سر سڈنی رولٹ کی صدارت میں ایک کمیٹی بنائی گئی جس نے دو نئے بل تیار کئے ان بلوں میں

۱۔ "دہشت گردی" کے مرتکب افراد سے اپیل کا حق چھین لیا گیا۔ "دہشت گرد" سے مراد ہر وہ فرد تھا جو ملک کی آزادی اور انگریز سرکار کے خاتمے کے لئے جد و جہد میں حصہ لیتا تھا۔

۲۔ تجویز کیا گیا کہ ان کے مقدمات کی سماعت بند کمرے میں ہوگی۔

Scanned with CamScanner

۳- حکومت کو اجازت دے دی گئی کہ جس پر شک ہو اسے بغیر وارنٹ گرفتار کرلے، اس کے گھر کی تلاشی لے اور اگر چاہے تو ایک سال تک بنا مقدمہ چلائے جیل میں رکھے

۴- اس طرح کے مقدمات کی سماعت کے لئے خصوصی عدالتیں قائم کرنے کی تجویز دی گئی - ان کے فیصلوں کے خلاف اپیل کی اجازت نہیں تھی - رہائی کے بعد دو سال کے لئے نیک چلنی کی ضمانت داخل کرنے کا حکم تھا-

یہ عوام دشمن بل جب اسمبلی میں منظوری کے لئے آیا تو تمام غیر سرکاری ارکان نے اس کی ڈٹ کر مخالفت کی - ہندوستان بھر کے تمام سیاسی لیڈروں کا اس بات پر اتفاق رائے تھا کہ رولٹ ایکٹ پاس نہیں ہونا چاہئے - محمد علی جناح، وی جے پٹیل، تیج بہادر سپرو، اور مدن موہن مالویہ سبھی نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا کہ یہ بل پاس نہ ہونے پائے - محمد علی جناح نے اسمبلی میں تقریر کرتے ہوئے کہا-

"یہ بل پاس کرکے آپ لوگ (یعنی انگریز حکومت) ملک کے ایک کونے سے لے کر دوسرے کونے تک ایسی صورت پیدا کر دیں گے جس کا سامنا آپ لوگوں نے آج تک نہیں کیا"

تاہم اس سخت مخالفت کے باوجود ۲۱ مارچ ۱۹۱۹ء کو رولٹ ایکٹ پاس ہوکر قانون کا درجہ اختیار کر گیا - اس قانون کے پاس ہونے سے ہندوستان کے ان تمام قومی لیڈروں کو سخت دھچکا لگا جو جنگ عظیم اول میں برطانیہ کی جنگی پالیسی کی حمایت کرتے رہے تھے - ان لیڈروں میں مہاتما گاندھی بھی شریک تھے جو وائسرائے کی فوجی بھرتیوں کی "ریکروٹمنٹ کانفرنس" میں شامل تھے - اور بھرتیوں کے سلسلے میں حکومت کی مدد کر رہے تھے - کچھ عرصہ پہلے جنگ بوئر (۹۰-۱۸۸۹ء) کے دوران مہاتما گاندھی اپنی بیوی سمیت "والنٹیر ایمبولنس کور" میں شریک تھے اور خود سٹریچر اٹھا کر زخمی سپاہیوں کی تیمارداری کیا کرتے تھے - گاندھی سمیت سارے ہندوستانی رہنماؤں کو توقع تھی کہ جنگ عظیم اول کے خاتمے کے بعد برطانیہ ہندوستان کو ڈومینین کا درجہ دے دے گا - اس دور میں مکمل آزادی کا مطالبہ صرف وہ انقلابی کرتے تھے جنہیں "دہشت پسند"

قرار دیا جاتا تھا - باقی ہر کوئی ہندوستان کو ڈومینین کا درجہ دینے کا حامی تھا-

رولٹ ایکٹ جیسا کالا قانون پاس ہوجانے کے بعد ان تمام امیدوں پر پانی پھر گیا- اب ہندوستانیوں کے لئے جد و جہد کا مشکل راستہ طے کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں رہ گیا تھا-

مہاتما گاندھی نے رولٹ ایکٹ مخالف تحریک چلانے کا فیصلہ کیا - اس تحریک نے مہاتما گاندھی کو ہندوستان کا سب سے مشہور رہنما بنا دیا - گاندھی نے یکم مارچ کے دن رولٹ ایکٹ کے خلاف ستیہ گرہ کرنے کا اعلان کیا اور کہا کہ قانون منظور کئے جانے کے اگلے دن "قومی بے عزتی کا دن" منایا جائے گا - اس اعلان کے بعد ہندوستان کے طول و عرض میں سیاسی جد و جہد نے وہ شکل اختیار کی جو ہندوستانیوں نے اتنی بڑی سطح پر اس سے پہلے نہیں دیکھی تھی-

ستیہ گرہ کیا تھی

مہاتما گاندھی نے جس ستیہ گرہ کا اعلان کیا وہ ایک پرامن تحریک تھی - اس کا مقصد انگریزوں کے خلاف نفرت پیدا کرنا یا انہیں قتل و غارت کے ذریعے ہندوستان سے نکالنا نہیں تھا - یہ ستیہ گرہ ایک غیر جذباتی پرامن تحریک تھی جس کے دوران توڑ پھوڑ اور مارکٹائی کی بجائے اخلاقی اور روحانی قوت کی مدد سے انگریزوں کا مقابلہ کرنا تھا - اس تحریک کا سب سے بڑا ہتھیار ہڑتال تھی - یہ ہندوستان کی سیاست میں ایک نیا سیاسی حربہ تھی - اپنا کاروبار بند کرکے، اپنے آپ کو مالی نقصان پہنچا کر اور اس کے ذریعہ اپنے اتحاد کا بے مثال ثبوت دے کر انگریز حکومت کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دینا ستیہ گرہ کا مقصد تھا - ہڑتال کے ساتھ ساتھ گاندھی نے بھوک ہڑتال اور عبادت کرنے کا بھی اعلان کیا - سول نافرمانی کا فیصلہ بھی کیا گیا - اس مقصد کے لئے حکومت نے جن سیاسی کتابوں پر پابندی لگائی ہوئی تھی انہیں کھلے بندوں بیچنے کا عہد کیا گیا - ہدایت کی گئی تھی کہ سول نافرمانی کے دوران پولیس تشدد برداشت کیا جائے - اینٹ کا

Scanned with CamScanner

جواب پتھر سے نہ دیا جائے بلکہ پر سکون رہ کر تشدد برداشت کیا جائے اور تحریک جاری رکھی جائے - یہی لوگوں کی طاقت اور اتحاد کا ثبوت تھا-

۶-اپریل کی ہڑتال اور پنجاب

پہلے ہڑتال کے لئے رولٹ ایکٹ منظور کئے جانے کے بعد دوسری اتوار کا دن مقرر کیا گیا تھا لیکن پوری تیاری نہ ہونے کی وجہ سے اس تاریخ کو آگے بڑھا کر ۶ اپریل کر دیا گیا- اس دن پورے ہندوستان میں بے مثال اتحاد کا مظاہرہ کیا گیا- ہڑتال مکمل طور پر کامیاب رہی- ہڑتال کے باوجود پورے ملک کی فضاء پر امن رہی

یوں تو ہڑتال ہندوستان بھر میں کی گئی لیکن رولٹ ایکٹ تحریک کا مرکز پنجاب بنا- یہاں سارے ہندوستان سے بڑھ کے لوگوں نے ہڑتال میں حصہ لیا- اس پر امن تحریک کے دوران جب ہنگامے شروع ہوئے تو وہ بھی ہندوستان کے مقابلے میں پنجاب میں زیادہ ہوئے اس کے کئی اسباب تھے - ایک سبب یہ تھا کہ پہلی عالمی جنگ میں سب سے زیادہ فوجی بھرتیاں پنجاب نے دی تھیں - اب پنجاب کی توقع کے برعکس برطانوی حکومت خودمختاری کے مطالبے پورے کرنے سے پہلو تہی کرنے لگی تھی - جنگ ختم ہونے کے بعد پنجاب میں فصلیں بھی خراب ہوئی تھیں اور بیروزگاری میں بھی بہت اضافہ ہوگیا تھا- پنجاب کے مسلمان حکومت سے اس لئے خفا تھے کہ اس نے جنگ ختم ہونے کے بعد ترکی کے مفادات کے تحفظ کا وعدہ پورا نہیں کیا تھا لہذا ۶ - اپریل کی ہڑتال پنجاب میں ہندو، مسلم اور سکھ اتحاد کا بے مثال مظاہرہ تھی-

پنجاب حکومت اور رولٹ ایکٹ مخالف تحریک

ان دنوں پنجاب کا گورنر مائیکل اڈوائر تھا- بڑا جابر اور وحشی منتظم - اس نے

فیصلہ کیا ہوا تھا کہ سیاسی بیداری کی تحریک کو سر نہیں اٹھانے دے گا- سیاسی بیداری اخباروں اور رسالوں کے ذریعے پنجاب میں پھیل سکتی تھی- لہذا ان پر پابندی لگا دی گئی - ۱۸-۱۹۱۴ کے درمیانے عرصے میں اس نے پنجاب سے باہر چھپنے والے اخبارات کا پنجاب میں داخلہ ممنوع قرار دیدیا - ۱۹۱۹ء میں جب رولٹ ایکٹ مخالف تحریک شروع ہوئی تو اس نے مزید بارہ اخبارات پر پابندی لگا دی- پنجاب میں چھپنے والے چار اخبارات اور صوبے کے چوبیس چھاپے خانوں سے ضمانتیں طلب کرلیں " زمیندار" اخبار کی ضمانت جنگ کے دوران ہی ضبط کرلی گئی تھی - اس کے ایڈیٹر مولانا ظفر علی خان کو جنگ ختم ہونے تک لاہور بدر کرکے وزیر آباد میں پابند کر دیا گیا تھا- ان تمام اخبارات کے جو قوم پرست اور حکومت دشمن تھے اشتہارات بند کر دئے گئے - ان میں ایک اخبار "ٹریبون" بھی تھا اس سے بھی اور لالہ جپت رائے کے اخبار " پنجابی" سے بھی ضمانت طلب کرلی گئی - ٹریبون اخبار پر دباؤ ڈالنے کے لئے اس کے ایک مشہور ٹرسٹی کو گرفتار کر لیا گیا- بعد میں ٹریبون کے ایڈیٹر کو بھی حراست میں لے لیا گیا-

حکومت کی ان انتظامی اور تادیبی کاروائیوں کے باوجود پنجاب کے بڑے شہر دلی اور کچھ قصبوں میں عوامی تحریک شروع ہوگئی اس وقت کے پنجاب کے بڑے شہروں کا نقشہ یوں تھا:

۱۹۱۹ء کا پنجاب

۱۹۱۹ء میں پنجاب کی کل آبادی (آج کے مشرقی اور مغربی پنجاب، ہریانے اور ہماچل پردیش سمیت) دو کروڑ کے قریب تھی پنجاب ۲۸ اضلاع پر مشتمل تھا- آبادی کی اکثریت مسلمان تھی اس کے مشہور شہروں کی آبادی یہ تھی (یہ وہ شہر ہیں جہاں ہنگامے ہوئے)

لاہور (چھاؤنی کے علاوہ) ڈھائی لاکھ
امرتسر ایک لاکھ ساٹھ ہزار

Scanned with CamScanner

گوجرانوالہ تیس ہزار
قصور چوبیس ہزار
گجرات بیس ہزار
لائلپور پندرہ ہزار
حافظ آباد پانچ ہزار
سانگلہ تین ہزار
شیخوپورہ دو ہزار پانچ سو

رولٹ ایکٹ مخالف جدوجہد سب سے زیادہ امرتسر میں ہوئی اس لئے ہم سب سے پہلے امرتسر کے واقعات کا ذکر کرتے ہیں۔

امرتسر۔ ہڑتال سے جلیانوالہ کے واقعہ تک

پنجاب میں رولٹ ایکٹ کے خلاف عوامی جلسے فروری کے مہینے سے شروع ہوگئے تھے۔ اس کالے قانون کے خلاف چلنے والی تحریک کا پنجاب میں بنیادی مرکز امرتسر بن گیا۔ اس شہر میں دو سیاسی رہنما عوام میں بہت مشہور ہوئے۔ ایک ڈاکٹر سیف الدین کچلو اور دوسرا ڈاکٹر ستیہ پال۔ ان دونوں نے اپنی جوشیلی تقریروں سے امرتسر میں بہت رنگ جمایا۔ ہر جلسے میں ان دونوں سے تقریر کرنے کا مطالبہ کیا جاتا تھا۔

حکومت نے ان کی تقریروں سے زچ ہو کے پہلے ڈاکٹر ستیہ پال کی زبان بندی کی اور پھر ڈاکٹر سیف الدین کچلو کی زبان بندی کا حکم جاری کر دیا۔ ۳۰ مارچ کو امرتسر میں ہندوستان کے کئی دوسرے شہروں کی طرح ہڑتال ہوئی اس روز جلسے میں شریک ہونے والے لوگوں کی تعداد تیس پینتیس ہزار تھی۔ ۶۔ اپریل کو امرتسر میں مکمل ہڑتال ہوئی۔ فیکٹریاں، سکولوں، کالج، دوکانیں مکمل طور پر بند رہے۔ اسی روز امرتسر میں ایک بڑا جلسہ منعقد ہوا جس نے اگلے پچھلے تمام جلسوں کا ریکارڈ توڑ دیا۔ تقریباً

پچاس ہزار افراد نے اس میں شرکت کی۔ ان دنوں جب پنجاب کے شہروں کی آبادی آج کے مقابلے میں بہت کم ہوتی تھی ایک لاکھ ساٹھ ہزار والے آبادی کے شہر امرتسر کے جلسے میں پچاس ہزار افراد کا جمع ہونا آج کے حساب سے لاکھوں کے برابر اجتماع تھا۔ جلسے کی صدارت بیرسٹر عبدالسلام خان کی۔

اگلے دو دنوں تک شہر میں سکون رہا۔ ۹۔ اپریل کو رام نومی کا تہوار تھا۔ ویسے تو یہ ہندوؤں کا مذہبی تہوار تھا لیکن سارے ملک کی طرح پنجاب میں بھی ہندو، مسلمان، سکھ، عیسائی متحد ہوگئے تھے اور فرقہ واریت ختم ہوگئی تھی۔ اس لئے اس تہوار میں تمام مذاہب سے تعلق رکھنے والوں نے حصہ لیا۔ جلوس کی قیادت بیرسٹر عبدالسلام خان نے گھوڑے پر سوار ہو کر کی۔ ان کے پیچھے سائیکلوں پر سوار اور پیدل چلنے والے۔ "ہندو مسلم سکھ اتحاد" کے فلک شگاف نعرے لگاتے ہوئے جا رہے تھے ڈاکٹر سیف الدین کچلو اور ڈاکٹر ستیہ پال بھی جلوس میں شامل ہوئے اور لوگوں نے ان کی حمایت میں نعرے لگائے۔

اس اتحاد سے انگریز حکومت خوفزدہ ہوگئی۔ ۱۰ اپریل کو گورنر پنجاب نے ڈاکٹر سیف الدین کچلو اور ستیہ پال کو امرتسر سے ضلع بدر کر کے کانگڑہ بھیج دیا۔ حکومت کی اس کاروائی کی خبر امرتسر میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ لوگ ایک ہجوم کی شکل میں ان رہنماؤں کے خلاف ضلع بدری کے احکام واپس کرانے کے ارادے سے ڈپٹی کمشنر کے دفتر کی جانب چل دئے۔ یہ ہجوم آہستہ آہستہ ایک پرامن جلوس میں تبدیل ہوگیا۔ اس کے پرامن ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ امرتسر کی جن سڑکوں سے یہ جلوس گزر رہا تھا وہاں نیشنل بنک، ٹاؤن ہال، کرسچین مشن ہال، اور دیگر اہم بلڈنگیں واقع تھیں۔ جلوس توڑ پھوڑ کئے بغیر پرامن طریقے سے اپنی منزل کی طرف بڑھتا گیا۔

ڈپٹی کمشنر کا دفتر ریلوے لائن کی دوسرے جانب واقعہ تھا جہاں پہنچنے کے لئے پل پر سے گزرنا پڑتا تھا۔ پل پر فوج کھڑی تھی۔ جس نے جلوس کو آگے بڑھنے سے روک دیا۔ لوگوں نے جب زبردستی آگے بڑھنے کی کوشش کی تو فوج نے گولیوں کی بوچھاڑ کر دی۔ کچھ لوگ مارے گئے اور بہت سے شدید زخمی ہو گئے۔

Scanned with CamScanner

فائرنگ کے بعد لوگ لاشوں اور زخمیوں کو اٹھا کر شہر کی جانب لوٹ گئے شہر کے لوگوں نے جب خون میں لتھڑی ہوئی لاشوں اور زخمیوں کو دیکھا تو ہزاروں کی تعداد میں لوگ ہجوم میں شامل ہو گئے اب دوبارہ جلوس بن گیا- غم و غصے سے بپھرے ہوئے لوگوں نے ہر قیمت پر ڈپٹی کمشنر کے دفتر جانے کا فیصلہ کر لیا- راہ چلتے لالٹینیاں ڈنڈے جو چیز ہاتھ لگی اٹھا کر اسی پل پر واپس آ گئے جہاں فوجی پکٹ ان کا راستہ روکنے کے لئے کھڑی تھی- جلوس نے فوجیوں کو پیچھے دھکیل کر آگے بڑھنے کی کوشش کی تو فوج نے دوبارہ گولی چلا دی- فوج کی فائرنگ سے بیس آدمی ہلاک اور لاتعداد زخمی ہو گئے- سرکاری ہسپتال کی انتظامیہ نے زخمیوں کو سٹریچر دینے اور ان کی علاج کرنے سے انکار کر دیا- یہاں تک کہ ایک انگریز نرس نے کہا کہ انہیں تو اپنے کئے کی سزا ملی ہے- یہ سن کر مجمع مشتعل ہو کر آپے سے باہر ہو گیا-

بپھرا ہوا ہجوم لاشوں اور زخمیوں کو وہیں چھوڑ کر ہسپتال سے باہر نکل گیا راستے میں جو بھی انگریزوں کی نشانی نظر پڑی اسے توڑ پھوڑ کر آگ لگا دی - نیشنل بنک جلا کرنے کے بعد دو انگریز اہلکاروں کو قتل کر دیا- ریلوے شیڈ توڑ پھوڑ دیا ایک انگریز ریلوے گارڈ کو جان سے مار دیا- الائنس بنک پر حملہ کر کے اس کے مینجر کے ٹکڑے کر دئے - راستے میں ملنے والے ایک انگریز سارجنٹ کو موت کے گھاٹ اتار دیا- ٹاؤن ہال' پوسٹ آفس' مشن ہال' اور بھاٹیانوالہ ریلوے اسٹیشن سب کو جلا کر راکھ کر ڈھیر بنا دیا- سائیکل پر سوار جاتی ہوئی ایک انگریز عورت کو بھی زخمی کر دیا گیا-

یہ سب کچھ فوج کی فائرنگ کے بعد ہوا- اگر فوج پرامن ہجوم پر گولی نہ چلاتی تو ایسا ہرگز نہ ہوتا-

۱۱ اپریل کو مارشل لاء ہائنڈ کے بغیر امرتسر فوج کے سپرد کر دیا گیا- ۱۲ اپریل کو جنرل ڈائر نے امرتسر پہنچ کر انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیا - یہ وہی جنرل ڈائر ہے جس کے حکم پر جلیانوالہ باغ میں گولی چلائی گئی تھی - جس کا نام تاریخ کے بڑے قاتلوں میں شمار ہونا تھا اور لوگوں نے اس کا مقابلہ ہلاکو خان سے کرنا تھا-

ہلاکو کو عبث تاریخ میں بدنام کرتے ہیں بے چارے نے نہتوں پر دیا کب حکم فائر کا

جنرل ڈائر نے شہر کا پانی اور بجلی بند کر دیا- بہت سے لوگوں کو گرفتار کر لیا اور شہر کے عمائدین کی میٹنگ بلا کر انہیں ہڑتال ختم کرنے کا حکم دیا انہیں دھمکایا بھی گیا- اسی میٹنگ میں امرتسر کے ڈپٹی کمشنر نے کہا کہ انگریزوں کے خون کا بدلہ ہندوستانیوں سے اور ان کی آنے والی نسلوں سے لیا جائے گا-

۱۳ اپریل کو ساڑھے نو بجے جنرل ڈائر نے شہر کا دورہ کیا اور شہر کے چند علاقوں میں ڈھول پٹوا کر ہر طرح کے جلسے جلوس پر پابندی کا اعلان کر دیا- اعلان میں کہا گیا تھا کہ اگر ضرورت محسوس کی گئی تو ایسے جلوس پر گولی چلانے سے دریغ نہیں کیا جائے گا- یہ اعلان شہر کے مخصوص علاقوں میں کیا گیا جبکہ شہر کے اکثر باشندوں کو اس پابندی کا علم نہیں تھا-

جس وقت یہ سرکاری اعلان کیا جا رہا تھا عین اسی وقت ایک نوجوان لڑکا ٹین کا کنستر بجا کر شام چار بجے جلیانوالہ باغ میں لالہ کنہیا لال کی صدارت میں جلسہ کے انعقاد کا اعلان کرتا پھر رہا تھا جنرل ڈائر کو ساڑھے بارہ بجے اس کی اطلاع مل گئی لیکن اس نے جلسے کو روکنے کے لئے کوئی اقدام نہیں کیا-

جلیانوالہ باغ میں فائرنگ

جلیانوالہ باغ صرف نام کا باغ تھا حقیقت میں وہ ایک میدان تھا جس کے چاروں طرف رہائشی عمارتیں واقع تھیں - مکانوں کی پشت باغ کی جانب واقع تھی - ان مکانوں کے درمیان سے چار پانچ چھوٹے چھوٹے تنگ راستے میدان کی طرف نکلتے تھے جن میں سے تھوڑے تھوڑے کر کے لوگ گزر سکتے تھے-

باغ میں داخل ہونے والا راستہ بھی تنگ تھا اس لئے جنرل ڈائر بکتر بند گاڑیاں باغ تک نہ لے جا سکا- اندر داخل ہوتے ہی میدان سے اونچی ایک ٹیلا نما جگہ تھی جہاں سے لوگوں کو نشانہ بنایا جا سکتا تھا-

Scanned with CamScanner

جس وقت جنرل ڈائر اپنے مسلح سپاہیوں کو لے کر میدان میں داخل ہوا - اس وقت دس ہزار کے لگ بھگ لوگ پنڈال میں بیٹھے جلسہ سن رہے تھے ان میں نوجوان اور چھوٹے بچے بھی تھے - بعض لوگ بچوں کو گود میں اٹھائے ہوئے تھے - کچھ لوگ امرتسر کے مضافات سے ڈھول کی تھاپ پر ناچتے گاتے شہر آئے ہوئے تھے کیونکہ ۱۳ اپریل کو ہندوؤں کا بیساکھی کا تہوار تھا - یعنی ہندوؤں کے سال کا پہلا دن - ہندو اور سکھ اس دن خاص طور سے خوشی مناتے ہیں - ان لوگوں کو جنرل ڈائر کے اعلان کا کوئی علم نہیں تھا - شہر میں آئے تو جلسہ سننے کے لئے جلیانوالہ باغ بھی پہنچ گئے ان میں اکثر سیاسی کارکن تھے جو جنرل ڈائر کے باغ میں داخل ہوتے وقت مقررین کی تقریریں سن رہے تھے - اس وقت شام کے پانچ بجے تھے -

جنرل ڈائر نے بعد میں قائم کی جانے والی انکوائری کمیٹی کے سامنے جو بیان دیا تھا یہاں اس کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے -

جنرل ڈائر کے مطابق اس نے آتے ہی بغیر کسی تنبیہہ کے گولی چلانے کا حکم دے دیا - اس کا مقصد لوگوں کو ان کے کئے کی سزا دینا تھا - ابھی مارشل لاء نافذ نہیں ہوا تھا - اختیارات سول انتظامیہ کے پاس تھے - جنرل ڈائر ڈپٹی کمشنر کو اطلاع دئے بغیر لوگوں کو سزا دینا چاہتا تھا - جنرل ڈائر کے حکم پر فوج نے گولی چلا دی - دس منٹ تک مجمع پر گولیوں کی بوچھاڑ ہوتی رہی - فائر اس وقت بند کیا گیا جب گولیاں ختم ہو گئیں ۱۶۵۰ گولیاں چلائی گئیں - فائرنگ کے بعد جنرل ڈائر نے زخمیوں کو ہسپتال پہنچانے کا انتظام کرنا ضروری نہ سمجھا - اس کے بقول یہ اس کے فرائض میں شامل نہیں تھا اس نے ان جگہوں کو گولیوں کا نشانہ بنایا جہاں مجمع زیادہ نظر آتا تھا - خاص طور پر ان تنگ راستوں پر گولیاں برسائی گئیں جہاں سے لوگ باہر نکلنے کے لئے تگ و دو کر رہے تھے -

جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے اس فائرنگ کے نتیجے میں پانچ سو سے ایک ہزار تک لوگ مارے گئے - ہندوستان کی تاریخ میں انگریزوں نے کسی بھی جگہ اتنی تعداد میں نہتے آدمیوں کو گولی کا نشانہ نہیں بنایا تھا - یہی وجہ ہے کہ جلیانوالہ باغ کے قتل عام کے

واقعہ سے ہندوستان بھر میں کہرام برپا ہو گیا - اور پنجاب میں عوام نے امن کی راہ چھوڑ کر انگریزوں کو موت کے گھاٹ اتارنے اور سرکاری املاک کو جلا کر راکھ بنانے کی راہ اختیار کی - پنجاب کے گورنر کے مطابق پنجاب میں عام بغاوت شروع ہو گئی -

جلیانوالہ باغ کی فائرنگ نے ہندوستان کی سیاست کا رخ بدل دیا - لوگوں میں انگریزوں کی انصاف پسندی اور قانون کے احترام کرنے کا پروپیگنڈا کیا جاتا تھا - جلیانوالہ باغ کے واقعہ نے اسے جھوٹا ثابت کر دیا - انگریزوں سے تعاون اور پرامن سیاسی جدوجہد کی حامی سیاسی جماعتوں کی بات سننے سے لوگوں نے انکار کر دیا - مہاتما گاندھی نے جو اب تک صلح صفائی کے حامی تھے صلح پسندی کا راستہ چھوڑ دیا - انہوں نے اپنے تمغے "قیصر ہند گولڈ میڈل" اور "زدلوار میڈل" انگریز حکومت کو لوٹا دئے اور اپنے خط میں لکھا -

"جو طریقے جنرل ڈائر نے سزا دینے کے لئے استعمال کئے وہ لوگوں کے جرم کے مقابلے میں بہت زیادہ سخت ہیں - ایسا ظلم اور غیر انسانی کاروائی جدید تاریخ میں کہیں بھی نظر نہیں آتے -" حکومت کی جانب سے جلیانوالہ باغ کی فائرنگ کی حمایت کی شکایت کرتے ہوئے گاندھی نے کہا "اس عمل نے حکومت پر میرے اعتماد کو بالکل ختم کر دیا ہے - اب میں پہلے کی طرح وفادارانہ تعاون کرنے کے قابل نہیں رہا -"

فائرنگ کے بعد اقدامات

جلیانوالہ باغ میں سینکڑوں نہتے لوگوں کو موت کی نیند سلانے کے بعد بھی انگریز حکومت کا غصہ ٹھنڈا نہ ہوا - اس نے امرتسر کے باشندوں سے بدلہ لینے اور انہیں ذلیل کرنے کے لئے مندرجہ ذیل احکام جاری کئے =

۱- رینگنے کا حکم - جس بازار میں مس شیروڈ پر حملہ کیا گیا تھا - اس بازار میں سے ہر گزرنے والے کو رینگ کر گزرنے کا حکم دیا گیا - اس بازار میں رہنے والوں کے لئے یہ ایک بہت بڑی مصیبت تھی یہیں ٹکٹکی لگا کر لوگوں کو کوڑے مارے جاتے تھے -

Scanned with CamScanner

۲- سلام کرنے کا حکم - ہر شخص کو پابند کیا گیا کہ جب کوئی انگریز نظر آئے وہ اسے ہاتھ اٹھا کر درست طریقے سے سلام کرے - جو لوگ حکم عدولی کے مرتکب ہوئے انہیں سزائیں دی گئیں -

۳- شہر کے تمام وکیلوں کو ایک حکم کے مطابق کانسٹیبل کا درجہ دے دیا گیا - ان سے قلیوں کا کام لیا گیا اور اس طرح ترانوے ۹۳ وکیلوں کو ذلیل کیا گیا -

۴- شہر کے کئی بیگناہوں کو پکڑ کر انہیں زبردستی سیاسی لیڈروں کے خلاف بیان دینے پر مجبور کیا گیا - اور جنہوں نے بیان دینے سے انکار کیا ان کو غیر انسانی اور غیر اخلاقی تشدد کا نشانہ بنایا گیا - اس کی تفصیل کانگریس انکوائری کمیٹی رپورٹ میں درج ہے -

لاہور کی ہڑتال اور فائرنگ

۱۶ اپریل کو لاہور کی تاریخ کی سب سے بڑی ہڑتال ہوئی - یہ ہڑتال پنجاب کے گورنر کی توقع کے خلاف تھی - ہڑتال کے ساتھ لوگوں نے پابندیاں توڑتے ہوئے شہر میں جلوس نکالا جو جی پی او چوک کو منتشر ہو گیا - شام کو لاہور کے مشہور برانڈلا ہال میں جلسہ ہوا - اتنا بڑا جلسہ اب تک شہر کی تاریخ میں کبھی نہیں ہوا تھا -

تین دن بعد ۹ اپریل کو لاہور میں رام نومی کا تہوار منایا گیا جس میں ہندوؤں، مسلمانوں اور سکھوں نے مل جل کر حصہ لیا - دن بھر کسی سیاسی سرگرمی کے بغیر گذر گیا -

۱۰ اپریل کو لاہور کی سیاست میں گرما گرمی پیدا ہو گئی - اس روز اخباروں میں یہ خبر شائع ہوئی تھی کہ پنجاب حکومت نے گاندھی کو صوبے میں داخل ہونے سے روک دیا ہے اور گرفتار کر کے بمبئی قید کر دیا ہے - اس خبر کے چھپتے ہی شہر میں ہڑتال ہو گئی اور جلوس نکالا گیا - جسے پولیس نے ایف سی کالج (جو ان دنوں انارکلی نیلا گنبد کے قریب تھا) کے سامنے روک لیا لیکن جلوس میں شامل تین چار سو افراد نے جن میں

بڑی تعداد میں طالب علم تھے پولیس کا گھیرا توڑ کر مال روڈ کے راستے گورنمنٹ ہاؤس جانے کی ٹھان لی -

اس جلوس پر ریگل چوک پہنچنے سے پہلے ہی گولی چلا دی گئی - دو تین آدمی ہلاک اور بہت سے زخمی ہو گئے پولیس انہیں اٹھا کر لے گئی - پولیس لوگوں کو لوہاری دروازے تک دھکیل کر لے آئی - یہاں ایک مرتبہ پھر فائرنگ کی گئی اور دو تین نوجوان شہید ہو گئے - اس واقعے سے لاہور بھر میں تحریک کا لاوا ابل پڑا

۱۱ اپریل کو اندرون شہر ہڑتال ہوئی اور شاہی مسجد لاہور میں ایک بہت بڑا جلسہ منعقد ہوا جس سے مسلمان مقرروں کے علاوہ ہندو لیڈر رام بھاج دت نے بھی خطاب کیا - جب لوگ مسجد سے نکل کر گھروں کو روانہ ہوئے تو فوج نے راستے میں روک کر انہیں گولیوں کا نشانہ بنایا - نتیجے میں بہت سے لوگ موقعہ پر ہی ہلاک ہو گئے کئی ایک زخمی بھی ہوئے - ہڑتال کی وجہ سے شہر میں کھانے پینے کی چیزیں نہیں ملتی تھیں - اس سے لوگ پریشان تھے - اس تکلیف کے ازالے کے لئے شہر کے خوشحال لوگوں نے چندے کی رقوم سے لنگر کھول دیئے ان لنگر خانوں سے ۱۶ اپریل تک لوگوں کو کھانا مہیا کیا گیا - یہ لنگر مارشل لاء لگنے کے بعد بند کرا دیئے گئے -

پنجاب میں مارشل لاء ۱۶ اپریل سے ۹ جون ۱۹۱۹ تک

لاہور اور امرتسر کے عوام پر انگریز سرکار کے ظلم و ستم کی خبریں جب پنجاب کے دور دراز علاقوں تک پہنچیں تو سارے صوبے میں آگ کے شعلے بھڑک اٹھے اور پرامن تحریک تشدد کی راہ پر چل نکلی - غیر قانونی جدوجہد لائلپور، قصور گوجرانوالہ، وزیر آباد، حافظ آباد، اکال گڑھ، سانگلہ، مومن، مانانوالہ، منڈی ڈھابیاں سنگھ، چوہڑ کانہ اور ملکوال تک پھیل گئی اس قانون شکن جدوجہد نے جو شکلیں اختیار کیں وہ یہ تھیں - انگریزوں پر حملے، ریلوے اسٹیشنوں کو آگ لگانا، ریلوے لائنوں کو اکھاڑنا، ٹیلی گراف کی تاریں کاٹنا اور سرکاری دفاتر پر حملے کرنا یہ سے زیادہ واقعات ضلع

Scanned with CamScanner

گوجرانوالہ میں وقوع پذیر ہوئے - اس کے نتیجے میں پنجاب کے چھ اضلاع میں مارشل لاء نافذ کر دیا گیا - (لاہور ' امرتسر ' لائل پور ' گوجرانوالہ ' شیخوپورہ اور گجرات) یہ مارشل لاء ۱۶ اپریل سے ۹ جون ۱۹۱۹ تک نافذ رہا - یہ ہندوستان کی تاریخ کا پہلا مارشل لاء تھا - اور اس کا نشانہ تھا صوبہ پنجاب - مارشل لاء کے کالے قوانین کی آڑ میں انگریز حکومت نے پنجاب پر جو وحشیانہ تشدد کیا اس کی کچھ تفصیل درج ذیل ہے =

لاہور اور مارشل لاء

کرنل جانسن لاہور کا مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر مقرر کیا گیا اس نے مارشل لاء لگتے ہی امرتسر کی طرح تکتکیاں لگا کر چھوٹی چھوٹی بات پر کوڑے لگانے شروع کر دئے ' کرفیو آرڈر کی معمولی خلاف ورزیوں کے مرتکب افراد کو ٹکٹکی سے باندھ کر سب کے سامنے کوڑے لگائے جاتے تھے - لاہور کے عوام کو دہشت زدہ کرنے کے لئے کرنل جانسن نے اعلان کیا کہ اگر اندرون لاہور گشت کرنے والے فوجی دستے پر بم پھینکا گیا تو بم گرنے والی جگہ کے ارد گرد سو گز تک مکانوں کو زمین بوس کر دیا جائے گا -

بادشاہی مسجد لاہور میں ہندو مسلم اتحاد کی وجہ سے کسی بھی مذہب سے تعلق رکھنے والا فرد حکومت کے خلاف تقریر کر سکتا تھا - رام بھاج دت نے بھی یہاں تقریر کی تھی - کرنل جانسن نے پہلے تو شاہی مسجد کی تالا بندی کر دی بعد میں اس شرط پر تالا کھولنے کی اجازت دی کہ آئندہ کسی ہندو کو مسجد میں داخل نہیں ہونے دیا جائے گا -

لاہور میں سمری ملٹری عدالتیں قائم کی گئی - صرف ایک عدالت میں ۲۷۷ لوگوں کے خلاف مقدمات کی سماعت کی گئی اور ۲۹۱ آدمیوں کو سزائیں دی گئیں جو دو سال قید ' ۳۰ کوڑوں اور ایک ہزار روپے جرمانہ تک تھیں - اس زمانے میں جب سپاہی کی تنخواہ سات روپے ماہوار تھی ایک ہزار روپے ایک بڑی رقم ہوتی تھی -

کرنل جانسن کا خیال تھا کہ بغاوت پھیلانے میں وکیل اور ان کے کلرک پیش پیش ہیں - اس نے وکیلوں ' ان کے کلرکوں اور منشیوں کے لاہور سے بلا اجازت باہر

جانے پر پابندی لگا دی -

ایک منفرد سزا جو کرنل جانسن نے ایجاد کی وہ حکومت دشمن لوگوں کے گھروں اور دفتروں کی دیواروں پر مارشل لاء نوٹس چسپاں کرنا تھی مالکان کو ان کی حفاظت کا پابند کر دیا گیا کہ انہیں پھاڑنے اور گندہ کرنے کی سزا مالک مکان یا دفتر کے مالک کو دی جاتی تھی - اس کا فرض تھا کہ وہ ان کی چوبیس گھنٹے حفاظت کا انتظام کرے -

طالب علموں اور پروفیسروں کو سزائیں

ایک ایسا ہی نوٹس لاہور کے سناتن دھرم کالج (یہ اسی بلڈنگ میں واقع تھا جہاں آج ایم اے او کالج ہے) کے باہر آویزاں کیا گیا کیونکہ یہاں کے طالب علم اور پروفیسر انگریز حکومت کے دشمن اور قوم پرست سمجھے جاتے تھے - یہ نوٹس کسی نے پھاڑ دیا اس کی سزا پانچ سو طالب علموں اور ان کے پروفیسروں کو دی گئی - ان سب کو گرفتار کر لیا گیا انہیں مئی کی دھوپ میں اپنے بستر سروں پر اٹھا کر لاہور کے شاہی قلعہ تک جو تین کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے پیدل مارچ کرنے کی سزا دی گئی پھر دو دن تک لاہور کے قلعے میں قید رکھا گیا -

ڈی - اے - وی کالج (آج کا اسلامیہ کالج سول لائنز ڈی - اے - وی کالج کی بلڈنگ میں ہے) دیال سنگھ کالج اور میڈیکل کالج کے طالبعلم بھی قوم پرست اور حکومت دشمن سمجھے جاتے تھے - انہیں سزا کے طور پر حکم دیا گیا کہ وہ دن میں چار مرتبہ کالج میں حاضر ہوں - صبح سات بجے دن کے گیارہ بجے دوپہر تین بجے اور پھر ساڑھے سات بجے - میڈیکل کالج کا ہاسٹل ان دنوں چار میل دور تھا طالب علموں نے کو ہر روز سولہ میل کی مسافت طے کرنا پڑتی تھی -

کرنل جانسن نے اس شکایت کی بنیاد پر کہ کسی کالج کے نامعلوم طالبعلموں نے انگریز عورتوں پر فقرے کسے ہیں لاہور کے تمام پرنسپلوں کو حکم دیا کہ اپنے اپنے کالجوں کے شریر لڑکوں کو سزا دیں - ورنہ پرنسپل گرفتار کر لئے جائیں گے -

Scanned with CamScanner

پرنسپلوں نے اپنی جان بچانے کے لئے لڑکوں کو سزائیں دینا شروع کر دیں - اس سلسلے میں کئی لڑکے کالجوں سے خارج کر دئے گئے کئی ایک کے داخلے روک دئے گئے ' اور وظیفے بند کر دیئے گئے - ان کے علاوہ اور بھی بہت سی سزائیں دی گئیں - دیال سنگھ کالج ' ڈی - اے وی کالج اور گورنمنٹ کالج لاہور کے لڑکوں پر خاص طور سے سختی کی گئی - دوسروں کے جرائم کی سزائیں انہیں بھگتنی پڑیں - یہ تھا انگریز حکومت کے انصاف کا نمونہ -

سڑک پر دو سے زیادہ آدمیوں کے اکٹھا چلنے پر پابندی لگادی گئی - کسی جگہ شادی ہو رہی تھی - اسی قانون کی زد میں باراتی بھی آگئے - دلہا کو جیل بھیج دیا گیا ' نکاح خواں اور باراتیوں کو کوڑے مارے گئے -

لاہور سے شائع ہونے والے اخبار "ٹریبون" "ملاپ" اور "پنجابی" حکومت پنجاب نے بند کر دئے ان کے ایڈیٹر گرفتار کر لئے گئے - زمیندار اخبار پہلے ہی بند کر دیا گیا تھا اور مولانا ظفر علی خان کو لاہور بدر کر کے وزیر آباد نظر بند کر دیا تھا -

لاہور کے گیارہ سیاسی لیڈر گرفتار کر لئے گئے اور ان کے خلاف مقدمے قائم کئے گئے - سید محسن شاہ اور ڈاکٹر گوکل چند رہا کر دئے گئے - لالہ ہر کشن لال ' لالہ دنی چند ' پنڈت رام بھاج کو عمر قید اور جائیداد کی ضبطی کی سزائیں دی گئیں - ان کی وکالت پنڈت موتی لال نہرو اور سر حسن امام نے کی - مارشل لاء اٹھائے جانے کے بعد یہ سزائیں کم کر دی گئیں -

دیگر شہر

قصور شہر میں دو فوجی قتل کر دئے گئے تھے - یکم مئی کو تمام شہریوں کو اسٹیشن پر پیش ہونے کا حکم دیا گیا تاکہ ملزمان کی شناخت کی جا سکے (عورتوں اور بچوں کے علاوہ) دو بجے دوپہر تک لوگوں کو بھوکا پیاسا چلچلاتی دھوپ میں بٹھائے رکھا گیا - ۱۷۲ آدمی گرفتار کئے گئے - ۵۱ کو سزائیں سنائی گئیں - دو آدمیوں کو بلا وجہ گولی مار دی گئی - چالیس

آدمیوں کو فی کس ۱۷ کوڑے مارے گئے - ہائی سکول کے ہیڈ ماسٹر کو حکم دیا گیا کہ شرارتی بچوں کو کوڑے مارنے کے لئے پیش کرے - جو بچے پیش کئے گئے وہ کمزور اور لاغر اندام تھے - حکم دیا گیا کہ موٹے تازے بچے لائے جائیں - حکم کی تعمیل کی گئی - چھ بچوں کو کوڑے مارے گئے - یہ بھی انگریزوں کی انصاف پسندی اور قانون کی بالادستی کی ایک مثال ہے -

گوجرانوالہ پر انگریز فضائیہ کی بمباری

گوجرانوالہ شہر کے لوگ ۱۲ اپریل تک پرامن رہے - لیکن جب ان تک امرتسر اور لاہور میں توڑے جانے والے مظالم کی اطلاعات پہنچیں تو شہر میں طوفان اٹھ کھڑا ہوا - لوگوں نے ان زیادتیوں کے خلاف جلوس نکالا - ریلوے اسٹیشن کو آگ لگانے کی کوشش کی گئی - پولیس فائرنگ سے کئی آدمی زخمی ہوئے - لوگوں نے مشتعل ہو کر چرچ ' پوسٹ آفس ' تحصیل ' کچہری اور ریلوے اسٹیشن کو آگ لگادی -

گوجرانولہ کے شہریوں کو کڑی سزائیں بھگتنا پڑیں - یہاں مارشل لاء کا انچارج کرنل دار برٹن تھا اس کی درخواست پر فضائیہ کے طیاروں نے پرامن شہری آبادی پر بم پھینکے - ایک بم خالصہ بورڈنگ ہاؤس پر گرا - طیاروں نے شہر کے گرد دیہاتی آبادی پر مشین گن سے فائرنگ کی - یہ ہوائی حملے دو دن یعنی ۱۴ - ۱۵ اپریل کو کئے گئے -

ٹکٹکیوں سے باندھ کے لوگوں کو کوڑے مارے گئے شہر کے معززین کو شہر کی نالیاں صاف کرنے کی سزا دی گئی - اور ہر ایک کو حکم دیا گیا کہ انگریز کو دیکھتے ہی سلام کیا جائے -

وزیر آباد ' ناظم آباد ' اکال گڑھ ' رام نگر ' حافظ آباد ' سانگلہ ' مومن ' ماناوالہ اور چوہڑکانہ کے لوگوں کو ریل کی پٹڑیاں اکھاڑنے ' ٹیلی گراف کی تاریں کاٹنے اور انگریز بادشاہ کا پتلا جلانے کے جرم میں سزائیں دی گئیں - شیخوپورہ ' اور لائل پور کے لوگوں نے امرتسر اور لاہور کی حمایت میں ہڑتالوں نیز جلسے جلوس کے علاوہ ٹیلی گراف کی

Scanned with CamScanner

تاریں کاٹی تھیں - ان شہروں کے باشندوں کو بھی مارشل لا عدالتوں کے روبرو پیش ہو کر سزائیں بھگتنا پڑیں - گجرات ' جلال پور جٹاں اور ملکوال میں رہنے والوں پر بھی مارشل لاء کا عذاب نازل ہوا - سارے پنجاب میں اٹھارہ آدمیوں کو پھانسی دی گئی سینکڑوں کو کوڑے مارے گئے - آل انڈیا کانگرس انکوائری رپورٹ میں جو ۱۹۲۰ میں شائع کی گئی تھی تین چھوٹے بچوں کی تصویریں بھی ہیں - ایک گوجرانوالہ کا سرداری لال ہے جس کا بازو بم سے زخمی ہونے کی وجہ سے کاٹ دیا گیا تھا - گجرات کا دس سالہ کندن لال ہے جسے انگریزوں کے خلاف جنگ کرنے کے جرم میں کالے پانی کی سزا دی گئی تھی اور ایک قصور شہر کا گیارہ سالہ بچہ ہے جس پر شہنشاہ برطانیہ کے خلاف جنگ کرنے کا مقدمہ قائم کیا گیا - جس دیس کے بچے اتنے باغی اور بہادر تھے اس دیس کے نوجوان کیسے ہونگے - یہ آج سے صرف ستر سال پہلے پرانے پنجاب کا نقشہ ہے - پنجاب سے بہتر جدوجہد کا ریکارڈ اور کتنے صوبے پیش کر سکتے ہیں ؟

---

1. "Indian Muslims", Ram Gopal, Reprint Book Traders, Lahore, 1976 p. 13

۲ ـ " آب کوثر " شیخ محمد اکرام ' ۱۹۸۳ء لاہور ' صفحات ۱۹۱ ـ ۱۹۰

۳ ـ ایضاً صفحہ ۱۸۹

۴ ـ ایضاً صفحہ ۸۳

۵ ـ " تاریخ لاہور " کنہیا لال ہندی ' لاہور

۶ ـ " تاریخ فرشتہ " ترجمہ عبدالحئی خواجہ ' لاہور ـ ایضاً صفحہ ۱۵۳

۷ ـ ایضاً صفحہ ۱۵۳

۸ ـ ایضاً صفحہ ۱۵۳

۹ ـ ایضاً صفحہ ۱۹۰

۱۰ ـ ایضاً صفحہ ۲۳۳

۱۱ ـ ایضاً صفحہ ۲۳۲

۱۲ ـ " طبقات ناصری " منہاج سراج ـ ترجمہ غلام رسول مہر ' مرکزی اردو بورڈ ' لاہور ۱۹۷۵ء ' جلد اول صفحہ ۷۹

۱۳ ـ " تاریخ فرشتہ " مذکورہ بالا ' صفحہ ۲۳۰

14. "Nadir Shah", L. Lockhart, Reprint Lahore.

15."Nadir Shah", L. Lockhart, Reprint Al-Irfan, Lahore, p. 150

16. "Ahmad Shah Abdali, Ganda Singh, Reprint Gosha-e-Adab, Quetta, p. 96

17. Op. cit. pp. 94-95

18. Op. cit. pp. 42-43

19. Op. cit. p. 44

20. Op. cit. p. 52

21. Op. cit. p. 58

۲۲ ـ " تاریخ دولت عثمانیہ " جلد اول رلاڈوں کیٹر ' ترجمہ جامع عثمانیہ حیدر آباد دکن ' صفحات ۳۶ ـ ۳۵

۲۳ ـ " عمل صالح " المعروف بہ شاہجہان نامہ ' محمد صالح کنبوہ ' ترجمہ ڈاکٹر ناظر حسن زیدی مرکزی اردو بورڈ لاہور ـ صفحات ـ ۷۳ ـ ۷۷۳

Scanned with CamScanner

فہرست ماخذ

ذیل میں ان کتابوں کے نام دیے جاتے ہیں جن سے مختلف ابواب کی تدوین میں استفادہ کیا گیا

پنجاب اور بیرونی حملہ آور

"An Introduction to the Study of Indian History", D.D. Kosambi, Bombay, 1975.

"A History of India", Romila Thapar, Penguin Books, 1982

"Harrapan Civilization: A Contemporary Perspective", Edit. Gregory L. PosschL, Oxford, 1989.

"The History of India as told by its own historians", Eliot and Dawson, Reprint Lahore, 8 vols.

"Punjab Under the Sultans", B.S. Nijjar, Reprint, lahore.

"Punjab Under the Great Moghuls", B.S. Nijjar, Reprint, Lahore.

"Punjab under the Later Moghuls", B.S. Nijjar, Reprint, Lahore.

"Punjab Under the British", Reprint, Lahore.

"History of the Punjab, Ancient Period", Edit. L.M. Joshi and Fauja Singh, Punjabi University, Patiala, 1977.

"History of the Punjab, Muslim Period", Edit. Fauja Singh, Punjabi University, Patiala, 1972.

"Ahmad Shah Abdali", Ganda Singh, Reprint Goshai Adab, Quetta.,

"Nadir Shah", L. Lockhart, Reprint Al Irfan, Lahore.

رنجیت سنگھ کا سنہری دور

"تاریخ پنجاب" اقبال صلاح الدین، لاہور، ۱۹۷۳ء

"تاریخ ملتان" نور احمد فریدی، جلد اول، ملتان، ۱۹۷۷ء

"The Sikhs", Khushwant Singh, London, 1953.

"Ranjit Singh, Maharaja of the Punjab", Khushwant Singh, Lahore 1962

"The Real Ranjit Singh", Faqir Waheed-ud-Din, Punjabi University, Patiala, 1981.

"Maharaja Ranjit Singh", Fauja Singh and A.C. Aurora, Punjabi University Patiala 1984.

"The Court and Camp of Ranjit Singh", W.G. Osborne, Oxford, 1973.

"History of Sikhs", J.D. Cinningham, Reprint New Delhi, 1981.

"Multan Under the Afghans, 1752—1818", Dr. A.M.K. Durrani, Multan. 1981.

پنجاب رنجیت سنگھ کے بعد

"تاریخ پنجاب" گنیالال ہندی، لاہور ۱۹۸۱ء

"British Power in Punjab", N.M. Khilnani, Bombay, 1972.

"A Book of Readings on the History of Punjab 1799—1947", Ikram Ali Malik, Lahore, 1970.

"The Punjab Campaign 1845—49", J.H. Lawrence-Archer, London, 1878

"History of the Punjab", Syed Muhammad Latif, Calcutta, 1891.

"A year on the Punjab Frontier" Herbert B. Edwardes, Reprint Lahore 1964.

"Crisis in the Punjab" Fredrick Cooper, Delhi, 1858.

برطانوی حکمران اور پنجابی مجاہدین آزادی

"آپ بیتی" جلد اول، ظفر حسن ایبک، لاہور ۱۹۲۴ء

"اوراق گمگشتہ"، سید رئیس جعفری ندوی، لاہور ۱۹۶۸ء

"چند یادیں، چند تاثرات"، دو جلدیں، ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی، لاہور، ۱۹۸۵ء

"کال پولیندی"، اے۔ ڈی۔ اعجاز، لاہور

"The First Indian War of Independence", Karl Marx and F. Engels, Moscow, 1978.

"Punjabi Heroic Tradition", Satya M. Rai, Punjabi University, Patiala, 1971.

"Punjab Disturbances 1919—1920, Indian Perspective", vol. I, (Report of the Commission appointed by the Punjab Sub-committee of the Indian National Congress to look into the Jallianwala massacre), Reprint New Delhi, 1976.

"Writings and Speeches", Lala Lajpat Rai, New Delhi, 1966.

"Friends and Foes", K.L. Gaba, Reprint Lahore.

"India as I Knew it "Sir Michael O'Dwyer

"Punjab Conspiracy Reports, Lahore

Scanned with CamScanner

پنجاب اور بیرونی حملہ آور

ہماری درسی کتابوں میں برصغیر پر حملہ آور ہونے والی شخصیات کی تصویر کشی خلاف حقیقت، رومانوی اور بعض اوقات تعصب پر مبنی انداز میں کی جاتی ہے۔ان حملہ آوروں کو، خواہ وہ غیر مسلم ہوں یا مسلمان، مخصوص سماجی و تاریخی سیاق و سباق میں رکھ کر انکے بارے میں رائے زنی نہیں کی جاتی اور نہ ان کی فتوحات کے پس پشت موجود حقیقی اسباب و اغراض کو ہی زیر بحث لایا جاتا ہے۔اکثر لٹیروں کو ہیرو بنایا جاتا ہے پھر ان پر مبنی "اسلامی تاریخی ناول" تخلیق ہوتے ہیں اور ٹیلی ویژن سیریل چلتے ہیں۔

پنجابی عوام کی وہ مثالی جدوجہد جو انہوں نے حملہ آوروں کے خلاف کی اب تک ہماری درسی کتب کی زینت نہیں بن سکی۔نہ مقامی آبادی کے کسی مرد جری کو ہیرو تسلیم کیا گیا، نہ ان کی حملہ آور مخالف جدوجہد ہی اس قابل سمجھی گئی کہ اسے اگلی نسل تک پہنچایا جائے "پنجاب اور بیرونی حملہ آور" ہماری درسی کتابوں میں موجود پنجاب کی مسخ شدہ تاریخ کو درست کرنے کی ایک کوشش ہے۔

قیمت -/۵۰ روپے

مکتبہ فکرودانش

۱۸۔اے، مزنگ روڈ، لاہور

ٹائٹل ڈیزائن: قیصر نذیر خاور